جدید فقہی تحقیقات

غیر مسلم ممالک میں عدالتوں کی طلاق

[یعنی جن ممالک میں مسلمان اقلیت میں ہیں، اگر وہاں غیر مسلم جج وقوع طلاق کا فیصلہ کریں تو کن صورتوں میں ان کا فیصلہ شرعاً معتبر ہوگا، اور کن صورتوں میں نہیں ہوگا؟ اس مسئلہ پر تفصیلی مقالات اور اہل علم کے مناقشات کا مجموعہ]

ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : غیر مسلم ممالک میں عدالتوں کی طلاق
صفحات : ۴۴۴
قیمت : ۱۶۰/روپے
طبع اول : مارچ ۲۰۱۱ء

ناشر

ایفا پبلیکیشنز، نئی دهلی
۱۶۱-ایف بیسمنٹ، جوگا بائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸
جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵
ای میل:ifapublication@gmail.com
فون:011 - 26981327

مجـــلـــس ادارت

۱- مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی

۲- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

۳- مولانا بدر الحسن قاسمی

۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۵- مولانا عتیق احمد بستوی

٦- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

فہرست

ابتدائیہ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۱

پہلا باب: تمہیدی امور

اکیڈمی کا فیصلہ		۱۵
سوالنامہ		۱۷
تلخیص مقالات	قاضی محمد کامل قاسمی	۲۰
عرض مسئلہ	مولانا خورشید احمد اعظمی	۶۷

دوسرا باب: تفصیلی مقالات

غیر مسلم ممالک کی عدالتوں سے طلاق کے فیصلے	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۸۱
غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کا مسئلہ	مولانا خورشید انور اعظمی	۹۵
غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق دینے کا شرعی حکم	مولانا بدر احمد مجیبی ندوی	۱۰۳
غیر مسلم عدالت کا فیصلہ فسخ نکاح	مفتی انور علی اعظمی	۱۱۲
غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کا شرعی حکم	مولانا ابوسفیان مفتاحی	۱۱۸
غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کی شرعی حیثیت	مفتی محمد ابوبکر قاسمی	۱۲۴
غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق	مولانا محمد جعفر ملی رحمانی	۱۳۴
غیر مسلم ممالک میں عدالتوں کی طلاق	مولانا خورشید احمد اعظمی	۱۴۰
غیر مسلم ممالک میں آباد ہونے والے مسلمانوں کی ذمہ داریاں اور ان کے حق میں غیر مسلم حکام کے فیصلے	مفتی محمد اقبال ٹنکاروی	۱۴۶
غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق	مولانا اشتیاق احمد اعظمی	۱۵۸

غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق	مولانا عطاء اللہ قاسمی	۱۶۷
غیر مسلم ملکوں میں عدالت کے ذریعہ حاصل کئے گئے طلاق کا شرعی حکم	مولانا محمد شاہجہاں ندوی	۱۸۳
غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کا فیصلہ	مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی	۲۰۵
غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق	مفتی اشرف قاسمی	۲۱۷
غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق وتفریق	مفتی محمد عارف باللہ قاسمی	۲۲۵
غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ حاصل کئے گئے طلاق کا شرعی حکم	مفتی محمد عثمان بستوی	۲۳۸
غیر مسلم عدالتی فیصلہ اسلامی تناظر میں	مولانا سلمان پالنپوری	۲۵۳
غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق	مولانا عبدالحی مفتاحی	۲۶۲
غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق اسلامی تناظر میں	مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی آواپوری	۲۶۷
غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق-ایک تحقیقی جائزہ	مولانا عبیداللہ ندوی	۲۷۷
غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق-شرعی تناظر میں	مفتی محمد اقبال قاسمی	۲۸۳
غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق	مولانا محمد رمضان علی	۲۹۲
غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق کے فیصلے	مفتی لطیف الرحمٰن ولایت علی	۳۰۱
غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق	مولانا محمد موسیٰ شمسی قاسمی	۳۰۹
غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق	مولانا ارشد شاداب	۳۱۷

تیسرا باب: مختصر تحریریں

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کا مسئلہ	مفتی شیر علی گجراتی	۳۳۱
غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق	مولانا زبیر احمد قاسمی	۳۳۴
غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق وتفریق	مولانا محمد قاسم مظفرپوری	۳۳۷
غیر مسلم ملکوں میں بذریعہ عدالت طلاق کا فیصلہ	مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی	۳۴۲
غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق	مفتی عبدالرحیم قاسمی	۳۴۷
غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۳۵۰
غیر اسلامی عدالت کے ذریعہ طلاق	مولانا اختر امام عادل قاسمی	۳۵۴
کیا غیر مسلم جج مسلمانوں کا نکاح فسخ کرسکتا ہے؟	مولانا عبدالقیوم پالنپوری	۳۵۸
غیر مسلم عدالت میں طلاق وتفریق کا فیصلہ	مولانا ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی	۳۶۲

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق شرعاً معتبر ہے یا نہیں	مولانا محی الدین بروڈوی	۳۶۷
غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق - ایک تحقیقی جائزہ	مولانا مصیح اختر	۳۷۱
غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق	مفتی معزالدین قاسمی	۳۷۵
غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق کا شرعی حکم	مولانا عبداللطیف پالنپوری	۳۷۹
فسخ نکاح میں غیر مسلم ممالک کے عدالتوں کا فیصلہ	مولانا محمد فاروق دربھنگوی	۳۸۳
غیر اسلامی عدالتوں میں طلاق کے مسائل	حافظ شیخ کلیم اللہ عمری مدنی	۳۸۷
غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق	مولانا محمد حسن عبدالحق ندوی	۳۸۹
غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق	مولانا رضوان الحق مظاہری	۳۹۳
غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق کا شرعی حکم	مولانا افتخار احمد مفتاحی	۳۹۸
غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کا مسئلہ	مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی	۴۰۱
غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کا فیصلہ	مفتی محمد حنیف	۴۰۲
غیر مسلم ممالک کی عدالتوں میں تفریق کا فیصلہ شریعت کی نظر میں	مفتی محمد ارشد فاروقی	۴۰۶
غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق	مولانا ریاض احمد قاسمی	۴۱۱
غیر مسلم عدالتوں کے ذریعہ دی گئی طلاق کا مسئلہ	سید عبدالحفیظ الحجاوی	۴۱۳
غیر مسلم ملکوں میں بذریعہ عدالت طلاق کا شرعی حکم	مولانا نثار احمد گودھروی	۴۱۵

چوتھا باب: اختتامی امور

مناقشہ ۴۱۹

☆☆☆

ابتدائیہ

اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی تقریباً نصف آبادی مختلف اسباب کے تحت غیر مسلم ممالک میں آباد ہے، وہاں انہیں بعض ایسے مسائل درپیش ہیں جن سے عالم اسلام میں بسنے والے مسلمان دوچار نہیں ہیں، ان ہی میں ایک اہم مسئلہ عدالت کے ذریعہ حاصل کی جانے والی طلاق ہے، عدالت کی طرف سے فسخ نکاح کا فیصلہ اس بنیاد پر ہوتا ہے کہ قاضی کو عام مسلمانوں پر ولایت حاصل ہے، دوسری طرف یہ بھی قریب قریب متفق علیہ مسئلہ ہے کہ غیر مسلم کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں ہوسکتی اور وہ شرعاً قاضی نہیں ہوسکتا، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ غیر مسلم جج اگر کسی مسلمان عورت کو طلاق دے بھی دے اور فسخ نکاح کا فیصلہ کر بھی دے تب بھی شرعاً طلاق واقع نہیں ہوتی اور اس عورت کے لئے اس فیصلہ کی بنیاد پر دوسرا نکاح کرنا جائز نہیں، لیکن جن ملکوں میں مسلم پرسنل لا نافذ نہیں ہے اور مرد کو خود طلاق دینے کا اختیار نہیں بلکہ قانوناً عدالتیں ہی طلاق دینے کی مجاز ہیں وہاں بعض دفعہ طلاق دینے کے لئے خود مرد رجوع کرتا ہے، بعض اوقات طلاق پر مرد سے دستخط حاصل کیا جاتا ہے، بعض دفعہ عورت طلاق کا مطالبہ کرتی ہے اور مرد عدالت سے کہتا ہے کہ وہ جو چاہے فیصلہ کردے، ایسی صورتوں میں کیا عدالت کو شوہر کا وکیل تصور کیا جاسکتا ہے اور یہ طلاق شوہر کی طرف سے مانی جاسکتی ہے؟ اس پہلو پر غور کرنے کے لئے اکیڈمی نے اپنے انیسویں فقہی سمینار میں علماء کو دعوت دی۔

موضوع پر بڑے اہم مقالات بھی پیش کئے گئے، تفصیلی تبادلہ خیال بھی ہوا اور مختلف نقاط نظر سامنے آئے، لیکن بالآخر جن نکات پر اتفاق رائے ہوا وہ تجاویز کی صورت میں اس مجموعہ

کا حصہ ہے، اس حقیر کا خیال ہے کہ اردو زبان میں اس موضوع پر غالباً پہلی بار اتنی تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو قرآن وحدیث اور فقہاء کے اجتہادات کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے، چنانچہ عزیزی مولانا محمد سراج الدین قاسمی رفیق شعبہ علمی نے ان مناقشات اور مقالات کا مجموعہ مرتب کیا ہے، جو اس وقت قارئین کے سامنے ہے، اللہ تعالی کا شکر واحسان ہے کہ اکیڈمی کی خدمات میں تسلسل قائم ہے اور فکر ونظر کا یہ قافلہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے، واللہ المستعان۔

۱۶/صفر ۱۴۳۲ھ	خالد سیف اللہ رحمانی
۲۱/جنوری ۲۰۱۱ء	(جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)

جدید فقہی تحقیقات

پہلا باب

تمہیدی امور

اکیڈمی کا فیصلہ:

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مجمع الفقہ الاسلامی الہند (اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا) کا انیسواں سمینار صوبہ گجرات کے ضلع بھروچ کے معروف علمی ادارہ ''جامع مظہر سعادت ہانسوٹ'' میں ۲۷ تا ۳۰ رصفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۲ تا ۱۵ رفروری ۲۰۱۰ء بروز جمعہ تا دوشنبہ منعقد ہوا۔

اس سمینار میں ملک کے تمام صوبہ جات کے ممتاز علماء، اور مرکزی اداروں کے نمائندوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی، بیرون ملک سے بھی بہت سے علماء کی شرکت رہی، امریکہ، کناڈا، برطانیہ، جنوبی افریقہ کے علاوہ نیپال وایران نیز قطر سے وہاں کے معروف عالم و محقق شیخ علی محی الدین قرہ داغی، اور مصر سے دارالافتاء مصریہ کے نمائندہ ونائب مفتی شیخ احمد ممدوح سعد نے بھی شرکت کی۔

اس سمینار میں پانچ موضوعات میں سے ایک موضوع ''غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق'' کے لئے درج ذیل تجاویز پاس کی گئیں:

۱- غیر مسلم ممالک کی عدالت کا جج اگر مسلمان ہو اور وہ فیصلہ کرتے وقت شرعی ضوابط کا لحاظ رکھتا ہے تو اسے مسلم حاکم کے قائم مقام تسلیم کرتے ہوئے فسخ نکاح کے سلسلہ میں اس کا فیصلہ معتبر ہوگا۔

۲- جن غیر مسلم ممالک میں حکومت کی طرف سے مسلمانوں کے لئے شرعی اصولوں کے

مطابق قضاء کا نظام قائم نہیں ہے، وہاں کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ ارباب حل و عقد کے مشورے سے دارالقضاء، شرعی پنچایت یا ان جیسے ادارے قائم کریں اور اپنے نزاعات و معاملات میں ان ہی کی طرف رجوع کریں۔

۳- طلاق چونکہ ابغض المباحات ہے، اس لئے اسے اختیار کرنے سے پہلے پورے طور پر مصالحت اور نباہ کی صورت نکالنی چاہئے اور حتی الامکان طلاق و خلع سے بچنے کی کوشش کی جانی چاہئے۔

۴- غیر مسلم ممالک کی عدالت میں شوہر قانونی مجبوری کے تحت غیر مسلم جج کو درخواست دیتا ہے کہ میرا رشتہ نکاح ختم کردیا جائے اور جج تفریق کا فیصلہ کرتا ہے، تو جج کے فیصلہ تفریق کو طلاق بائن مانا جائے گا؛ البتہ بہتر ہے کہ عدالت کے فیصلہ کے بعد شوہر اپنی زبان سے بھی الفاظ طلاق کہہ دے۔

۵- اگر غیر مسلم ممالک کی عدالت میں غیر مسلم جج کے سامنے عورت رشتہ ازدواج کو ختم کرنے کے لئے درخواست دیتی ہے اور غیر مسلم جج اس کی درخواست پر شوہر کی اجازت سے تفریق کا فیصلہ کرتا ہے تو معتبر ہے، ورنہ یہ تفریق شرعاً معتبر نہیں ہوگی، ایسی صورت میں عورت یا تو شوہر سے خلع حاصل کرے یا دارالقضاء و شرعی پنچایت کے ذریعہ نکاح فسخ کرائے۔

☆☆☆

سوالنامہ:

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

شریعت اسلامیہ نے رشتۂ نکاح کو ختم کرنے کا حق شوہر کو ہی دیا ہے، شوہر کے ماسوا کسی کو یہ حق شوہر کی طرف سے اس کی نیابت میں ہی حاصل ہوتا ہے، یہ نیابت وکیل کی بھی ہوتی ہے، اور کبھی حاکم وحکم کو بھی حاصل ہوتی ہے اور اس صورت میں وکیل یا حاکم وحکم کی طرف سے رشتۂ نکاح کو ختم کیا جاتا ہے۔

البتہ حاکم کی طرف سے علیحدگی کے فیصلے میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شوہر موجود نہیں ہوتا یا شوہر راضی نہیں ہوتا پھر بھی حاکم ایسے فیصلے پر مجبور ہوتا ہے۔

حاکم اگر مسلمان ہے خواہ قاضی شرعی ہو یا امیر تو اس کے فیصلے کا شرعاً اعتبار متفق علیہ ہے، اس لئے کہ شریعت نے اس کو عامۃ المسلمین کے مفادات کے حق میں ولایت عامۃ دی ہے، اس کی وجہ سے اس قسم کے فیصلے بھی نافذ ہوتے ہیں۔

البتہ حاکم کے غیر مسلم ہونے کی صورت میں سوال ہے کہ اس کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟ ہندوستان میں تو عموماً رائے اس کے عدم اعتبار کی ہے؛ لیکن مغربی ممالک میں جہاں بڑی مقدار میں برصغیر کے باشندے بھی ہیں، وہاں اس کی وجہ سے لوگ الجھن واضطراب میں بھی ہیں اور وہاں بعض حضرات کا رجحان یہ ہے کہ حاکم غیر مسلم بھی ہو تو حاکم ہے؛ لہذا اس کے ان فیصلوں کا بھی اعتبار کیا جانا چاہئے؛ لیکن وہاں بھی عام رجحان یہ نہیں ہے اور لوگ اس کی وجہ سے اضطراب اور پریشانیوں کا شکار ہیں، اس صورت حال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مسئلہ کی تحقیق مقصود ہے؛ تاکہ

اس الجھن واضطراب کو دور کیا جاسکے۔

حاصل شدہ معلومات کے مطابق برطانیہ وغیرہ میں کئی شکلیں پائی جاتی ہیں جو دوسری جگہوں میں بھی ہوسکتی ہیں:

۱- شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتا ہے کہ میں اپنے رشتہ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہوں؛ لہٰذا میرے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کردیا جائے، اور اس کے بعد عدالت ضابطہ کی کاروائی کرنے کے بعد طلاق وفرقت کا فیصلہ کردیتی ہے، اس صورت کا کیا حکم ہوگا اور کیا اس درخواست کو تفویض وتحکیم مانا جاسکتا ہے، اور اسی بنیا پر غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر ہوگا؟

۲- دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ عورت کی طرف سے عدالت میں درخواست آتی ہے کہ میرا رشتۂ نکاح ختم کردیا جائے، عدالت شوہر کو بلا کر اس سے دستخط لیتی ہے کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور کرنا ہوگا، اور کاروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ کیا جاتا ہے، اس صورت حال کا کیا حکم ہوگا اور شوہر کے دستخط کی کیا حیثیت ہوگی؟

۳- تیسری صورت یہ ہے کہ عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں نہیں آیا، یا آیا تو مگر دستخط وتفویض پر تیار نہیں ہوا اور عدالت نے حالات کا جائزہ لے کر تفریق کا فیصلہ کردیا تو اس کا کیا حکم ہوگا؛ جبکہ اس صورت میں جو فیصلہ ہوا ہے، اس کی بابت شوہر کی طرف سے کوئی آمادگی نہیں ہے۔

۴- کیا مسئلہ میں اس سے بھی کچھ فرق پڑسکتا ہے کہ جج اگرچہ غیر مسلم حکومت وغیر مسلم عدالت کا ہے، مگر مسلمان ہے، وہ اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت اس قسم کا کام بھی کرتا ہے، تو کیا اس کو "مسلم حاکم وقاضی" کی حیثیت دی جاسکتی ہے، اور اس حیثیت سے اس کے فیصلہ فرقت کا اعتبار کیا جاسکتا ہے؟

۵- ضرورت اس کی بھی ہے کہ اس بابت کچھ اصولی روشنی ڈالی جائے کہ غیر مسلم عدالتیں

اور حکام کس حد تک مسلمانوں کے معاملات میں فیصلے کر سکتے ہیں یا کس حد تک ان کے فیصلوں کا اعتبار مسلمان کر سکتے ہیں؟ اس بابت فقہاء کی اصولی وفروعی تصریحات وتوضیحات زیر بحث مسئلہ میں معاون ثابت ہوگی۔

☆☆☆

تلخیص مقالات:

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا قاضی محمد کامل قاسمی ☆

اسلامک فقہ اکیڈمی کے انیسویں فقہی سمینار کا ایک موضوع "غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق" ہے، اس موضوع سے متعلق اب تک اکیڈمی کو کل ۳۷ مقالات موصول ہوئے ہیں، ان مقالات کی تلخیص حسب ذیل ہے:

سوال نمبر ۱: شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتا ہے کہ میں اپنے رشتہ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہوں، لہذا میرے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کردیا جائے اور اس کے بعد عدالت ضابطہ کی کاروائی کرنے کے بعد طلاق وفرقت کا فیصلہ کردیتی ہے، اس صورت میں کیا حکم ہوگا اور کیا اس درخواست کو تفویض وتحکیم مانا جاسکتا ہے، اور اسی بنیاد پر غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر ہوگا؟

سوال میں مذکور صورت میں غیر مسلم جج کے فیصلہ سے طلاق واقع ہوجائے گی اور غیر اسلامی عدالت کا یہ فیصلہ معتبر ہوگا۔

اس رائے کو اختیار کرنے والے حضرات مقالہ نگار کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا اشتیاق احمد اعظمی قاسمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مفتی سلمان پالنپوری

☆ دارالقضاء اوکھلا مین مارکیٹ، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵۔

قاسمی، مولانا محمد فاروق دربھنگوی، مفتی محمد عارف باللہ قاسمی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مفتی رضوان الحسن مظاہری، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی محمد اشرف، مولانا ارشد شاداب، مفتی اقبال، مولانا محمد رمضان علی، مولانا عبدالحئی مفتاحی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا ذکاءاللہ شبلی۔

ان میں سے ۱۲ حضرات کی رائے یہ ہے کہ غیر مسلم جج شوہر کا وکیل ہے اور غیر مسلم شخص کو طلاق دینے کا وکیل بنانا جائز ہے۔

ان حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مفتی سلمان پالنپوری، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا عبدالحئی مفتاحی، مولانا ارشد شاداب اور مولانا محمد رمضان علی۔

۵ حضرات نے اسے تفویض طلاق پر محمول کیا ہے، ان حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں: مولانا اشتیاق احمد اعظمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی محمد اشرف، مولانا انور علی اعظمی، مولانا ذکاءاللہ شبلی۔

مولانا محمد شاہجہاں ندوی نے لکھا ہے کہ شوہر کی درخواست کو تفویض مطلق یا توکیل یا تحکیم نہیں مان سکتے، تفویض مقید مان سکتے ہیں، مولانا محمد شاہجہاں ندوی اور مولانا عبداللطیف نے یہ بھی لکھا ہے کہ عدالت کے طلاق وفرقت کے فیصلہ کے بعد خود سے بھی شوہر طلاق دے دے۔

مولانا محمد فاروق دربھنگوی نے لکھا ہے کہ درخواست دینا تحکیم کی ایک صورت ہے جس میں تفصیل مذکور کے مطابق شوہر سے طلاق لے کر فرقت نامہ تحریر کر دینا معتبر ہے، اس کے تحکیم کی صورت ہونے پر موصوف نے کوئی دلیل پیش نہیں کی ہے بلکہ اپنے مقالہ میں ہدایہ کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ کافر کو حکم بنانا جائز نہیں ہے، وفی الهداية: لا يجوز تحكيم الكافر۔

شوہر کی درخواست کو اس کی طرف سے توکیل قرار دینے کی دلیل میں درج ذیل عبارتوں کو پیش کیا گیا ہے:

"واجمعوا علی ان قوله لأجنبی: طلق امرأتی توکیل ولا یتقید بالمجلس" (بدائع الصنائع ۳/۱۲۲)۔

"اذا قال لرجل: طلق امرأتی توکیلا ولم یقتصر علی المجلس" (فتاوی عالمگیری ۱/۴۰۲، الفصل الثالث فی المشیئۃ)۔

"اذا قال لرجل: طلق امرأتی فله أن یطلقها فی المجلس وبعده وله أن یرجع، لأنه توکیل وانه استعانة فلا یلزم ولا یقتصر علی المجلس" (ہدایہ ۲/۳۶۱)۔

"لو قال لرجل طلق امرأتی لم یتقید بالمجلس لأنه توکیل وانه استعانة فلا یقتصر علی المجلس وأشار إلی أنه له الرجوع عنه" (البحر الرائق ۳/۳۳۰، مطبوعہ رشیدیہ پاکستان)۔

غیر مسلم کو وکیل بنانا شرعاً جائز ہے، اس کے متعلق پیش کی گئی دلیلیں حسب ذیل ہیں:

مولانا خورشید انور اعظمی صاحب اور مولانا ارشد شاداب صاحب نے بخاری شریف سے استدلال کیا ہے کہ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری شریف میں اس سلسلہ میں مستقل ایک باب قائم کیا ہے: "باب إذا وکل المسلم حربیا فی دار الحرب او دار الاسلام جاز" (بخاری شریف ۱/۳۰۸) اس کے ذیل میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ایک خط کا تذکرہ کیا ہے جس میں انہوں نے امیہ بن خلف کو لکھا ہے کہ مکہ میں وہ میرے متعلقین کی نگہداشت کریں اور مدینہ میں ہم ان کے متعلقین کی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے اس عمل سے واضح ہوتا ہے کہ غیر مسلم کو وکیل بنانا جائز ہے، اس لئے کہ آپ نے یہ عمل نبی اکرم ﷺ کی اجازت ہی سے کیا ہوگا، جیسا کہ علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں تحریر فرمایا ہے:

"الظاهر أن عبد الرحمن لم یفعل هذا إلا باطلاع النبی ﷺ فلم ینکر

عليه فدل على صحته"(عمدۃ القاری ۵/ ۶۸۲)۔

"**ويصح توكيل كافر في نكاح كتابية ولو لمسلم، لانه يملك نكاحها لنفسه وكذا في طلاق مسلمة**"(اسنی المطالب، کتاب الوکالۃ، الباب الاول، علامہ ابو یحیی زکریا انصاری شافعی)۔

"**ما يرجع الى الوكيل فالعقل فلا يصح توكيل مجنون وصبي لا يعقل لا البلوغ والحرية وعدم الردة فيصح توكيل المرتد** " (البحر الرائق ۷/ ۱۴۰ کتاب الوکالۃ مطبوعہ پاکستان)۔

"**وكذا ردة الوكيل لا تمنع صحة الوكالة فتجوز وكالة المرتد بأن وكل مسلم مرتداً، لأن وقوف تصرفات المرتد لوقوف ملكه والوكيل يتصرف في ملك الموكل وانه نافذ التصرفات**"(بدائع الصنائع ۵/ ۱۶ کتاب الوکالۃ مطبوعہ زکریا دیوبند)۔

وکالۃ کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے، اس لئے غیر مسلم کو وکیل بنانا صحیح ہے۔

"**إذا وكل المسلم أو الذمي حربيا مستامنا في دارالاسلام بخصومة او بيع جاز**"(ہندیہ ۳/ ۵۶۳)۔

"**قال ابن المنذر: توكيل المسلم حربيا مستامنا وتوكيل الحربي المستامن مسلما لا خلاف في جوازه**" (عمدۃ القاری ۸/ ۶۷۱)۔

جن پانچ حضرات نے شوہر کی اس درخواست کو تفویض پر محمول کیا ہے ان کے مستدلات کا خلاصہ یہ ہے:

تفویض وتوکیل کی تعریف: جس طرح مرد کو طلاق کا اختیار ہے اسی طرح وہ اپنا اختیار دوسروں کو سونپ سکتا ہے، اگر اس نے یہ اختیار اپنی بیوی کو دیا کہ وہ اپنی طرف سے اپنے اوپر طلاق واقع کرلے یا کسی اور شخص کو اس بات کا اختیار دیا کہ اگر وہ چاہے تو اس کی بیوی کو طلاق

دے دے تو یہ تفویض ہے، لیکن اگر کسی دوسرے عاقل بالغ کو طلاق دینے کا حکم دے اور اس کے اختیار پر نہ چھوڑے تو یہ توکیل ہے۔

یہ سپردگی اگر طلاق کے لفظ کے ساتھ ہے تو تفویض و توکیل صریح ہوگی اور اگر ایسے لفظ کے ساتھ ہے جو طلاق کے لئے صریح نہیں ہے تو اس میں شوہر کی نیت کا اعتبار ہوگا۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

"ان یکون ذلک بمباشرة الزوج بنفسه بطریق الاصالة او بغیره باذنه أو أمره وذلک نوعان توکیل و تفویض۔

اما التفویض فنحوقول الرجل لامرأته أمرک بیدک، اختاری، انت طالق ان شئت" (بدائع الصنائع ۳/۱۱۲-۱۱۳)۔

شامی میں ہے:

"قال لها: اختاری او امرک بیدک یتولی تفویض (الطلاق) لانهما کنایة فلا یعملان بلانیة" (درمختار ۲/۶۵۳-۶۵۵ باب تفویض الطلاق)۔

"المراد بالتفویض تملیک الطلاق" (شامی ۴/۳۱۴)۔

"ان الزوج کما یملک التطلیق بنفسه یملک ان ینیب عنه غیره فیه فله أن یفوض الطلاق إلی غیره ویکون التفویض بتعلیق أمرا لطلاق علی مشیة الاجنبی" (الاحوال الشخصیة ص ۳۴۵ ابوزہرہ)۔

تفویض طلاق کی اصل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

"یا أیها النبی قل لأزواجک أن کنتن تردن الحیوة الدنیا وزینتها فتعالین أمتعکن وأسرحکن سراحاً جمیلا، ان کنتن تردن الله ورسوله والدار الأخرة فان الله اعدللمحسنا ت منکن أجرا عظیما" (سورۂ احزاب ۲۸-۲۹)۔

اس آیت کے تحت امام جصاصؒ لکھتے ہیں: **"ان اختارت زوجها فلا شئ وان**

اختارت نفسها فواحدة بائنة اذا اراد الزوج الطلاق "(احکام القرآن للجصاص ۳/ ۴۶۹)۔

مصنف ابن شیبہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے موقوفاً منقول ہے کہ "اذا خير الرجل امرأته فاختارت نفسها فواحدة بائنة وان اختارت زوجها فلا شئ" (مصنف ابن شیبہ ۹/ ۵۸۳، مطبوعہ پاکستان کراچی)۔

تفویض طلاق مجلس تک محدود رہتی ہے، اور شوہر کو اس سے رجوع کا اختیار نہیں رہتا ہے، فتاویٰ ولوالجیہ میں ہے:

"لو قال لاجنبي: طلقها ان شئت كان تمليكا حتى اقتصر على المجلس ولا يقبل الرجوع فيه" (فتاویٰ ولوالجیہ ۲/ ۹۶)۔

البتہ اگر تفویض طلاق کے لئے ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جو مجلس کے بعد بھی تفویض پر دلالت کرتے ہوں تو پھر مجلس کے بعد بھی اختیار باقی رہے گا، مثلاً "متى شاء"، "اذا شاء" (جب چاہے)، "متى ماشاء"، "اذا ماشاء" (جب بھی چاہے)، چنانچہ ہدایہ میں ہے:

"إذا قال لها طلقي نفسك متى شئت فلها ان تطلق في المجلس وبعده لأن كلمة "متى" عامة في الأوقات كلها فصار كما إذا قال في أي وقت شئت" (ہدایہ کتاب الطلاق ۲/ ۳۸۱)۔

لہذا شوہر کی درخواست میں تفویض طلاق کے لئے ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جو مجلس کے بعد بھی تفویض طلاق پر دلالت کرتے ہوں۔

مولانا محمد شاہجہاں ندوی صاحب اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں کہ "اس درخواست کو تفویض مطلق یا توکیل نہیں مان سکتے کیوں کہ تفویض مطلق مجلس کے ساتھ مقید ہوتی ہے، "الدر المختار" میں ہے: "الفرق بينهما في خمسة احكام: ففي التمليك لا يرجع، ولا يعزل، ولا يبطل بجنون الزوج، ويتقيد بمجلس، لا بعقل، فيصح تفويضه

بمجنون، وصبي لا يعقل، بخلاف التوكيل" (الدرالمختار ۵۵۶،۵۵۵/۴، کتاب الطلاق باب تفویض الطلاق دارالکتب العلمیہ بیروت)۔

اس درخواست کوتوکیل بھی نہیں قرار دے سکتے ہیں، کیونکہ عدالت ضابطہ کی کاروائی کرنے کے بعد طلاق وفرقت کے فیصلہ میں خودمختار ہوتی ہے، جبکہ وکیل موکل کی چاہت کے مطابق کام کرتا ہے۔

ردالمحتار میں ہے:"**والوكيل مطلوب منه الفعل شاء اولم يشا**"(ردالمحتار لابن عابدین محمد امین (۱۲۵۲ھ) کتاب الطلاق باب تفویض طلاق ۵۵۵/۴، دارالکتب العلمیہ بیروت)۔

اس درخواست کوتحکیم بھی نہیں مان سکتے ہیں کیونکہ حکم کا مسلم ہونا شرط ہے۔

البتہ اس کوتفویض مقید جومجلس کے ساتھ مقید نہیں ہوتی ہے مان سکتے ہیں، گویا درخواست دینے والا شوہر غیر مسلم جج کوعدالتی کاروائی مکمل کرکے طلاق دینے کا مالک بنارہا ہے، "البحرالرائق" میں ہے:

"**وتمسک ابن المنذر لمن لم يشرطه بقوله –عليه السلام لعائشةؓ: "لا تعجلي، حتى تستأمرى أبويک"، ضعيف، لأن هذا التخييرلم يكن المتنازع فيه وهو أن توقع بنفسها، بل على انها بان اختارت نفسها، طلقها بدليل قوله تعالى: فتعالين أمتعكن وأسرحكن سراحا جميلا**" (الاحزاب:۲۸)۔

"**وأجاب في المعراج بانه عليه السلام جعل لها الخيار، إلى غاية استشارة ابويها، لا مطلقا، وكلامنا في المطلق**" (البحرالرائق، کتاب الطلاق، باب تفویض الطلاق ۵۳۹/۳)۔

جج کووکیل ماننے یا معاملہ کی تفویض کرنے پر اعتراض:

غیر مسلم جج کووکیل ماننے یا معاملہ کی تفویض کرنے میں یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ موکل وکیل کوجس وقت چاہے معزول کرسکتا ہے لیکن یہ چیز عدالت کے جج کے بارے میں نہیں پائی

جاتی ہے، کیونکہ موکل چاہے بھی تو وکیل (غیر مسلم جج) کو معزول نہیں کرسکتا ہے، اگر تفویض مانتے ہیں تو یہ اعتراض لازم آتا ہے کہ تفویض مجلس تک ہی محدود رہتی ہے (جیسا کہ پچھلی عبارتوں سے واضح ہو چکا ہے) حالانکہ عدالت مجلس کے بعد طلاق واقع کرتی ہے۔

جواب: آپ کا یہ اعتراض درست نہیں کیونکہ موکل کا وکیل کو معزول کرنے کا اختیار یہاں بھی باقی ہے، البتہ معزول کرنے کی صورت یہ ہوگی کہ وہ شخص داخل کردہ درخواست واپس لے لے، درخواست واپس کرنا معزول کرنا ہوگا، اس سے پتہ چلا کہ موکل کا اختیار ابھی ختم نہیں ہوا بلکہ ابھی بھی باقی ہے۔

جہاں تک بات رہی تفویض کی تو اس میں ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جو مجلس کے بعد تک بھی تفویض پر دلالت کرتے ہوں۔

مثلاً ''متی شاء''، ''اذا شاء'' (جب چاہے)، ''متی ماشاء''، ''اذا ماشاء'' (جب بھی چاہے) چنانچہ ہدایہ میں ہے:

''ان قال لها طلقي نفسک متي شئت فلها ان تطلق في المجلس وبعده لان كلمة متي عامة في الاوقات كلها فصار كما اذا قال في اى وقت شئت'' (ہدایہ کتاب الطلاق ۲/ ۳۸۱) (دیکھئے: مقالہ مولانا ارشد شاداب)۔

مقالہ نگار حضرات میں سے ۱۴ مقالہ نگاروں کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ شوہر کی اس درخواست کو نہ تحکیم، نہ تفویض اور نہ توکیل کہا جاسکتا ہے، غیر مسلم عدالت کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں ہوگا، اس فیصلہ کی وجہ سے عورت مطلقہ نہیں ہوگی اور وہ دونوں بدستور میاں بیوی رہیں گے۔

مولانا صبیح اختر، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مفتی لطیف الرحمٰن، مولانا محمد احسن عبد الحق ندوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی معز الدین قاسمی، مفتی شیر علی، مفتی محمد اقبال قاسمی دربھنگہ، مولانا محمد موسیٰ شمسی قاسمی، ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی۔

ان حضرات کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر مسلم کو حکم نہیں بنایا جاسکتا ہے اور غیر مسلم جج کا فیصلہ مسلمان پر نافذ نہیں ہوسکتا ہے، ان دلائل کا مختصر ذکر آگے آئے گا۔

مفتی ابوبکر قاسمی صاحب نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے کہ بیوی کو طلاق دے کر تفریق تو خود کردے البتہ بر بنائے احتیاط اپنے تحفظ کی خاطر غیر مسلم جج کے ذریعہ بھی اپنے فیصلہ کی تائید و توثیق کرالے تو شرعا اس کی گنجائش ہے جیسا کہ سورہ آل عمران کی آیت ۲۸ میں وارد الفاظ "إلا أن تتقوا منهم تقة" میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

حافظ شیخ کلیم اللہ صاحب عمری مدنی کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ درخواست کی حیثیت تفویض کی ہے اور غیر مسلم عدالت کو تحکیم کا اختیار نہیں دیا جاسکتا، اور غیر مسلم جج صاحبان کا فیصلہ اگر اسلامی قوانین کے مطابق ہو جس کی توثیق معتبر و مستند علماء یا اسلامی تحریکات وغیرہ کے ذریعہ ہو تو یہ فیصلہ قابل قبول ہوگا ورنہ نہیں، جیسا کہ مؤقر علماء کے فتاوی میں مذکور ہے۔

"ولا تتوقف صحة الزواج بما هو متبع في القوانين الاسترالية لأن الزواج والطلاق من باب الولاية ولا ولاية لغير المسلم على المسلم ولكن يجب ان يوثق هذالزواج لدى الجهات الاسلامية المختصة بذلك" (فتاوی معاصرہ ۳۰۲/۱)۔

مولانا محمد شعیب عمر صاحب نے سوال نامہ میں درج سوالات میں سے کسی کا جواب نفی یا اثبات میں نہیں لکھا ہے۔

انہوں نے لکھا ہے کہ قضاء ولایت ہے اور کافر کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں ہوتی ہے، اس لئے اللہ تعالی کا فرمان ہے: "ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا" (۱۴۱/۴)، کچھ مثالیں پیش کی اور ان پر سوالیہ نشان لگایا ہے۔

بعض حضرات نے اس سے تعرض نہیں کیا کہ کافر کو مسلمان پر ولایت حاصل ہوتی ہے یا نہیں اور کافر کو حکم بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ البتہ اکثر مقالہ نگار حضرات اس پر متفق ہیں کہ کافر کو

مسلمان پر ولایت حاصل نہیں ہوتی اور غیر مسلم جج و حاکم کا فیصلہ مسلمان پر نافذ نہیں ہوتا ہے، اور غیر مسلم کو حکم نہیں بنایا جاسکتا ہے۔

دلیل قرآن کریم کی آیت: ”ولن یجعل الله للکافرین علی المؤمنین سبیلا“ (سورۂ نساء:۱۴۱)۔

اس آیت کی تشریح میں شاطبی تحریر کرتے ہیں ”إن حمل علی انه اخبار لم یستمر مخبره، لو قوع سبیل الکافر علی المؤمنین کثیراً بأسره واذلاله، فلا یمکن ان یکون المعنی الا علی ما یصدقه الواقع و یطرد علیه، وهو تقریر الحکم الشرعی فعلیه یجب ان یحمل “(الموافقات للشاطبی، المقدمۃ الثالثۃ عشرۃ ۱/۱۵۶، دار ابن عفان السعودیہ)۔

یعنی آیت خبر کی صورت میں وارد ہوئی اور اس سے مراد امر ہے اور مطلب یہ ہے کہ شرعی اعتبار سے یہ درست نہیں کہ کافر کو مسلمانوں پر قانونی تسلط حاصل ہو۔

”یا أیها الذین آمنوا أطیعوا الله واطیعوا الرسول وأولی الامر منکم فإن تنازعتم فی شیء فردوه إلی الله والرسول إن کنتم تؤمنون بالله والیوم الآخر ذلک خیر وأحسن تاویلا“ (سورۂ نساء:۵۹)۔

”اولوالامر“ سے مراد:

”واصح القول الواردة فی المراد باولی الامر قولان:

الاول اصل القرآن والعلم وهو اختیار مالک ونحوه...... قالوا: هم الفقهاء والعلماء فی الدین۔

الثانی: وهو أولی الاقوال بالصواب هم الأمراء والولاة ......ویشتمل أمراء المسلمین فی عهد الرسول وبعده، ویندرج فیهم الخلفاء والسلاطین والأمراء و القضاة وغیره ممن له ولایة عامة“ (موسوعہ ۶/۱۸۹)۔

حضرت مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں:"اولو الامر" سے مراد خلفاء اسلام (یعنی مسلمان حکام مراد) ہیں، "ومنکم" اس کی کھلی دلیل ہے (اسلامی حکومت و دستور مملکت:۱۰۲)۔

"ألم تر إلى الذين يزعمون انهم آمنوا بها انزل اليک وما انزل من قبلک يريدون أن يتحاكموا إلى الطاغوت وقد أمروا أن يكفروا به ويريد الشيطان أن يضلهم ضلالا بعيدا" (سورۂ نساء:۶۹)۔

فقہی حوالے:

قاضی بننے کے لئے مسلمان ہونا بھی شرط ہے:

"الاسلام هو أحد الشروط التي يشترطها الفقهاء فيمن تقلدا لقضاء فلا يجوز تولية الكافر، لقوله تعالى:"ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا" (سورۂ نساء:۱۴۱، موسوعہ ۲۵۹/۳۳)۔

"الصلاحية للقضاء لها شرائط: منها العقل، ومنها البلوغ ومنها الاسلام ومنها الحرية ومنها البصر ومنها النطق ومنها السلامة عن حد القذف...... فلا يجوز تقليد المجنون والصبي والكافر والعبد والا عمى والأخرس والمحدود في القذف۔ لأن القضاء من باب الولاية بل هو اعظم الولايات، وهولاء ليست لهم أهلية أدنى الولايات، وهي الشهادة فلأن لايكون لهم أهلية أعلاها اولى" (بدائع الصنائع ۴/۷)۔

"كل من صلح شا هدا صلح قاضيا ومن لا فلا" (معین الحکام/۲۵)۔

"لأن القضاء ولاية ولا ولاية لغير المسلم على المسلم فلا تقبل شهادته عليه، لقوله تعالى: (ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا) و أجاز ابوحنيفة تقليد غير المسلم للقضاء بين أهل دينه" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷۴۴/۲)۔

"القضاء ولاية عامة.....أما الشروط المتفق عليها بين ائمة المذاهب فهي ان يكون القاضي عاقلا، بالغا، حرا، مسلما، سميعا، بصيرا، عالما بالأحكام الشرعية" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۷۴۳)۔

"وكذا الكافر لا ولاية له على المسلم، حتى لا تقبل شهادته عليه، ولأن هذه ولاية نظرية فلا بدمن التفويض الى القادر المشفق ليتحقق معنى النظر، والرق يزيل القدرة والكفر يقطع الشفقة على المسلم فلا تفويض اليهما" (ہدایہ ۳/ ۱۹۳ کتاب الوکالہ)۔

حکم وثالث میں حاکم وقاضی کی صفت کا ہونا ضروری ہے۔

"وهذا إذا كان الحكم بصفة الحاكم لأنه بمنزلة القاضي فيما بينهما فيشترط اهلية القضاء، ولا يجوز تحكيم الكافر" (ہدایہ ۳/ ۱۲۷)۔

"وفي الهداية لا يجوز تحكيم الكافر لانعدام اهلية القضاء" (فتح القدیر ۷/ ۲۵۶ لبنان)۔

"ولا يجوز تحكيم الكافر والعبد والذمي والمحدود في القذف والفاسق والصبي لانعدام اهلية القضاء" (ہدایہ ۳/ ۱۲۷)۔

اگر جج یا حاکم مسلمان نہ ہو تو اس کا فیصلہ قضاء قاضی کے قائم مقام نہ ہوگا۔"لأن الكافر ليس بأهل للقضاء على المسلم كما هو مصرح في جميع كتب الفقه" (الحیلۃ الناجزۃ ص ۴۵)۔

مفتی اقبال محمد ٹنکاروی صاحب کے مقالہ میں لکھا ہے کہ:

وہ ممالک جہاں غیر مسلم حاکم ہیں، حکومت کی باگ ڈور انہیں کے ہاتھ میں ہے، مسلمان وہاں اقلیت میں ہیں اور حکومتی اعتبار سے مسلمانوں کا کوئی وزن نہیں نہ اقلیت کے مذہبی قوانین کا کوئی پاس ولحاظ ہے، ایسے حالات میں مسلمان پرسنل لا (یعنی عائلی مسائل: نکاح،

طلاق، خلع، وقف، ہبہ، وراثت، وصیت وغیرہ) جیسے مسائل میں (جہاں قضاء قاضی ضروری ہے) مسلمان اپنے شرعی حاکم کے فیصلہ کے مطابق ہی عمل کریں گے۔ البتہ اس کے علاوہ (Creminal Code) میں انہیں حکومت کے فیصلے کے مطابق عمل کی گنجائش ہوگی۔

مولانا اقبال قاسمی اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں: جن فیصلوں کی بنیا داتنی اور ایسی شہادتوں پر ہو جو شریعت کی نظر میں بھی کافی ہو اور قانون کی نظر میں بھی کافی ہو، تو اب یہ مقدمات دو طرح کے ہیں: ایک وہ جن میں محض سبب شرعی کا پایا جانا کافی ہے، قاضی کا حکم ضروری نہیں ...... ایسے معاملات میں تو غیر مسلم حاکم بھی فیصلہ کرسکتا ہے، لیکن جن امور میں سبب شرعی کا پایا جانا کافی نہیں، بلکہ قاضی کا حکم بھی ضروری ہے، ان میں غیر مسلم حاکم کا فیصلہ معتبر نہیں (غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے کچھ مسائل رص ۱۳۸)۔

نزاعات کی ایک قسم ایسی ہے کہ اس میں قضاء قاضی شرط ہے اس میں قاضی مسلم بااختیار کا ہونا اشد ضروری ہے ایسا نہ ہونے کی وجہ سے بہت سی اسلامی ضرورتیں معطل ہی نہیں بلکہ مسلمان سخت مواخذہ شرعیہ میں مبتلا ہوتے ہیں (مستفاد کفایت المفتی ۲/۲۲۰)۔

اس قسم میں غیر مسلم عدالتیں اور حکام فیصلہ نہیں کر سکتے اگر کریں گے تو شرعا معتبر نہیں ہوگا، **"لأن الكافر ليس بأهل للقضاء على المسلم كما هو مصرح في جميع كتب الفقه"** (الحیلۃ الناجزۃ ۴۵)۔

وہ معاملات جن میں قضاء قاضی ضروری ہے اور ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ بسا اوقات کسی عورت کا شوہر مفقود ہو جاتا ہے اور عورت بھی نو عمر اور محتاج ہوتی ہے، متاخرین حنفیہ کے فتوی کے بموجب اس کے لئے گنجائش ہے کہ وہ اپنی طبعی و مالی مشکلات سے گلوخلاصی کے لئے کوئی راستہ اختیار کرے، لیکن اس کی تکمیل بغیر مسلم قاضی کے فیصلے اور حکم کے نہیں ہوسکتی ہزاروں عورتیں اس مصیبت میں مبتلا ہیں، اور موجودہ حکومت کا قانون ان کی مصیبت رفع کرنے کے لئے ناکافی ہے اور مسلم قاضی کا نہ ہونا ان تمام مصائب کا ذمہ دار ہے (مستفاد کفایت المفتی ۲/۲۲۱)۔

غیر مسلم جج کا نکاح فسخ کردینا غیر معتبر ہے، اور اگر عدالت اس کا فیصلہ بھی کردے تو اپنے علاقہ کے قاضی شریعت سے رجوع ہوکر دوبارہ اپنے معاملہ کی تنقیح کرانی چاہئے (جدید فقہی مسائل ۱/۴۵۲، ۴۵۳)۔

فتاوی رحیمیہ میں ہے: غیر مسلم جج تفریق کرے تو کیا شرعاً اس کا فیصلہ معتبر ہے؟

جواب: غیر مسلم مجسٹریٹ کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں، لہذا لڑکی نکاح نہیں کرسکتی اور اگر کرے تو وہ غیر معتبر ہے (فتاوی رحیمیہ ۸/ ۳۷۷)۔

غیر مسلم جج کے فیصلہ کے متعلق حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اس بارے میں غیر مسلم حاکم کا فیصلہ کافی نہیں، البتہ یہ ممکن ہے کہ سیشن جج غیر مسلم سے درخواست کی جائے وہ اس معاملہ کے لئے کسی مسلمان عالم کو مجاز کردے کہ وہ شرعی فیصلہ کردے اور پھر سیشن جج اس کے فیصلہ کو اپنی عدالت سے نافذ کردے (کفایت المفتی ۶/ ۱۳۲)۔

ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ اگر غیر مسلم حاکم نکاح فسخ کردے تو عورت آزاد نہ ہوگی اور دوسرا نکاح نہ کرسکے گی (کفایت المفتی ۶/ ۱۶۶)۔

بہر حال خلاصہ جواب یہ ہے کہ سوال نمبر (۱) کے جواب میں حضرات مقالہ نگار کی جو آراء سامنے آئی ہیں وہ یہ ہیں کہ سوال میں مذکورہ صورت میں غیر مسلم جج کے فیصلہ سے طلاق واقع ہوجائے گی، اور غیر اسلامی عدالت کا یہ فیصلہ معتبر ہوگا یہ رائے (۱۷) حضرات کی ہے، ان ۱۷ میں سے دس حضرات کی رائے یہ ہے کہ غیر مسلم جج شوہر کا وکیل ہے اور غیر مسلم شخص کو طلاق دینے کا وکیل بنانا جائز ہے، ۵ حضرات نے شوہر کی اس درخواست کو تفویض طلاق پر محمول کیا ہے، مولانا محمد شاہجہاں ندوی صاحب نے لکھا ہے کہ شوہر کی درخواست کو تفویض مقید مان سکتے ہیں، مولانا محمد فاروق دربھنگوی نے اس درخواست کو تحکیم کی ایک صورت مانا ہے، شوہر کی درخواست کو تحکیم یا تفویض یا توکیل نہیں کہا جاسکتا ہے، غیر مسلم عدالت کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں ہوگا، اس فیصلہ کی وجہ سے عورت مطلقہ نہیں ہوگی اور وہ دونوں میاں بیوی رہیں گے (سبھی حضرات کے اسماء

گرامی پہلے لکھے جاچکے ہیں)۔

مولانا محمد شاہجہاں ندوی اور مولانا عبداللطیف صاحبان نے یہ بھی لکھا ہے کہ "عدالت کے طلاق وفرقت کے فیصلہ کے بعد خود سے بھی شوہر طلاق دے دے)۔

مفتی ابوبکر قاسمی صاحب نے لکھا ہے کہ بیوی کو طلاق دے کر تفریق تو خود کردے البتہ بر بنائے احتیاط اپنے تحفظ کی خاطر غیر مسلم جج کے ذریعہ بھی اپنے فیصلہ کی تائید وتوثیق کرالے تو شرعاً اسکی گنجائش ہے۔

سوال نمبر ۲-دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ عورت کی طرف سے عدالت میں درخواست آتی ہے کہ میرا رشتہ نکاح ختم کردیا جائے، عدالت شوہر کو بلا کر اس سے دستخط لیتی ہے کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور کرنا ہوگا، اور کارروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ کیا جاتا ہے، اس صورت حال کا کیا حکم ہوگا اور شوہر کے دستخط کی کیا حیثیت ہوگی؟

مقالہ نگار حضرات میں سے بعض کی رائے یہ ہے کہ اس دوسری صورت میں شوہر کی دستخط تفویض طلاق نہیں ہے، اس دستخط کی کوئی حیثیت نہیں ہے، غیر مسلم جج کا فیصلہ شرعاً نافذ نہ ہوگا، غیر مسلم عدالت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ شوہر کے حق طلاق کو بالجبر سلب کرلے اور جدائیگی کا فیصلہ کردے۔

اس رائے کو اختیار کرنے والے حضرات کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا عبدالحق مفتاحی، مولانا شیر علی، مولانا محمد احسن عبدالحق ندوی، مفتی لطیف الرحمٰن، مولانا محمد مصطفی قاسمی، مولانا ذکاء اللہ شبلی، مولانا صبیح اختر، مولانا محمد موسی شمسی قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا عبیداللہ ندوی، مولانا افتخار مفتاحی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی معزالدین قاسمی، مفتی محمد اقبال دربھنگہ، مولانا سید اسرارالحق سبیلی۔

اس رائے کے تعلق سے جو دلائل پیش کئے گئے ہیں وہی ہیں جو غیر مسلم کے قاضی اور حکم نہ بنائے جانے سے متعلق پہلی صورت کے تحت درج کئے گئے ہیں۔

حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اور حضرت مفتی عبد الرحیم لاجپوری قدس سرہما کے فتاوی کے حوالہ سے درج ذیل سوال و جواب بھی لکھے ہیں:

سوال: حکومت موجودہ میں حاکم وقت اگر کسی عورت کو آزادگی کی درخواست دینے پر بغیر رضامندی شوہر حکم آزادی دے دے تو وہ عقد ثانی کرسکتی ہے یا نہیں؟

جواب: اگر غیر مسلم حاکم نکاح فسخ کردے تو عورت آزاد نہ ہوگی، اور دوسرا نکاح نہ کرسکے گی (کفایت المفتی ۶/۱۳۵)۔

سوال: ممبئی میں ایک لڑکی کی شادی ہوئی پانچ برس ہوئے لڑکا افریقہ میں ہے، فی الحال لڑکی کی عمر ۲۰ برس کی ہے، شادی کے بعد لڑکے نے اس کو نہیں بلایا، نہ نفقہ وغیرہ بھیجتا ہے، خط لکھے جواب ندارد، طلاق کا مطالبہ کیا جب بھی جواب نہیں دیا، بالآخر ممبئی کورٹ میں مقدمہ دائر کر کے طلاق حاصل کی، کیا یہ طلاق واقع ہوئی؟ ورنہ حصول طلاق کی کیا صورت ہو؟

جواب: صورت مسئولہ میں غیر مسلم مجسٹریٹ "جج" کا فیصلہ شرعا معتبر نہیں ہے، لہذا لڑکی نکاح نہیں کرسکتی، اور اگر کرے تو وہ غیر معتبر ہے، لہذا اس مقدمہ کو مسلم جماعت یعنی دیندار مسلم پنچایت کے سامنے پیش کیا جائے جس میں ماہر عالم بھی ہوں، یہ پنچایت شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ تحقیق کر کے فسخ نکاح کا فیصلہ کرے تب عورت شرعی نقطہ نظر سے بہ موجب آزاد ہوگی (فتاوی رحیمیہ ۲/ ۱۴۳، مکتبہ رحیمیہ راندیر)۔

اگر عدالت میں جج نے زبردستی طلاق شوہر سے لکھوائی تحریری طور پر، یا زبردستی طلاق نامہ پر انگوٹھے کا نشان لگوالیا، چاہے جج مسلم ہو یا غیر مسلم ہر حال میں اس طرح سے طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ شوہر نے زبان سے طلاق نہیں دی اور نہ ہی اپنی مرضی سے انگوٹھے کا نشان لگایا تحریری طلاق اس وقت پڑتی ہے جب شوہر اپنی مرضی سے طلاق لکھ کر بیوی کو دے دے یا اپنی مرضی سے طلاق نامہ پر انگوٹھے کا نشان لگادے تب جا کر طلاق پڑتی ہے، غیر مسلم جج کی عدالتی طلاق سے طلاق واقع نہ ہوگی، شرعا عدالت کا فیصلہ اور طلاق غیر معتبر ہے، برطانیہ کی عورت کی طرف سے

عدالت میں جو درخواست آئی ہے کہ میرا رشتہ نکاح ختم کردیا جائے عدالت شوہر کو بلا کر اس سے دستخط لیتی ہے کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور ہوگا اور کارروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ کیا جاتا ہے اس صورت کی بھی شریعت اسلامیہ میں کوئی حیثیت نہیں ہے، اور شوہر کے دستخط کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے، وہ ہباء منثورا کے مانند ہے، گویا کہ یہ ایک قسم کا ظلم وستم اور جبری طلاق ہوئی، تم مانو یا نہ مانو عدالت کارروائی کے بعد جو فیصلہ کرے گی وہی معتبر ہوگا، حالانکہ غیر مسلم جج کا فیصلہ شرعی نقطہ نظر سے معتبر نہیں ہے، لہذا برطانیہ کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنے یہاں دارالقضاء قائم کریں، اور اس کے مطابق شرعی فیصلہ کریں، نظام قضاء کی اہمیت کا سب سے نازک پہلو یہ ہے کہ غیر مسلم جج کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں معتبر نہیں ہے، اس طرح جو عورتیں سرکاری عدالتوں سے اپنا نکاح فسخ کرالیں تو چاہے وہ بجائے خود اسلامی قانون کے مطابق ہی کیوں نہ ہو یہ فیصلے غیر معتبر ہیں، وہ عورت اپنے شوہر کی زوجیت میں باقی رہتی ہے اور یہ (غیر مسلم جج کے فسخ نکاح کے فیصلہ کے بعد کا) نکاح نادرست ہوتا ہے، نیز اس کے بعد تعلقات معصیت قرار پاتے ہیں، ایسی خواتین کے لئے اسلامی اور شرعی زندگی کا واحد نظام قضاء کا قیام ہے، اس طرح انگلستان میں نظام قضاء کے بعد مسلم پرسنل لا کا نفاذ مکمل اسلامی طریقے پر ہوتا رہے گا (سورۂ نساء: ۵۸، ۵۹، اس مسئلہ کی مکمل تفصیل دیکھئے: معارف القرآن ۲/ ۴۴۴ تا ۴۵۳ فرید بک ڈپو دہلی)۔

مفتی محمد اشرف، مولانا خورشید انور اعظمی اور مولانا عبد اللطیف پالنپوری کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں شوہر نے محض عدالت کے دباؤ میں قانونی مجبوریوں کے پیش نظر ایک تحریر دے دی ہے، ہمارے فقہاء اس امر میں متفق ہیں کہ جو طلاق جبراً کی جائے وہ نافذ نہ ہوگی، ان کی دلیل یہ ہے کہ تحریری طلاق زبانی کے مقابلہ میں ضرورۃً جائز ہے اور چونکہ یہاں ضرورت نہ تھی اس لئے طلاق جائز نہیں ہے، یہی رائے مولانا رضوان الحسن مظاہری صاحب کی بھی ہے۔

"فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق، لأن الكتابة

أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا۔ كذا في الخانية"(ردالمحتار ۴/۴۴۰، البحر الرائق ۳/۴۲۹ کتاب الطلاق)۔

"**وان لم يقرأنه كتابه ولم تقم بينة لكنه وصف الأمر على وجه لا تطلق قضاء ولا ديانة، وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق مالم يقرانه كتابه**" (ردالمحتار ۲/۴۲۹ باب الصریح)۔

وجہ استدلال: جب فقہاء کے نزدیک بلاضرورت تحریر سے طلاق کا وقوع نہیں ہوتا تو جو طلاق جبراً تحریر کرائی جائے بدرجہ اولی واقع نہ ہوگی۔

مفتی ابوبکر قاسمی صاحب نے لکھا ہے کہ اگر عورت نے غیر مسلم عدالت میں غیر مسلم جج کے پاس رشتۂ نکاح ختم کردینے کی درخواست دی اور شوہر نے بخوشی عدالت کے فیصلہ کو منظور کرنے کے ثبوت کے لئے دستخط کردیا اور پھر غیر مسلم جج نے علاحدگی کا فیصلہ کردیا تو شوہر کے اس دستخط کی حیثیت تحریری طلاق کی ہوگی، ایسی صورت میں عورت پر ایک طلاق واقع ہوگی۔

"**كما قال الفقهاء: الكتاب كالخطاب في حق الغائب والحاضر**"(ہدایہ جلد چہارم مسائل شتی)۔

"**قال في ردالمحتار: ولو قال: اكتب طلاق امرأتي كان اقرارا بالطلاق وان لم يكتب**"(ردالمحتار ۲/۴۶۵)۔

حافظ شیخ کلیم اللہ عمری مدنی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ غیر مسلم عدالتوں میں مسلم عورتوں کا خلع وغیرہ کے لئے رجوع کرنا درست نہیں ہے بلکہ معتبر و مستند علماء یا اسلامی تحریکات وغیرہ کے ذریعہ خلع کا مطالبہ کیا جائے پھر اس خلع پر عدالتوں کے ذریعہ توثیق کی جائے تو مناسب ہے۔

مولانا سلمان پالنپوری، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مفتی محمد اشرف قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا ارشد شاداب، مولانا اختر امام عادل قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام

صدیقی، مولانا محمد رمضان علی اور مفتی عبد الرحیم قاسمی صاحبان نے اس صورت کو تفویض یا توکیل بالطلاق پر محمول کیا ہے اور عدالت کے فیصلہ کو معتبر و نافذ مانا ہے اور اس فیصلہ سے شرعا طلاق واقع ہو جائے گی، اور رشتہ نکاح ختم ہو جائے گا۔

مفتی عبد الرحیم قاسمی صاحب لکھتے ہیں کہ فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ مرد اگر حاکم وقت کے سامنے درخواست پیش کرتا ہے یا مطبوعہ فارم پر سمجھ کر بغیر جبر و اکراہ کے دستخط کر دیتا ہے جس میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ مذکورہ نکاح فسخ کر دو تو اس صورت میں حاکم وقت کو مرد اپنا وکیل بناتا ہے کہ وہ اس کا وکیل بن کر اس کی تکمیل کرے اور اس کا جو نکاح مسماۃ کے ساتھ ہے اس کو فسخ کرے یا طلاق دے دے اس صورت میں نکاح ٹوٹ جائے گا اور شرعا طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ غیر مسلم کو بھی وکیل بنا کر اس طرح کام کرانا درست ہے (اسلامی قانون نکاح و طلاق، ص ۱۵۰)۔

مفتی عارف باللہ قاسمی صاحب نے اس صورت کو تفویض طلاق پر اکراہ قرار دیا ہے اور لکھا کہ اکراہ کی صورت میں بھی تفویض طلاق درست ہوتی ہے اور حوالہ میں علامہ سرخسیؒ کی درج ذیل عبارت نقل کی ہے:

"لو اکرہ بوعید تلف حتی یحصل عتق عبدہ فی یدھذاالرجل أو طلاق امرأتہ ولم یدخل بھا ففعلہ فطلق ذلک الرجل المرأۃ او اعتق العبد وقع الطلاق والعتاق لان الاکراہ لا یمنع صحۃ الاعتاق والطلاق" (مبسوط کتاب الاکراہ، باب الاکراہ علی ما یجب بہ عتق او طلاق)۔

مولانا انور علی اعظمی اور مولانا اشتیاق احمد اعظمی قاسمی صاحبان نے لکھا ہے کہ اس صورت حال میں شریعت کی نگاہ میں فیصلہ معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ جج مسلمان ہو اور اسلامی شریعت کے احکام سے واقف ہو اور تفریق کی جملہ کارروائی شرعی اصولوں کے مطابق انجام دے تو اس کا فیصلہ تفریق و طلاق نافذ ہوگا، بصورت دیگر عدالت کا فیصلہ عورت کے لئے

ناکافی ہوگا، اور عدالتی فیصلہ کے بعد اس عورت کو شرعی پنچایت یا امارت شرعیہ جیسے ادارہ میں اپنا مقدمہ دائر کر کے فسخ نکاح کا فیصلہ کرانا ہوگا، کیونکہ مذکورہ صورت میں شوہر عدالت کے دباؤ کی وجہ سے دستخط کرنے پر مجبور ہوگا، لہذا اس کے دستخط کو تفویض طلاق پر محمول نہیں کر سکتے، اور غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر نہیں۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے الحیلۃ الناجزہ میں اس مسئلہ کی بھرپور وضاحت کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ ہندوستان کی جن ریاستوں میں قاضی شرعی موجود ہے وہاں تو معاملہ سہل ہے اور گورنمنٹی علاقوں میں جہاں قاضی شرعی موجود نہیں ہیں ان میں وہ حکام جج مجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے مطابق فیصلہ کریں تو ان کا حکم قضاء قاضی کے قائم مقام ہوجاتا ہے۔

"**کما فی الدر المختار ویجوز تقلید القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافرا ذکرہ مسکین وغیرہ**"، لیکن اگر کسی جگہ فیصلہ کنندہ حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے، اس کے حکم سے فسخ وغیرہ بالکل نہیں ہوسکتا، "**لأن الکافر لیس بأهل القضاء علی المسلم کما هو مصرح فی جمیع الکتب للفقه**" (الحیلۃ الناجزہ، ص ۴۵)۔

مولانا محمد فاروق قاسمی دربھنگوی نے لکھا ہے کہ اگر شوہر نے اس شرط کو پڑھ کر بخوشی و رضا دستخط کردیا ہے تو شوہر کے اس دستخط کی حیثیت "امر بالید" کی ہوگی، جب بھی حاکم فیصلہ کرے گا اس کا اعتبار از روئے شرع درست ہوگا۔

اگر شوہر نے اس شرط کو پڑھ کر بخوشی و رضا دستخط کردیا تو شوہر سے اس دستخط کی حیثیت "امر بالید" کی ہوگی، گویا شوہر کا پڑھ کر بخوشی دستخط کردینا اپنے رشتہ ازدواج کا معاملہ بخوشی حاکم کے سپرد کردینا ہے کہ وہ باقی رکھے یا نہ رکھے اور یہی مطلب ہے "امر بالید" کا جیسا کہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

"الأمر بمعنى الحال واليد بمعنى التصرف والمعنى حال طلاق المرأة الذي جعله زوجها في تصرفها"۔

"وفي البدائع لما جعل الأمر بيدها فقد خيرها بين اختيارها نفسها وبين اختيارها زوجها" (بدائع ۲۴۸/۴)۔

لہذا اس صورت میں جب بھی حاکم فیصلہ کرے گا اس کا اعتبار از روئے شرع درست ہوگا۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی صاحب نے لکھا ہے کہ عورت درخواست تفریق دیتی ہے تو یہ اس کی جانب سے توکیل بالخلع ہوگی، اب اگر شوہر سے کافر جج دستخط لے لیتا ہے تو اس کی جانب سے بھی توکیل بالطلاق مانی جائے گی، نیز امام محمدؒ فرد واحد کے لئے جانبین کی توکیل کو جائز سمجھتے ہیں، لہذا موجودہ صورت حال میں امام محمدؒ کے قول کو اختیار کرکے عدالت کے اس فیصلہ کو خلع ماننا جائز ہونا چاہئے۔

حوالہ میں درج ذیل عبارتیں پیش کی ہیں:

"ويجوز بالنكاح والخلع والصلح عن دم العمد والكتابة" (بدائع الصنائع ۲۰/۵، کتاب الوکالہ)۔

"والضابط فيه ان كل من يصح ان يتصرف بالخلع لنفسه جاز توكيله، ووكالته ذكرا او انثى، مسلما او كافرا، محجورا عليه أو رشيدا، لأن كل واحد منهم يجوز ان يوجب الخلع فصح ان يكون وكيلا و مؤكلا فيه" (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۵۱/۱۹ مادہ خلع مطبوعہ کویت)۔

لہذا عورت اگر غیر شرعی عدالت میں مطالبہ تفریق کی درخواست پیش کرتی ہے تو اس کو عورت کی طرف سے عدالت کے کافر قاضی کو خلع کا وکیل بنانا متصور ہوگا۔

اتنی بات تو غالباً متفق علیہ معلوم ہوتی ہے کہ شوہر کا دستخط توکیل بالطلاق پر دلالت کرتا

ہے، جامعین موسوعہ نے مختلف کتابوں کے حوالہ سے یہ بات لکھی ہے۔

"اتفق الفقهاء علی أن الایجاب فی عقد الوکالة یتحقق باالخط أو الکتابة الدالة علی ذلک، لأن الکتابة فعل یدل علی المعنی۔

ومثل الحنفیة بذلک بما لوأرسل أحد لآخر غائب کتابا معنونا و مرسوما بتوکیله ایاه بأمرماوقبل الآخر الوکالة انعقدت" (الموسوعہ ۱۱/۴۵ مادہ وکالۃ مطبوعہ کویت)۔

شخص واحد جانبین کا وکیل ہوسکتا ہے؟ اس سلسلہ میں درج ذیل عبارت پیش کی ہیں:

"والواحد لا یصلح فی الخلع وکیلا من الجانبین، بأن وکلت رجلا بالخلع فوکله الزوج ایضا سواء کان البدل مسمی اولا، وعن محمدانه یصلح کذا فی البزازیه" (البحر ۴/۱۵۷ کتاب الطلاق باب الخلع)۔

مفتی اقبال محمد ٹنکاروی صاحب لکھتے ہیں کہ اس صورت میں عورت نے اگر کسی مال کے عوض اپنے رشتہ نکاح کو ختم کرنے کی درخواست دی اور عدالت کے سامنے شوہر نے اس مال کے عوض خود طلاق یا خلع کا لفظ استعمال کرنے کے بعد دستخط کر دیا تو اس کی حیثیت خلع کی ہوگی۔

مفتی صاحب نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ: اگر صورت حال یہ ہے کہ عورت خلع چاہتی ہے مگر شوہر نہیں چاہتا اور نہ طلاق دیتا ہے تو عدالت (دارالقضاء کے قاضی) تحقیق کے ذریعہ اس نتیجہ تک پہنچ جائے کہ زوجین حدود اللہ قائم نہیں رکھ سکیں گے، دونوں کا نباہ دشوار ہو چکا ہے تو عدالت شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع کر سکتی ہے، جیسا کہ حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب نے اس طرف اپنا رجحان ظاہر کرتے ہوئے پاکستان کے دو مقدموں کا حوالہ دیا ہے (بحوالہ فقہی مقالات ۲/۱۴۱-۱۴۳ از مزم بکڈپو)۔

بہر حال مغربی ممالک کے مسلمانوں کے حالات کے اعتبار سے اس مسئلہ میں حضرت امام مالکؒ کی رائے زیادہ قوی ہے اور یہی رائے اکثر فقہاء امام اوزاعی، اسحاق، شعبی، امام شافعیؒ

کی ہے اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے بھی اس مسئلہ میں امام مالکؒ کی رائے کو پسند کیا ہے، وہ رقم طراز ہیں:

ہمارے زمانے میں جہالت اور احکام شرعی سے بے خبری اور اس وجہ سے ازدواجی زندگی میں ظلم وستم اور اختلاف کی روشنی اگر اس مسئلہ میں فقہاء مالکیہ کی رائے قبول کرلی جائے تو شاید مناسب ہو (جدید فقہی مسائل، اضافہ شدہ ایڈیشن ۳/۲۱۰)۔

مفتی محمد اشرف اور مولانا خورشید انور اعظمی کی رائے یہ ہے کہ اگر شوہر اس دستخط پر بدرجہ مجبوری راضی ہوا ہے تب بھی طلاق واقع ہوجائے گی، اس لئے کہ جس طرح طلاق مکرہ واقع ہوتی ہے اسی طرح توکیل بالطلاق بھی اکراہ کے ساتھ درست ہوتی ہے۔

"فان طلاقه صحيح اى طلاق المكره و شمل ما إذا أكره على التوكيل بالطلاق فوكل فطلق الوكيل فانه يقع" (ردالمحتار ۴/۴۳۸)۔

"إذا أكره علي التوكيل فوكل فطلق الوكيل فانه يقع وفي الخانية: رجل أكرهه السلطان ليوكله بطلاق امرأته فقال الزوج مخافة الحبس والضرر: أنت وكيل ولم يزد على ذلک وطلق امرأته ثم قال المؤكل: لم أوكله بطلاق امرأتي قالو: لا يسمع منه ويقع الطلاق لأنه أخرج الكلام جوابا لخطاب الامر والجواب يتضمن اعادة مافي السوال" (البحرالرائق ۳/۴۲۸)۔

مولانا سلمان پالنپوری نے اس صورت میں شوہر کے دستخط کرنے کی درج ذیل دو حیثیتیں اور ذکر کی ہیں: ۱- یہ جانتے ہوئے کہ عدالت کا فیصلہ تفریق طلاق معتبر نہیں ہے، صرف عدالتی چکروں یا گرفت اور جواب دہی سے جان چھڑانے کے لئے دستخط کردیا تو شوہر کے دستخط کی حیثیت توکیل بالطلاق کی نہ ہوگی۔

۲- شوہر نے فیصلہ عدالت منظور کرنے کے لئے بطور وعدہ دستخط کیا تو شوہر کے دستخط کی حیثیت وعدہ قبول فیصلہ کی ہوگی۔

دونوں صورتوں کا حکم یہ لکھا ہے کہ شرعی تفریق اور طلاق واقع نہ ہوگی، فتاوی قاضی خاں میں ہے:

"امرأة قالت لزوجها: أتريد أن اطلق نفسي؟ فقال: نعم فقالت: طلقت نفسي، ان كان الزوج نوى تفويض الطلاق إليها تطلق واحدة، وان عنى بذلک طلق نفسک ان استطعت لا تطلق، رجل قال لغيره: أتريد أن أطلق امرأتک ثلثا؟ فقال الزوج: نعم، فقال الرجل: طلقت امرأتک ثلثا قالوا: تطلق ثلثا، والصحيح ان هذا وما تقدم سواء انما يقع الطلاق إذا أراد الرجل تفويض الطلاق اليه" (فتاوی قاضی خان ۲/ ۵۲ ۲ فصل فی الطلاق الذی یکون من الوکیل)۔

رضا برقضاء اور وعدہ قبول فیصلہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، کیونکہ طلاق کے باب میں مشہور ضابطہ ہے کہ جب وقوع طلاق میں شک ہوجائے تو طلاق واقع نہیں ہوتی۔ہدایہ میں ہے:

"فلا تطلق بالشک والاحتمال" (ہدایہ ۲/ ۶۵ ۳ فصل فی اضافۃ الطلاق الی الزمان)۔

سوال نمبر ۳: تیسری صورت یہ ہے کہ عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں نہیں آیا، یا آیا تو مگر دستخط وتفویض پر تیار نہیں ہوا، اور عدالت نے حالات کا جائزہ لے کر تفریق کا فیصلہ کردیا تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ جبکہ اس صورت میں جو فیصلہ ہوا ہے اس کی بابت شوہر کی طرف سے کوئی آمادگی نہیں ہے۔

اس صورت کا حکم (تقریباً سبھی مقالہ نگار حضرات نے) ایک ہی تحریر فرمایا ہے، ان حضرات کے الفاظ اگرچہ کچھ مختلف ہیں لیکن مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔

غیر مسلم جج وحاکم نے حالات کا جائزہ لے کر تفریق کا فیصلہ کردیا تو یہ فیصلہ شرعاً معتبر نہیں ہوگا اور شرعاً تفریق وطلاق واقع نہیں ہوگی۔

ان حضرات کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا شیر علی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی قاسمی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی ابوبکر قاسمی، مفتی محمد اقبال قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا سلمان پالنپوری، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا محمد فاروق دربھنگوی، مفتی محمد اشرف، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مفتی لطیف الرحمٰن، مولانا ارشد شاداب، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا مصطفیٰ قاسمی، مولانا محمد احسن عبدالحق ندوی، مولانا ذکاء اللہ شبلی، مولانا عبدالحئی مفتاحی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مفتی معز الدین قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا عبیداللہ ندوی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا محمد موسیٰ شمسی قاسمی، مولانا صبیح اختر، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا رضوان الحسن مظاہری اور مولانا محمد رمضان علی۔

اس رائے کے تعلق سے جو دلائل پیش کئے گئے ہیں وہی ہیں جو سوال نامہ میں درج پہلی صورت کے جواب کے ذیل میں غیر مسلم قاضی اور حکم بننے کی صلاحیت نہ ہونے کے تعلق سے لکھے گئے ہیں۔

حافظ شیخ کلیم اللہ عمری صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ ''غیر اسلامی عدالتوں کو میاں بیوی کے مابین تفریق کرانے کا حق حاصل نہ ہوگا، البتہ عدالت کا فرض ہے کہ قانونی کاروائی کے ذریعہ شوہر کو عدالت میں حاضر کیا جائے اور اسلامی قانون کے مطابق کاروائی کی جائے۔

مفتی محمد اقبال ٹنکاروی صاحب کا جواب درج ذیل ہے: عورت کی درخواست آنے کے بعد شوہر عدالت میں نہیں آیا، یا آیا مگر دستخط وتفویض پر تیار نہیں ہوا تو ایسی صورت میں اگر عدالت کے قاضی تحقیق کے ذریعہ اس نتیجہ پر پہنچ جائیں کہ زوجین حدود اللہ قائم نہیں کرسکیں گے تو عدالت شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع کرسکتی ہے۔

مفتی صاحب نے جو دلائل پیش کئے ہیں وہ دوسری صورت کے حکم کے تحت درج کئے جاچکے ہیں۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی صاحب نے اس صورت کو قضاء علی الغائب قرار دیا ہے، ان

کاجواب حسب ذیل ہے:

اگر قاضی خواہش نفس کا پیرو کار نہ ہو، فیصلہ کرنے میں لوگوں کی رعایت نہ کرتا ہو بلکہ حق اور دلائل وشواہد سے جو راجح ہو اس پر فیصلہ کرتا ہے، لالچی اور حریص نہ ہو، دوسری جانب اگر شوہر متعنت ہے اور وہ عدالت کی جانب سے نوٹس ملنے کے بعد حاضر نہیں ہوا، یا ہوا مگر دستخط پر راضی نہیں، ایسی صورت میں قاضی کا فیصلہ قضاء علی الغائب کی قبیل سے ہوگا، جس میں ائمہ فقہ کا اختلاف ہے، پھر بھی فقہاء اس فسخ کو نافذ مانتے ہیں۔

"وفي نفاذ القضاء على الغائب روايتان عندنا فعلى القول نفاذه يسوغ للحنفي ان يزوجها من الغير بعد العدة" (شامی ۲/ ۱۳۷، خیر الفتاوی ۵/ ۱۷۰)۔

عبارت محولہ سے معلوم ہوا کہ کسی مختلف فیہ مسئلہ میں اگر قاضی فیصلہ کردے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا، اس لئے یہ نکاح فسخ ہوگیا اور وہ عورت عدت گزارنے کے بعد دوسرے سے شادی کرسکتی ہے۔

مفتی عارف باللہ قاسمی نے اس صورت کے جواب میں جو تفصیل تحریر کی ہے وہ حسب ذیل ہے:

یورپی ممالک میں جہاں نکاح کے امور عدالت کی زیر نگرانی انجام دیئے جاتے ہیں یا شرعی طور پر ایجاب وقبول کے بعد قانونی کاروائی عدالت میں انجام دینا ضروری ہوتا ہے وہاں بوقت نکاح یا بوقت کاروائی شوہر کی جانب سے حاکم وقاضی کو طلاق کی تفویض بھی کرنی ہوتی ہے، کہ عدالت کو یہ اختیار رہوگا کہ وہ ہم دونوں کے مابین تفریق کردے، لبنان کے سابق قاضی شرعی فیصل مولوی اپنے ایک فتوی میں لکھتے ہیں:

یورپی قوانین اجمالی طور پر قاضی کو طلاق دینے کا اختیار دیتے ہیں، پس جب مسلمان یورپی قانون کے مطابق عقد نکاح کرتا ہے تو گویا وہ قاضی کو طلاق دینے کے اختیار کے قانون کو ماننے کا صراحۃً اقرار کرتا ہے (فتوی www.mawlawi.net ۱۰۲۷)۔

اوراگرصراحۃ اس کوتسلیم کرنے کااقرار نہ کرے پھربھی قاعدہ"**المعروف بالعرف کالمشروط شرطا**" (قواعد الفقہ لمحمدعمیم الاحسان المجد دی البرکتی ر۴ ۳ ۴) کےتحت یورپی معاشرہ اور یورپی عدالتوں میں اس قانون کےمعروف ومشروط ہونے کی وجہ سے عدالت کی زیر نگرانی عقد نکاح انجام دینے کی صورت میں وہ اس کوتسلیم کرنے والاقرار دیا جائے گا۔

پس اگر زوجین ان ممالک کے رہنے والے ہوں یا ان میں کا کوئی ایک ان ممالک کا رہنے والا ہواور وہاں کے قانون کے مطابق عقد نکاح کو انجام دیا گیا ہو، یا شرعی طور پر ایجاب و قبول کے بعد عدالتی طور پر نکاح کی کاروائی انجام دی گئی ہو، پھرعورت کی درخواست پر عدالت تفریق کا فیصلہ شوہر کی حاضری کے بغیر کرتی ہے تواس فیصلہ سے تفریق واقع ہوجائے گی؛ کیونکہ عدالت کوشوہر کی جانب سے تفویض طلاق کی وجہ سے بحیثیت وکیل تفریق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہے؛ کیونکہ اس صورت میں عدالت کی حیثیت وکیل کی ہے، اور یہ بات بیان کی جاچکی ہے کہ غیرمسلم وکیل کی تفریق بھی شریعت میں معتبر ہوتی ہے۔

لیکن عدالت کی جانب سے جوفیصلہ ہوگا اس کوتسلیم کرنے پر دستخط کرنے سے عدالت کے سامنے انکار کی صورت میں عدالت کے جانب سے تفریق کا فیصلہ معتبر نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ اس مسئلہ میں غیرمسلم عدالت کی حیثیت ایک وکیل سے زیادہ نہیں ہے، اور کسی کو طلاق واقع کرنے کا وکیل بنانے کے بعد اس کی وکالت کو ختم کرنے کا شوہر کو اختیار رہتا ہے۔

"**ان للمؤکل ان یعزل وکیل الطلاق**" (البحر الرائق : کتاب الطلاق، فصل فی المشیۃ) (مؤکل کو یہ اختیار ہے کہ وکیل طلاق کو معزول کردے)۔

چونکہ اس صورت میں شوہر فیصلہ کوتسلیم کرنے سے انکار کررہا ہے، جبکہ وہ اس کو پہلے وکیل بناچکا ہے، توگویا دستخط سے انکار اس معنی میں ہے کہ اگر عدالت تفریق کا فیصلہ کرتی ہے تووہ ہمیں تسلیم نہیں، اس طرح وہ تفریق واقع کرنے کے اس اختیار کو سلب کرلے رہا ہے، جواس نے پہلے بحیثیت وکیل عدالت کو دیا تھا، اوراگر فیصلہ کے بعد دستخط سے انکار کی صورت میں پیش آئی تو

چونکہ تفریق واقع کرنے کے وقت عدالت کی وکالت باقی تھی اس لئے یہ تفریق معتبر ہونی چاہئے۔

ہاں اگر عدالت کو ایسے الفاظ میں طلاق تفویض کی گئی ہے جس میں شوہر کو رجوع کا اختیار باقی نہیں رہتا (اور عموماً ایسا ہی ہوتا ہے) تو پھر اس صورت میں اس کا دستخط سے انکار کرنا عدالت کی وکالت کو ختم نہیں کرسکتا، اور اس صورت میں دستخط سے انکار کے باوجود تفریق کا فیصلہ معتبر ہوگا، مثلاً شوہر کی جانب سے تفویض ان الفاظ میں ہو کہ اگر عدالت میری بیوی کو مجھ سے جدا کرنا چاہے تو اسے یہ اختیار رہے، یا میری بیوی کو عدالت جب بھی مجھ سے جدا کرنا چاہے کرسکتی ہے، تو پھر اس صورت میں اسے رجوع کا اختیار نہ ہوگا، کیونکہ یہ توکیل کے بجائے تملیک ہے، علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

"فإن قيده بالمشيئة بأن قال له: طلق امرأتي إن شئت، فهذا تمليك عند أصحابنا الثلاثة" (بدائع الصنائع ۳؍ ۱۲۳)۔

(اگر طلاق واقع کرنے کے اختیار کو مشیت کے ساتھ مقید کردیا، اور اس سے اس طرح کہا: اگر تو چاہے تو میری بیوی کو طلاق دے دے تو یہ ہمارے تینوں اصحاب (امام ابوحنیفہ اور صاحبین) کے نزدیک تملیک ہوگی)۔

اور وکیل کی وکالت ختم کرنے کے اختیار کی طرح تملیک کو ختم کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، علامہ محمود البخاریؒ لکھتے ہیں:

"وهذا النوع من التمليك لا يقبل الرجوع" (المحیط البرہانی) (اس طرح کی تملیک رجوع کو قبول نہیں کرتی)۔

یہ تفصیل تو ان ممالک کے پس منظر میں ہے جن میں عقد نکاح کو عدالت کی نگرانی میں کرنا یا اس کی عدالتی کارروائی کرنا ضروری ہوتا ہے، اور عقد نکاح کی کارروائی کے ضمن میں شوہر کی جانب سے عدالت کو طلاق کی تفویض قانونی طور پر کرنی ہوتی ہے، لیکن اگر زوجین یا ان میں کا

کوئی ایک ان ممالک کے رہنے والے ہوں جن ممالک میں نکاح کے لئے عدالت کی نگرانی ضروری نہیں، یا جہاں عدالت کوتفویض طلاق کا قانون نہیں ہے، اوران کا نکاح تفویض طلاق کے قانون کو ماننے بغیر ہوا ہے، پھر ایسی صورت میں عورت ان ہی ممالک کے غیر مسلم عدالت سے طلاق وتفریق کا مطالبہ کرے، یا کسی دوسرے ملک (جہاں تفویض طلاق کا قانون ہے) کے غیر مسلم عدالت سے طلاق کا مطالبہ کرے، جبکہ ان کا نکاح اس ملک میں نہیں ہوا ہے یا اس کی کارروائی اس ملک میں نہیں ہوئی ہے، اور عدالت شوہر کی جانب سے فیصلہ کوقبول کرنے کے دستخط کے بغیر یا اس کی حاضری کے بغیر عورت کے حق میں فیصلہ کردے اور تفریق کا فیصلہ صادر کردے، تو اس صورت میں غیر مسلم عدالت کا فیصلہ تفریق معتبر نہیں ہوسکتا، کیونکہ غیر مسلم عدالت اور اس کے غیر مسلم قاضی کوشوہر پر ایسی ولایت حاصل نہیں ہے جس سے اسے تفریق کا حق ہو، جیسا کہ یہ بات لکھی جاچکی ہے۔

سوال نمبر ۴-کیا مسئلہ میں اس سے بھی کچھ فرق پڑسکتا ہے کہ جج اگر چہ غیر مسلم حکومت وغیر مسلم عدالت کا ہے، مگر مسلمان ہے، وہ اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت اس قسم کا کام بھی کرتا ہے، تو کیا اس کو "مسلم حاکم وقاضی" کی حیثیت دی جاسکتی ہے، اوراس حیثیت سے اس کے فیصلہ فرقت کا اعتبار کیا جاسکتا ہے؟

تقریباً سبھی مقالہ نگار حضرات اس پر متفق ہیں کہ جج اگر چہ غیر مسلم حکومت وغیر مسلم عدالت کا ہے، مگر مسلمان ہے، وہ اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت مسلمانوں کے نکاح کے فسخ و تفریق کا کام بھی کرتا ہے اور وہ فیصلہ شرعی قاعدہ کے مطابق کرتا ہے نیز احکام شرعیہ کے موافق اسے فیصلہ کرنے کا اختیار ہو تو اس کا فیصلہ فسخ وفرقت معتبر ہوگا اور اسے مسلم حاکم وقاضی کی حیثیت دی جاسکتی ہے، اور اگر اس کا فیصلہ شریعت کے خلاف ہو تو اس کا فیصلہ معتبر نہیں ہوگا۔

اس رائے کے حاملین کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مولانا شیر علی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا محمد احسن عبد الحق ندوی، مولانا عطاء اللہ

قاسمی، مفتی لطیف الرحمٰن، مولانا ارشد شاداب، مولانا صبیح اختر، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد موسیٰ شمسی قاسمی، مولانا عبد القیوم پالنپوری قاسمی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا ابو سفیان مفتاحی، مولانا عبد الحئی مفتاحی، مفتی محمد اقبال قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مولانا انور علی اعظمی، مولانا محمد فاروق قاسمی دربھنگوی، مفتی محمد ابوبکر قاسمی، مفتی محمد اشرف، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی، مولانا ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی، مفتی معز الدین قاسمی، مفتی عارف باللہ قاسمی، مولانا محمد رمضان علی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا سلمان پالنپوری۔

بعض حضرات نے یہ قید لگائی ہے کہ مسلمان اس کے جج و حاکم بنائے جانے سے راضی ہوں، جیسے مولانا عبد اللہ ندوی، مولانا محمد رمضان علی، مولانا رضوان الحسن مظاہری وغیرہ۔

اس رائے کے تعلق سے درج ذیل دلائل پیش کئے گئے ہیں:

علامہ ظفر عثمانیؒ نے اپنی کتاب اعلاء السنن میں مستقل باب باندھا ہے: "**باب صحة تقلد القضاء من السلطان الجائر**" غیر مسلم عدالت میں مسلمان مجسٹریٹ قاضی کے قائم مقام ہے، اس کے متعلق بہت اہم نکتہ تحریر فرمایا ہے: غیر مسلم حکومت میں منصب طلب کرنا کہ اسلامی شریعت کے مطابق قوانین جاری کر سکے درست ہے، دیکھو سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر میں کافر حکومت سے منصب کو طلب کیا اور قرآن نے حضرت یوسفؑ کے الفاظ یوں نقل فرمائے ہیں: "**اجعلني على خزائن الارض اني حفيظ عليم**" اس سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم حکومت میں مسلم جج کا قیام اور اس کا فیصلہ جبکہ شرعی ہو درست اور جائز ہوگا۔

اعلاء السنن میں ہے: "**تقلد الولاية و القضاء من كافر**" یہ تو عنوان ہے آگے تحریر فرماتے ہیں: "**ولأجل ذلک–والله اعلم– طلب سيدنا يوسف عليه السلام الولاية والعمل من ملک كافر فقال: اجعلني على خزائن الأرض إني حفيظ**

علیم، وفیه دلیل علی جواز التقلد من الکافر، فمن المسلم الجائر بالأولی" (اعلاء السنن ۱۵/۵۴)۔

البحر الرائق میں ہے: "ویجوز تقلید القضاء من السلطان العادل، والجائر من أهل البغی، واطلق فی الجائر فشمل المسلم والکافر، کما ذکره مسکین معزا الی الاصل وظاهره صحة سلطنة الکافر علی المسلمین وصحت تولیته القضاء" (البحر الرائق ۶/۳۹۴)۔

قاضی بنانے والے کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔

"قوله:ولو کافرا" فی التاتار خانیة: "الإسلام لیس بشرط فیه أی فی السلطان الذی یقلد" (ردالمحتار ۸/۴۱ کتاب القضاء)۔

"الاسلام لیس بشرط فیمن یعین القضاء" (ہندیہ ۳/۳۰۷)۔

"یری الحنفیة والحنابلة أنه لا یشترط عدالة المولی (بکسر اللام) لأن ولایة الإمامة الکبری تصح من کل برو فاجر فتصح ولایته کالعدل، لکن إذا کان المولی یمنعه عن القضاء بالحق فیحرم" (الموسوعة الفقہیہ ۳۳/۲۹۷)۔

"واذا ولی الکافر علیهم قاضیا ورضیه المسلمون صحت ولایته" (درمختار ۵/۳۶۵)۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے "الحیلۃ الناجزۃ" میں لکھا ہے: گورنمنٹی علاقوں میں جہاں قاضی شرعی نہیں ان میں وہ حکام جج مجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قواعد کے مطابق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہوجاتا ہے۔"لما فی الدر المختار: ویجوز تقلید القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافراً ذکره مسکین وغیره" (الحیلۃ الناجزۃ ۴۵)۔

مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوری تحریر فرماتے ہیں: اس قسم کے مقدمات کے فیصلہ کا حق شرعی قاضی کو ہوتا ہے، اور جہاں شرعی قاضی نہ ہو اور مسلم جج کو گورنمنٹ نے اس جیسے مقدمات کا شرعی فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہو اور وہ مسلم جج شریعت کے مطابق فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے (فتاوی رحیمیہ ۶/ ۳۸)۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ہاں ضرورۃً انگریزی عدالتوں کے مسلم جج یا منصف قائم مقام قاضی شرعی کے ہو سکتے ہیں، کیونکہ ان کو حکومت کی طرف سے معاملات مخصوصہ اہل اسلام مثلاً طلاق، نکاح، میراث وغیرہ میں احکام شرعیہ کے موافق فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے (کفایت المفتی ۲/ ۲۲۳)۔

کتاب الفتاوی میں حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اگر فیصلہ کرنے والا مجسٹریٹ مسلمان ہے تو اس کا فیصلہ ہندہ کے حق میں نافذ اور درست ہے اور وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے کیونکہ فقہاء نے دار الکفر میں غیر مسلم فرماں روا کی طرف سے مسلمانوں کے لئے انہی میں سے والی کے تقرر کو جائز قرار دیا ہے (کتاب الفتاوی ۶/ ۲۶)۔

مولانا شاہجہاں ندوی لکھتے ہیں کہ غیر مسلم حکومت وغیر مسلم عدالت کے مسلم جج کو مسلم حاکم وقاضی کی حیثیت نہیں دی جا سکتی ہے، البتہ اس کا فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق ہو تو اس کا اعتبار ہو سکتا ہے۔

موصوف نے رد المحتار کی عبارت: "**في التاتار خانية: الاسلام ليس بشرط فيه اى في السلطان الذى يقلد،** "اور البحر الرائق کی عبارت: "**وأطلق الجائر فشمل المسلم والكافر**" اور رد المحتار کی درج ذیل عبارت پیش کی ہے: "**والاشارة بقوله (وهذا) إلى ما أفاده كلام الفتح من عدم صحة تقلد القضاء من كافر، على خلاف ما مر عن التاتارخانيه، ولكن إذا ولى الكافر عليهم قاضيا و رضيه المسلمون صحت توليته بلاشبهة تامل**" (رد المحتار کتاب القضاء ۸/ ۴۴)۔

حافظ شیخ کلیم اللہ عمری مدنی صاحب نے لکھا ہے کہ مذکورہ صورت میں وہ مسلم جج ان غیر اسلامی ممالک وعدالتوں کا ایک کل پرزہ ہے، لہذا ان صاحبان کو مسلم حاکم یا قاضی کی حیثیت نہیں دی جاسکتی۔

مولانا سلمان پالنپوری قاسمی نے لکھا ہے کہ جج اگر غیر مسلم عدالت وحکومت کا ہے مگر مسلمان ہے، وہ اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت شرعی اصول کے مطابق اس قسم (فیصلہ طلاق و تفریق) کا کام بھی کرتا ہے تو ضرورۃً غیر مسلم عدالت کا مسلم جج قائم مقام قاضی شرعی کے ہوسکتا ہے اور اس کے فیصلہ فرقت کا اعتبار کیا جاسکتا ہے (کذا فی کفایت المفتی ۲/ ۲۴۹ کتاب القضاء والافتاء)۔

سوال نمبر ۵- ضرورت اس کی بھی ہے کہ اس بابت کچھ اصولی روشنی ڈالی جائے کہ غیر مسلم عدالتیں اور حکام کس حد تک مسلمانوں کے معاملات میں فیصلے کرسکتے ہیں یا کس حد تک ان کے فیصلوں کا اعتبار کرسکتے ہیں؟ اس بابت فقہاء کی اصولی وفروعی تصریحات وتوضیحات زیر بحث مسئلہ میں معاون ثابت ہوں گی۔

اس سلسلہ میں ایک رائے یہ ہے کہ وہ مسائل جن میں محض سبب شرعی کا پایا جانا کافی ہے قاضی کا حکم ضروری نہیں ہے، ایسے معاملات میں تو غیر مسلم بھی فیصلہ کرسکتا ہے اور اس کے فیصلہ کا اعتبار ہوگا، لیکن جن امور میں سبب شرعی کا پایا جانا کافی نہیں بلکہ قاضی کا حکم بھی ضروری ہے ان میں غیر مسلم حاکم کا فیصلہ معتبر نہیں۔

یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے:

مولانا مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مولانا ارشد شاداب، مفتی محمد ابوبکر قاسمی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا محمد موسی شمسی القاسمی، مولانا رمضان علی، مولانا صبیح اختر۔

جن مسائل میں قضائے قاضی ضروری ہے یعنی غیر مسلم حاکم کا فیصلہ ان میں معتبر نہیں ہے ان کی مثال میں عائلی مسائل نکاح، طلاق، خلع، وقف، ہبہ، وراثت، وصیت وغیرہ، حدود، قصاص، فسخ نکاح، رویت ہلال کا فیصلہ اور کسی کو دیوالیہ (مفلس) قرار دینا وغیرہ ہے (مقالہ مولانا

سید اسرار الحق سبیلی، مفتی اقبال محمد ٹنکاروی)۔

جن مسائل میں غیر مسلم حاکم کے فیصلہ کو معتبر مانا جاسکتا ہے، ان کی مثال کرمنل کوڈ، ٹریفک، حفظان صحت، ماحول کا تحفظ، جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت (مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مفتی اقبال محمد ٹنکاروی)۔

مورث کی موت سے ورثاء کے لئے میراث کا حق اور خرید وفروخت کی وجہ سے مبیع پر خریدار کی ملکیت وغیرہ۔

موصوف نے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی کتاب غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے کچھ مسائل کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جن فیصلوں کی بنیاد اتنی اور ایسی شہادتوں پر ہو جو شریعت کی نظر میں بھی کافی ہو اور قانون کی نظر میں بھی کافی ہو، تو اب یہ مقدمات دو طرح کے ہیں: ایک وہ جن میں محض سبب شرعی کا پایا جانا کافی ہے، قاضی کا حکم ضروری نہیں ...... ایسے معاملات میں تو غیر مسلم حاکم بھی فیصلہ کرسکتا ہے، لیکن جن امور میں سبب شرعی کا پایا جانا کافی نہیں، بلکہ قاضی کا حکم بھی ضروری ہے، ان میں غیر حاکم کا فیصلہ معتبر نہیں (غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے کچھ مسائل، ص ۱۳۸)۔

مولانا محمد موسیٰ شمسی قاسمی کے مقالہ میں ہے کہ غیر مسلم عدالتوں میں جو قوانین مروج و مرتب ہیں وہ انہی کے مطابق فیصلہ کرتی ہیں، اس لئے قوی امکان ہے کہ عدالت نے اپنے فیصلہ کی بنیاد جن چیزوں پر رکھی ہو وہ کبھی اسلامی اصول وضوابط سے ہم آہنگ ہو جائیں اور کبھی متصادم ہوں۔

لہذا اگر حاکم نے ایسی شہادتوں کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہے جو شرعا غیر معتبر ہیں تو وہ فیصلہ مسلمانوں کے حق میں نافذ نہیں ہوگا، اور فریقین کے لئے اس سے استفادہ کرنا شرعی طور پر جائز نہیں ہوگا، جیسا کہ بخاری شریف کی روایت ہے:

”من قضي له بحق أخيه فلا يأخذه فإن قضاء الحاكم لايحل حراما ولا

يحرم حلالا" (رواہ البخاری ۲/ ۱۰۶۴)۔

(جس کے لئے اس کے بھائی کے حق میں فیصلہ کردیا گیا تو وہ اس کو نہ لے، کیونکہ حاکم کا فیصلہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرتا ہے)۔

اسی طرح سے دوسری روایت ہے:

"**إنما أنا بشر وإنكم تختصمون إلي ولعل بعضكم أن يكون ألحن بحجته من بعض فأقضي له على نحو ما أسمع فمن قضيت له بحق أخيه شيئا فلا يأخذه فإنما أقطع له قطعة من النار**" (بخاری باب موعظۃ الامام للخصوم ۲/ ۱۰۶۲)۔

(میں بھی بشر ہی ہوں اور تم میرے پاس معاملہ لے کر آتے ہو شاید تم میں سے بعض اپنی حجت کو مزین کر کے پیش کردے پھر میں اپنے سننے کے مطابق اس کے لئے اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کردوں تو وہ اس کو نہ لے کیونکہ میں اس کو جہنم کا ایک ٹکڑا کاٹ کردے رہا ہوں)۔

لیکن اگر قاضی نے ایسی شہادتوں کی بنیاد پر فیصلہ کیا جو شرعاً معتبر ہیں تو اب یہ مقدمات دو طرح کے ہوں گے، ایک وہ جن میں محض سبب شرعی کا پایا جانا کافی ہے قاضی کا حکم ضروری نہیں ہے، تو ایسے معاملات میں تو غیر مسلم حاکم کا فیصلہ معتبر ہوگا (جیسے مورث کی موت سے ورثہ کے لئے میراث کا حق)۔

لیکن جن امور میں سبب شرعی کا پایا جانا کافی نہیں بلکہ قاضی کا حکم بھی ضروری ہے ان میں غیر مسلم منصف کا فیصلہ معتبر نہیں ہے (جیسے فسخ نکاح کے لئے قضائے قاضی کے بغیر صرف اسباب فسخ کا پایا جانا کافی نہیں ہے) (بحث ونظر ص ۴۵ شمارہ ۵۱)۔

مولانا عبید اللہ ندوی لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو تو اسی کا حکم ہے کہ وہ اپنے تمام معاملات میں قرآن و حدیث کی طرف رجوع کریں، چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحب پاکستان "**فلا وربک......ويسلموا تسليما**" (سورۂ نساء: ۶۵) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ آیت صرف معاملات اور حقوق کے متعلق نہیں ہے بلکہ عقائد و نظریات اور دوسرے نظری مسائل کو بھی حاوی

ہے،اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جب بھی کسی مسئلہ میں باہم اختلاف کی نوبت آئے تو باہم جھگڑتے رہنے کے بجائے رسول اللہ ﷺ کی طرف اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی شریعت کی طرف رجوع کر کے مسئلہ کا حل تلاش کرے (معارف القرآن ر ۲)۔

تاہم پھر بھی اگر مسلمان اپنے تمام معاملات میں کسی خاص سبب یا حالات کی وجہ سے اگر شریعت کی طرف رجوع نہیں کرسکتے تو ان کے احوال شخصیہ یعنی پرسنل لا میں مثلاً نکاح، طلاق، وراثت، وصیت، اوقاف، شفعہ وغیرہ میں غیر مسلم عدالتیں اور حکام فیصلہ نہیں کرسکتے ہیں اور نہ ہی مسلمانوں کو ان کے فیصلہ کا اعتبار کرنا چاہئے۔

مولانا خورشید احمد اعظمی لکھتے ہیں کہ وہ امور جو مسلمانوں کے مابین باہم خاص ہیں اور وہ معاملات غیر مسلم کے ساتھ درست نہیں مثلاً نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ امور ان میں غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر نہیں ہوگا۔

مفتی عبد الرحیم قاسمی اور مولانا عبد القیوم پالنپوری کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ فسخ نکاح کے لئے قاضی شرعی یا شرعی پنچایت کا فیصلہ ضروری ہے، غیر مسلم جج کا فیصلہ بالکل معتبر نہیں۔

مولانا محمد احسن عبد الحق ندوی لکھتے ہیں کہ غیر مسلم عدالتیں اور حکام مسلمانوں کے شرعی معاملات میں کسی حد تک فیصلہ نہیں کرسکتے، اسی طرح اگر وہ فیصلہ کردیں تو مسلمان ان کے فیصلوں کا اعتبار نہیں کرسکتے۔

مفتی لطیف الرحمٰن ولایت علی لکھتے ہیں کہ معاملہ چاہے نکاح اور طلاق کا ہو یا خرید و فروخت اور وصیت و وقف کا ہو، غیر مسلم عدالتوں کو سنوانے اور ان کا فیصلہ ماننے کا سوال تو درکنار لے جانا بھی شرعاً ممنوع ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما**" (نساء:۶۵)۔

لہذا غیر مسلم عدالتیں مسلمانوں کے معاملات میں فیصلہ کرنے کی بالکل بھی مجاز نہیں ہیں، البتہ ایک صورت ہے کہ اگر ایک کافر اور مسلمان کے درمیان باہم نزاع پیدا ہو اور غیر مسلم جج نے مسلمان کے حق میں فیصلہ کردیا اور واقعی مسلمان حق پر بھی تھا تو یہ فیصلہ قابل قبول ہوگا، اس وجہ سے نہیں کہ اس نے موافقت میں فیصلہ کردیا بلکہ یہ تو شرعا اس کے حق میں فیصلہ پہلے سے ہی موجود ہے ظاہراً اس فیصلہ کی نسبت غیر مسلم جج کی طرف ہوگئی ہے۔

مولانا ارشد شاداب نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب کوئی مسئلہ ایسا ہے جس میں سبب شرعی کا پایا جانا کافی ہے اور قضاء قاضی ضروری نہیں ہے تو میرے خیال میں ایسے مسئلہ میں فیصلہ دراصل فیصلہ نہیں ہے کیونکہ جب دو آدمیوں کے درمیان عقد بیع ہوا تو ظاہر ہے کہ عقد کے نتیجے میں مشتری مبیع کا مالک ہوگا اور بائع روپے کا حقدار ہوگا، اب اس میں یہ فیصلہ کرنا کہ مبیع مشتری کی ملکیت ہے تو درحقیقت یہ فیصلہ ہی نہیں ہے۔

مفتی محمد اقبال قاسمی کی رائے یہ ہے کہ غیر مسلم عدالتیں اور حکام مسلمانوں کے کسی بھی معاملہ کا فیصلہ نہیں کرسکتی، کیونکہ تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ مسلمانوں کے معاملات میں فیصلہ کے لئے قاضی یا حاکم کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

مفتی معز الدین قاسمی لکھتے ہیں کہ عبادات جیسے نماز (جمعہ وعیدین کا قائم کرنا) زکوۃ (جیسے اجتماعی زکوۃ وصول کرنے وخرچ کرنے کا نظم) اور حج وغیرہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ عبادات میں قول کافر قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، چنانچہ فقہاء کرام نے اس کی صراحت کردی ہے۔

عقوبات (حدود) قصاص یعنی جان کے بدلے جان، کسی نے کسی کی آنکھ پھوڑی تو جواب میں اس کی آنکھ پھوڑی جائے، اسی طرح حد زنا، حد قذف، اس کے لئے دارالاسلام ہونا شرط ہے حدود دارالحرب میں جاری نہیں کئے جاسکتے ہیں، ملاحظہ ہو "**لأنه لاحد بالزنی فی دار الحرب**" (درمختار کتاب الحدود ۳/۱۴۱)۔

مفتی سلمان پالنپوری قاسمی لکھتے ہیں کہ جن احکامات کا تعلق مسلمانوں کے شخصی اور ذاتی معاملات سے ہے مثلاً نکاح، طلاق، خلع، ایلاء، ظہار، وقف، وراثت وغیرہ ان میں غیر مسلم جج کا فیصلہ بالکل معتبر نہیں۔

اسی طرح غیر مسلم جج کا مسلمان کے خلاف کسی بھی معاملہ میں کوئی فیصلہ معتبر نہیں، کیونکہ جو شہادت کا اہل ہوتا ہے وہ قضاء کا اہل ہوتا ہے، اور غیر مسلم مسلمان کے خلاف شہادت دینے کا اہل نہیں ہے، لہذا وہ مسلمان کے خلاف فیصلہ کرنے کا بھی اہل نہیں ہوگا۔

البتہ جن احکام کا تعلق مسلمانوں کے شخصی اور ذاتی معاملات سے نہیں ہے اور معاملہ اپنی حق تلفی یا مالی زیادتی کا ہو اور کوئی فریق زبردستی ظلم و زیادتی پر آمادہ ہو تو مظلوم فریق، اپنی دادرسی کے لئے غیر مسلم جج و عدلیہ سے رجوع کرسکتا ہے، اس کے لئے اس کو ظلم کی تلافی کے لئے تعاون کی صورت میں دیکھا جائے گا، نہ کہ غیر مسلم جج کے فیصلہ کے معتبر ہونے کی صورت میں، گویا کہ ایسے معاملات میں جن میں اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے طاقت و اقتدار کی ضرورت پڑتی ہے ان میں غیر مسلم جج و عدلیہ سے مدد لینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ مطالبہ حق ہو۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی لکھتے ہیں کہ وہ مسائل جن میں مسلم و غیر مسلم مساوی ہوں جیسے معاملات یعنی بیع و شراء، ہبہ، وصیت، ہتک عزت اور تعزیر مالی و تعزیر جسمانی، نزاعات مالی (منقولہ و غیر منقولہ) حبس و قیود وغیرہ میں غیر مسلم عدالتیں فیصلے کی مجاز ہیں۔

اور جن امور میں دونوں (مسلم و غیر مسلم) باہم مساوی نہیں جیسے طلاق، عتاق، حضانت، وراثت وغیرہ ان میں غیر مسلم عدالتیں کسی عالم دین کو مکلف بنائیں گی کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کردے اور پھر غیر مسلم سیشن جج اس کے فیصلہ کو نافذ کردے۔

مولانا اشتیاق احمد اعظمی قاسمی لکھتے ہیں کہ فوجداری (جرائم سے متعلق معاملات) دیوانی (مالیاتی معاملات) میں اگر مسلمان آدمی آپسی مصالحت سے حق کو حاصل نہ کرسکے کیونکہ شرعی پنچایتوں اور امارت شرعیہ وغیرہ جو غیر مسلم ممالک میں مسلمان قائم کرتے ہیں ان کے پاس

قوت نافذہ کا فقدان ہوتا ہے، اس لئے وہ اپنے جائز حقوق کی وصول یابی کے لئے غیر مسلم عدالت میں بھی جا سکتا ہے، کیونکہ حکومت کے پاس قوت نافذہ ہوا کرتی ہے، اس طرح کے مسائل میں اگر مسلمان غیر مسلم عدالت میں جاتا ہے تو اس کے لئے عدالت کا فیصلہ اسی صورت میں قابل قبول ہوگا، جب وہ اللہ اور اس کے رسول کے بیان کردہ اصول وقوانین کے مطابق ہو، بصورت دیگر ایسے فیصلے مسلمان کے لئے ہرگز قابل قبول نہ ہوں گے۔

حضرت مولانا شیر علی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ اس وقت زیادہ تر حکومتیں جمہوری ہیں اور وہ حکومتیں مفاد عامہ کو ملحوظ رکھ کر قوانین وضع کرتی ہیں، چنانچہ ان کے فیصلے اور قوانین امور دنیویہ میں معتبر ہوں گے، بشرطیکہ وہ شرعی قوانین سے متصادم نہ ہوں، اور اگر وہ متصادم ہوں تو پھر ایسے مسائل کا حل شرعی عدالتوں کے ذریعہ کیا جائے گا۔

حافظ شیخ کلیم اللہ عمری مدنی لکھتے ہیں کہ غیر اسلامی عدالتوں اور حکام کے فیصلے اسلام کے مطابق ہوں تو وہ قابل قبول ہوں گے، جن کی توثیق مستند علماء کرام سے ہو، ورنہ دیگر صورت میں مسلم پرسنل لا میں دخل اندازی درست نہ ہوگی، لہذا ایسے ملکوں میں مسلم کمیونٹی/دار القضاء وغیرہ کے ذریعہ سے مسلمان اپنے شرعی مسائل حل کرائیں۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی لکھتے ہیں کہ قاضی شرعی کی عدالت میں چار قسم کے مقدمات آتے ہیں:

۱-خالص حقوق اللہ جیسے حدود وغیرہ۔

۲-خالص حقوق العباد مثلاً مطالبہ قرض وغیرہ۔

۳-حقوق اللہ وحقوق العباد سے مرکب حق لیکن اللہ کا حق غالب ہو جیسے حد قذف، حد سرقہ وغیرہ۔

۴-حقوق اللہ وحقوق العباد سے مرکب حق لیکن بندہ کا حق غالب ہو جیسے قصاص وغیرہ۔

شرعی عدالت کے قاضی کی حیثیت حقیقت میں مسلمانوں کے وکیل کی ہوتی ہے، لیکن ایسے وکیل کی جو شاہد بننے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔لیکن غیر مسلم قاضی شاہد نہیں ہو سکتا اس میں

صرف وکیل کی شان رہ جاتی ہے، لہذا ایسے تمام معاملات جن میں توکیل جائز ہے اور قاضی شرعی کی راست ضرورت اس معاملہ کی تنفیذ کیلئے نہیں ہے تو ان تمام امور کی تنفیذ غیر مسلم عدالت سے ہوسکتی ہے۔

لہذا وہ حقوق جو خالص اللہ کے ہیں ان میں غیر مسلم جج کا فیصلہ، شرعی فیصلہ نہیں ہے، اسی طرح وہ امور جن میں دعوں کی ضرورت ہے جیسے حد سرقہ وحد قذف وغیرہ ان کی بابت فیصلہ کا اختیار غیر مسلم عدالت کو نہیں۔

ہاں وہ حقوق جو بندے کے ہیں خواہ حقوق اللہ میں سے بھی ہوں لیکن دعوی کی راست حاجت نہیں، جیسے قرض وغیرہ کی ادائیگی یا قصاص کی تنفیذ وغیرہ ان امور میں غیر مسلم قاضی فریقین کا وکیل ہوکر فیصلہ کرسکتا ہے۔

شامی میں ہے: **"تسمع الشهادة بدون الدعوى في الحد الخالص والوقف وعتق الامة وحريتها الاصلية وفيما تمحض لله تعالى كرمضان وفي الطلاق والايلاء و الظهار سوى حد القذف وكذا حد السرقة لما تقدم في محله ان طلب المسروق منه المال شرط القطع"**۔

"زاد الحموى ثامنه: وهي اشتراط الامام لاستيفاء الحدود دون القصاص" (ردالمحتار ۱۰/۱۵۳ کتاب الجنایات، فصل فیما یوجب القود وما لا یوجبہ، مطبوعہ دارالکتاب دیوبند)۔

"واذا قتل الرجل عمداً له ولي واحد فله ان يقتله قصاصا قضى القاضي به او لم يقض" (ردالمحتار ۱۰/۱۵۲ کتاب الجنایات)۔

مولانا خورشید انور اعظمی لکھتے ہیں کہ غیر مسلم عدالتیں مسلم مسائل کے تصفیہ کے لئے بحیثیت وکیل فیصلہ کرسکتی ہیں اور وہ فیصلہ معتبر ہوگا، البتہ ان کی حیثیت قضاء وتحکیم کی نہیں ہوگی، اس لئے کہ ان میں قضاء وتحکیم کی شرطیں مفقود ہیں، لہذا جن مسائل میں توکیل کی صورت نہ پائی جارہی ہو اور ان کے فیصلے شرعی اصول وضوابط سے متصادم ہوں تو اس صورت میں ان فیصلوں کا شرعاً اعتبار نہیں ہوگا۔

مولانا شاہجہاں ندوی نے لکھا ہے کہ معاملات تین طرح کے ہیں:
١-دیوانی معاملات،٢-تعزیری معاملات،٣-خانگی معاملات۔

قاضی کا مسلمان ہونا ان سارے معاملات میں شرط ہے کیونکہ غیر مسلم کو مسلم پر ولایت حاصل نہیں ہے، اور اس لئے بھی کہ قانون اسلامی کی روح کو وہی پہچان سکتا ہے جو اس پر ایمان بھی رکھتا ہو، نیز شریعت کے مقاصد واہداف کا ادراک وہی کرسکتا ہے جو اس پر عقیدہ رکھتا ہو اور اس کی تطبیق کا خواہاں ہو، چنانچہ غیر مسلم جج اگرچہ اسلامی قانون کا علم رکھتا ہو وہ اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کے لئے وہ ذہنی سرگرمی صرف نہیں کرسکتا ہے جو کہ مطلوب ہے۔

"ظهر من كلامهم حكم القاضي المنصوب في بلاد الدروز في القطر الشامي، ويكون درزيا ويكون نصرانيا فكل منهما لا يصح حكمه على المسلمين، فان الدرزي لاملة له، كالمنافق والزنديق وان سمى نفسه مسلما، وقدافتى في الخيرية بأنه لا تقبل شهادته على المسلم" (ردالمحتار کتاب القضاء ٨/٢٤)۔

جہاں تک غیر مسلم عدالت کے فیصلہ کے اعتبار کا تعلق ہے تو اصل یہ ہے کہ ایک مسلمان غیر مسلم عدالت کی طرف رجوع نہ کرے، کیونکہ ایسی عدالت کی طرف مقدمہ لے جانا جو غیر الٰہی قانون کے مطابق فیصلہ کرے، طاغوت کی طرف مقدمہ لے جانا ہے جس کے انکار کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے:

"ألم تر إلى الذين يزعمون انهم امنوا بما أنزل إليک وما أنزل من قبلک، يريدون أن يتحاكموا إلى الطاغوت وقد أمروا أن يكفروا به ويريد الشيطان أن يضلهم ضلالا بعيدا" (سورۂ نساء:٦٠)۔

لیکن جو شخص غیر اسلامی عدالت میں جانے پر مجبور کردیا گیا ہو اس طرح کہ اس کے خلاف دعوی قائم کردیا گیا ہو تو وہ مکرہ ومجبور کے حکم میں ہے اور اس پر گناہ نہیں ہے، ارشاد باری تعالی ہے:"إلا من أكره و قلبه مطمئن بالايمان" (النحل:١٠٦)۔

البتہ چونکہ سارے وضعی قوانین اسلامی شریعت کے مخالف نہیں ہیں، لہذا اگر کسی کا حق

ہو یا وہ ظلم کا شکار ہو اور حق کی وصولیابی یا ظلم کو دور کرنا قانونی عدالت میں مقدمہ لے جائے بغیر ممکن نہ ہو تو اس کو اپنا حق وصول کرنے اور ظلم کو دور کرنے کے لئے غیر مسلم عدالت میں مقدمہ لے جانا درست ہوگا، ''لأن الضرورات تبيح المحظورات'' ۔

اگر غیر مسلم عدالت کا فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق ہو تو مالی معاملات میں اس کا اعتبار ہوگا۔

علامہ عز بن عبد السلام تحریر کرتے ہیں: ''بل لو تعذرت العدالة في جمع الناس لما جاز تعطيل المصالح المذكورة، بل قدمنا أمثل الفسقة فامثلهم واصلحهم للقيام بذلک فاصلحهم بناء علي انا اذا امرنا بامر اتينامنه بما قدرنا عليه ويسقط عنا ما عجزنا عنه، ولا شک ان حفظ البعض اولي من تضييع الكل، وقد قال شعيب عليه السلام: ان اريد الا الاصلاح ما استطعت'' (ہود:۸۸) وقال تعالى ﴿فاتقوا الله ما استطعتم﴾ '' (التغابن:١٦) ''فعلق تحصيل مصالح التقوى على الاستطاعة فكذلک المصالح كلها'' (قواعد الاحکام فصل فیما یقدح فی الظنون من...... ۲/ ۳۷)۔

اور عبد اللہ شنقیطی تحریر کرتے ہیں: ''شهادة اللفيف، حيث وجد المستورون، اما اذا كان اهل البلد كلهم فساقا فقد نقل القرافي في الذخيرة عن ابن أبي زيد إن لم يوجد في جهة إلا غير العدول أقيم اصلحهم وأقلهم فجوراً للشهادة عليهم ويلزم مثل ذلک في القضاة وغيرهم، لكي لا تضيع المصالح، قال: وما أظن انه يخالف أحد في هذا، فإن التكليف مشروط بالامكان'' (طرد الغوال والہمل عن الکروع فی حیاض العمل لعبد اللہ الشنقیطی ص ۲۵)۔

خرشی لکھتے ہیں: ''ان المتبايعين اذا تنازعا في عيب في المبيع فانه يقبل في معرفته غير العدول وان مشركين'' (شرح مختصر خلیل للخرشی، فصل فی بیع الخیار ۵/ ۱۴۹ مکتبہ شاملہ)۔

اصولی اعتبار سے غیر مسلم عدالتوں میں مسلمانوں کے معاملات کا فیصلہ کرنے کی اہلیت مسلوب ہے۔

لیکن جس شخص کے خلاف غیر اسلامی عدالت میں دعوی قائم کر دیا گیا ہو تو وہ مکرہ اور مجبور کے حکم میں ہے اور اس پر گناہ نہیں۔

اپنے حق کی وصولیابی یا ظلم کو دور کرنا قانونی عدالت میں مقدمہ لے جائے بغیر ممکن نہ ہو تو اپنا حق وصول کرنے اور ظلم کو دور کرنے کے لئے غیر مسلم عدالت میں مقدمہ لے جانا درست ہوگا۔

اگر غیر مسلم عدالت کا فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق ہو تو مالی معاملات میں اس کے فیصلہ کا اعتبار ہوگا۔

مولانا عطاء اللہ قاسمی صاحب رقم طراز ہیں کہ دار الامان میں اسلامی حدود و تعزیرات یعنی قتل عمد، قتل خطا، زنا، تہمت، چوری، ڈکیتی، شراب نوشی، اگر ان جرائم کا ارتکاب کسی مسلمان سے ہو تو غیر مسلم عدالتوں و حکام کا فیصلہ مسلمان کے لئے قابل تسلیم ہوگا۔

اس کی تشریح اس طرح فرمائی ہے کہ دار الامان میں مسلمان دار الاسلام سے متعلق احکام نافذ کرنے کے مکلف نہیں ہوں گے، "**لا يكلف الله نفسا إلا وسعها**" وجہ یہ ہے کہ اس کے لئے اسلامی حکومت و اقتدار شرط ہے، مثلاً اسلامی حدود و تعزیرات یعنی قتل عمد، قتل خطاء، زنا، تہمت، چوری، ڈکیتی، شراب نوشی کی وہ مخصوص سزائیں جو اسلام نے مقرر کی ہیں اسلامی نظام حکومت کے بغیر ان کا نفاذ شرعاً واجب نہیں ہے۔

اسلام نے ان جرائم کو انسانیت کے لئے زہر قاتل اور لعنت قرار دیا ہے، اس لئے ان جرائم کی سزائیں اتنی سخت اور عبرت ناک مقرر کی ہیں کہ اگر صحیح طور پر ان کا نفاذ ہو جائے تو دل و دماغ ان جرائم کے تصور سے مدتوں لرزتے رہیں گے، دوسری قوموں کے نافذ العمل قوانین میں ان کی سزائیں اتنی سخت نہیں ہیں، لیکن ان جرائم کی قباحت کو ہر مذہب اور ہر قانون تسلیم کرتا ہے، اور صالح معاشرہ کے لئے ان کا انسداد ضروری سمجھتا ہے، لہذا اگر کوئی غیر مسلم حکومت ان جرائم کے انسداد کے لئے قانون بنائے تو باوجودے کہ ہمارے عقیدہ کے لحاظ سے وہ قانون عدل و انصاف کے اعلی معیار سے کمتر ہوگا مگر چونکہ مقصد بہتر ہوگا لہذا تعاون و شراکت میں مضائقہ نہیں ارشاد باری تعالی ہے:

"تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" (سورۂ مائدہ:۲)۔
اگر ان جرائم کا ارتکاب کسی مسلمان سے ہوجائے تو غیر مسلم عدالتیں و حکام کا فیصلہ مسلمان کے لئے قابل تسلیم ہوگا۔

اسی طرح مثلاً عصمت فروشی، رقص، سرور، سحر، کہانت، نجوم، جیوتش وغیرہ اسی طرح وہ سارے معاملات جن سے جرائم کی پرورش ہوتی ہے اور معصیت پروان چڑھتی ہے مثلاً مورتیوں اور تصاویر کی خرید وفروخت، آلات لہوولعب وغیرہ اگر دارالامان میں ان امور کو جرم قرار دے کر قانوناً ممانعت کردی جائے، ان کے ارتکاب کرنے والے کو قابل سزا قرار دیا جائے تو مسلمان ان معاملات میں غیر مسلم عدالتوں اور غیر مسلم حکام کے بہر حال پابند ہوں گے۔

اخلاق وعبادات سے متعلق احکامات مذہبی آزادی کے تحت ہیں، لہذا غیر مسلم عدالتیں اور حکام کو اس سلسلہ میں مداخلت کا دستوری اعتبار سے کوئی حق نہیں، بصورت دیگر مذہب میں مداخلت متصور ہوگا، مسلمان بہر صورت اخلاق وعبادت کے معاملہ میں غیر مسلم عدالتوں و حکام کے پابند نہیں ہوسکتے۔

مولانا مصطفی قاسمی لکھتے ہیں کہ غیر مسلم قاضی نہیں بنایا جاسکتا، لیکن اہل ذمہ میں سے کسی شخص کو ان کے باہمی معاملات کا فیصلہ کرنے کے لئے قاضی مقرر کردے تو یہ درست ہوگا، اس کے بعد اصل جواب کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

اعتقادات، اخلاقیات، معاشرت، عبادات، حدود وقصاص، غرض یہ کہ مسلمانوں کے جو خصوصی مسلم پرسنل لا ہیں اس میں غیر مسلم عدالتیں اور غیر مسلم حکام کو کوئی فیصلہ کرنے کا شرعاً حق نہ ہوگا۔

معاملات، معاشیات، تجارت، سیاسیات میں جب باہم اختلاف ہوجائے اور اس کا کوئی حل نہ نکل سکے تو ایسی صورت میں غیر مسلم عدالتیں اور غیر مسلم حکام بھی مسلمانوں کے حق میں فیصلہ کرسکتے ہیں۔

۱-سفر میں وصیت کا حکم: قرآن مجید میں ایک خاص پس منظر میں غیر مسلموں کی

شہادت کا ذکر ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”یا أیها الذین آمنوا شهادة بینكم إذا حضر أحدكم الموت حین الوصیة اثنٰن ذوا عدل منكم أو آخران من غیركم إن انتم ضربتم في الأرض فاصابتكم مصیبة الموت ، الآیة“ (سورۂ مائدہ:۱۰۶تا۱۰۸)۔

ان آیات میں جو حکم بیان ہوا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان حالت سفر میں ہو اسی حالت میں اس کا آخری وقت آپہنچے اور وہ اپنے مال واسباب یا کسی بھی چیز کی وصیت کرنا چاہے تو اپنے میں سے دو عادل افراد کو یا غیروں میں سے دو کو اپنی وصیت پر گواہ بنادے (احکام القرآن ۲/ ۶۰۱ تا ۶۰۲ جصاص رازی بحوالہ غیر مسلموں سے تعلقات اوران کے حقوق ۱۵۹ تا ۱۶۱ حضرت مولانا سید جلال الدین عمری، امیر جماعت اسلامی ہند)۔

۲-کیا صرف اہل کتاب کی گواہی مسلمانوں کے حق میں معتبر ہے؟۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت ابوموسی اشعریؓ، حضرت سعید بن میبؒ، قاضی شریح، ابن سیرین، امام اوزاعی، امام ثوری، اور امام احمد بن حنبلؒ کی رائے یہ ہے کہ ”او آخران من غیركم“ کے الفاظ یہاں اہل کتاب کے لئے ہیں، ان کے نزدیک سفر میں وصیت کی نوبت آجائے اور مسلمان موجود نہ ہوں تو اہل کتاب میں سے دو کو گواہ بنایا جاسکتا ہے (دیکھئے: فتح الباری ۵/ ۴۱۳، ابن حجر عسقلانیؒ ان میں سے صحابہ وتابعین کی رایوں کے لئے دیکھی جائے تفسیر طبری ۱۱/ ۱۶۰ تا ۱۶۲ بحوالہ غیر مسلموں سے تعلقات اوران کے حقوق ص ۱۶۲ تا ۱۶۶)۔

اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو اس کے شان نزول میں آئی ہے، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ قبیلہ بنو سہم کے ایک صاحب جو مسلمان تھے، جن کا نام بدیل یا بزیل بتایا گیا ہے تمیم داری اور عدی بن بدا کے ساتھ سفر پر گئے اور اس سفر میں ان کا ایک ایسی جگہ انتقال ہوگیا جہاں کوئی مسلمان نہ تھا، انتقال سے پہلے انہوں نے اپنا سامان ان دو اشخاص کے حوالہ کردیا اور کہا کہ اسے ان کے گھر والوں کو پہنچادیں، تمیم کہتے ہیں کہ اس شخص کے مرنے کے بعد ہم نے اس کا کچھ سامان رکھ لیا، اس میں چاندی کا ایک پیالہ بھی تھا، جس پر سونے کے نقش و

نگار تھے، یہ اس کا سب سے قیمتی سامان تھا، اسے ایک ہزار درہم میں فروخت کیا اور رقم آپس میں تقسیم کرلی باقی سامان بدیل کے رشتہ داروں کے حوالہ کردیا، انہوں نے اس میں قیمتی پیالہ نہ دیکھا جو بدیل اپنے ساتھ لے گئے تھے، ایک روایت ہے کہ وہ سامان جو اس نے ان دونوں کے حوالہ کیا تھا اس کی فہرست اسی سامان میں موجود تھی، سامان اس کے مطابق نہیں تھا، اس میں وہ پیالہ بھی غائب تھا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ مقدمہ پیش ہوا تو یہ آیات نازل ہوئیں، تمیم اور عدی سے جب پیالہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے قسم کھا کر اپنی ناواقفیت ظاہر کردی، لیکن جلد ہی پیالہ مکہ میں ایک شخص کے پاس دیکھا گیا، اس نے بتایا کہ یہ تمیم اور عدی سے خریدا گیا ہے، اس کے بعد بدیل سہمی کے رشتہ داروں نے قسم کھائی کہ پیالہ انہی کا ہے اور تمیم اور عدی نے غبن کیا ہے، چنانچہ ان آیات کی روشنی میں ان کے حق میں فیصلہ کردیا گیا (بخاری شریف ۱/ ۳۹۰، کتاب الوصایا، ترمذی ۲/ ۱۳۶، ابواب التفسیر، سورہ مائدہ، ابوداؤد ۲/ ۵۰۷ تا ۵۰۸، کتاب القضاء باب شہادۃ اہل الذمۃ فی الوصیۃ فی السفر، معارف القرآن ۳/ ۲۵۳ تا ۲۵۸ وغیرہ)۔

۳- اہل کتاب کے علاوہ دیگر مسلموں کی گواہی بھی معتبر ہے، مسلمانوں کے حق میں:

اس مسئلہ میں ایک رائے یہ بھی رہی ہے کہ "أخران من غیرکم" کو اہل کتاب کے ساتھ مخصوص سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، الفاظ عام ہیں ان میں سب ہی غیر مسلم آجاتے ہیں، یہ رائے سلف میں سعید بن جبیرؒ، مجاہد، ابن سیرین، ابن زید، عبیدہ بن عمرو السلمانیؒ وغیرہ کی ہے، علامہ طبری نے اسی کی تائید کی ہے، کہتے ہیں: "أو آخران من غیرکم" اللہ تعالی نے کسی گروہ کی تخصیص نہیں کی ہے، الفاظ عام ہیں، جو لوگ اسلام سے باہر ہیں چاہے وہ یہودی اور نصرانی ہوں یا مجوسی روایت پرست سب ہی اس میں آجاتے ہیں، یہی رائے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے (غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق رص ۱٦۴)۔

۴- مسلمان کی عدم موجودگی یا موجودگی میں غیر مسلم گواہ ہوسکتے ہیں:

قرآن مجید کے الفاظ سے ایک استدلال یہ کیا گیا ہے کہ سفر میں وصیت پر دو عادل مسلمانوں یا دو غیر مسلموں کو گواہ بنانے کا اختیار رہے، وصیت کرنے والا ان میں سے جن کو گواہ بنانا

چاہے بنا سکتا ہے، لیکن جمہور کی رائے یہ ہے کہ اس میں یہ اختیار نہیں ہے بلکہ آیت کا منشا یہ ہے کہ سفر میں اگر مسلمان گواہ نہ ملیں تو غیر مسلموں کو گواہ بنایا جائے۔

ان معروضات کی روشنی میں معاملات، معاشیات، سیاسیات، بیع وشراء، قرض کے لین دین، زمین و جائداد کی خرید وفروخت، باہمی نزاعات اور جرائم وغیرہ کے سلسلہ میں غیر مسلم عدالتیں اور غیر مسلم حکام مسلمانوں کے حق میں فیصلہ کر سکتے ہیں اور عصر حاضر میں ان کے فیصلوں کا اعتبار مسلمان کر سکتے ہیں۔

☆☆☆

عرض مسئلہ:

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا خورشید احمد اعظمی ☆

جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ، گجرات کے زیر اہتمام اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے انیسویں فقہی سمینار کے موضوعات وعناوین میں سے ایک موضوع ہے، ’’غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق‘‘ طلاق، ایک شرعی حق ہے جو نکاح کے ساتھ ہی شوہر کو حاصل ہوجاتا ہے، اور عام حالات میں وہی اس کے استعمال کا مجاز بھی ہے، یا پھر وہ جس کو اجازت دے، کسی غیر کے ذریعہ طلاق کی ایک صورت تفویض وتملیک ہے، دوسری صورت توکیل، بعض حالات میں مسلمان قاضی یا حاکم کو عامۃ المسلمین پر ولایت کے سبب یہ حق حاصل ہوجاتا ہے، خواہ شوہر اس پر راضی نہ ہو۔

نیز طلاق، زوجین کے مابین حل نزاع کی آخری شکل ہے، جو اس سے ماقبل کی تمام مساعی مخلصہ کی ناکامی کے بعد انتہائی ناگزیر حالات میں اختیار کرنا مناسب ہے، کیونکہ شریعت میں اسے ’’أبغض الحلال إلی اللہ تعالی‘‘ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور چونکہ کتاب اللہ کی سورہ ’’الطلاق‘‘ میں اس سے متعلق کچھ امور کے ذکر کے ساتھ بار بار مختلف پیرایہ میں تقوی کا بھی ذکر کیا گیا ہے، اس لئے اس مقدس رشتہ کو ختم کرتے وقت اللہ کا خوف اور تقوی بھی ملحوظ رہنا

☆ المکتب العلمی محلہ رگھوناتھ پورہ، مئو۔

چاہئے۔

عرض مسئلہ تحریر کیے جانے کے وقت تک موضوع سے متعلق کل چونتیس مقالے موصول ہوئے، اکثر مقالہ نگار نے اس امر کی طرف اہتمام کے ساتھ توجہ دلائی کہ وہ ممالک جہاں شرعی اسلامی قوانین پر فیصلہ کی سہولیات مہیا نہیں ہیں، کوشش کی جائے کہ وہاں کی عدالتوں میں مسلمانوں کے مسائل میں اسلامی شریعت سے فیصلہ کا نظم ہوجائے، نیز اپنے طور پر محاکم شرعیہ کا نظم کیا جائے، اور اپنے مسائل کو غیر مسلم عدالتوں میں لیجانے کے بجائے شرعی پنچایتوں کے ذریعہ حل کرایا جائے، اوران کے فیصلوں کو برضاوخوشی تسلیم کرلیا جائے، اس مضمون کی تائید اور استدلال کے لئے مقالہ نگار حضرات نے ان آیات کریمہ کا ذکر کیا جن میں شریعت کے فیصلہ کو تسلیم کرلینے کی ترغیب اوران کے مطابق فیصلہ نہ کرنے یا نہ ماننے پر وعیدیں مذکور ہیں، مثلاً سورۂ نساء کی آیت: "**فلا وربک لایؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لایجدوا فی أنفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما**" (سورہ نساء: ٦٥) یا سورۂ مائدہ کی آیت: "**ومن لم یحکم بما أنزل اللہ فأولئک ھم الفاسقون**" (سورہ مائدہ: ٤٧) اوراس کے ہم معنی آیات، نیز اسی ضمن میں شرعی قاضی کی صفات اور شرائط بھی تفصیل سے ذکر کی گئیں، جن میں سے ایک اہم شرط اس کا مسلمان ہونا ہے۔

اکیڈمی نے برطانیہ وغیرہ میں عدالتوں کے ذریعہ حصول طلاق کی متعدد صورتوں کا سوالنامہ میں ذکر کیا ہے۔ اس میں پہلی صورت یہ ہے کہ شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتا ہے کہ میں اپنے رشتۂ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہوں، لہٰذا میرے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کردیا جائے، پھر عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد طلاق وفرقت کا فیصلہ کردیتی ہے، اس صورت کا کیا حکم ہوگا اور کیا اس درخواست کو تفویض وتحکیم ماناجاسکتا ہے، اوراسی بنیاد پر غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر ہوگا؟

جواب میں جج کے فیصلہ کے متعلق ایک قول تو یہ ہے کہ اس کا فیصلہ طلاق معتبر نہیں، اور

اس کے ذریعہ کی گئی فرقت نافذ نہیں ہوگی، جب تک شوہر خود طلاق نہ دے عورت مطلقہ نہ ہوگی، فیصلہ معتبر نہ ہونے کی بنیادی وجہ جج کا غیر مسلم ہونا ہے، مولانا محمد مصطفیٰ اور مولانا محمد احسن نے درخواست کو نہ تفویض قرار دیا ہے اور نہ تحکیم، اور آیت کریمہ: "**لايتخذ المومنون الكافرين أولياء من دون المؤمنين الآية**" (آل عمران:۲۸) نیز "**لن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا**" (سورہ نساء:۱۴۱) کا ذکر کیا ہے، مولانا عطاء اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ تفویض طلاق ایک حق ہے جو صرف اپنی منکوحہ کے لئے استعمال کرسکتا ہے، عدالت کے لئے نہیں، غالباً انہیں "**التفويض هو تمليك الزوجة الطلاق**" سے اشتباہ ہوگیا، ورنہ شامی کی عبارت "**تفويضه للزوجة أو غيرها**" واضح ہے کہ تفویض طلاق غیر منکوحہ کے لئے بھی درست ہے، انھوں نے درخواست کو تحکیم کی صورت بھی اس لئے نہیں مانا کہ "**لايجوز تحكيم الكافر**" مولانا لطیف الرحمٰن نے بھی اسی دلیل کو اختیار کیا ہے، اور مولانا محمد موسیٰ تفویض و تحکیم کے ساتھ توکیل کی صورت بھی درست نہیں مانتے ہیں، کیونکہ جج تو اپنے اعتبار و اختیار سے فیصلہ کرے گا، اور فسخ نکاح میں اسباب فسخ کے ساتھ قضاء قاضی بھی ضروری ہے، اور اہلیت قضا کے لئے اسلام شرط ہے، اسی شرط کے مفقود ہونے کے سبب خورشید احمد اعظمی نے بھی فیصلہ کو غیر معتبر کہا ہے، اور درخواست کو تفویض کی صورت قرار نہیں دیا ہے، نیز مولانا صبیح اختر بھی تفویض اس لئے نہیں مانتے کہ تفویض کے الفاظ و عبارات متعین ہیں، اور وہ مجلس کے ساتھ مقید ہوتی ہے۔ یہ توکیل بھی نہیں مانتے، کیونکہ وکیل، مؤکل کی رائے اور مشیت کا پابند ہوتا ہے، جبکہ جج اپنی صوابدید اور مشیت سے فیصلہ کرتا ہے، انھوں نے تحکیم و تملیک کی صورت قرار دیا ہے، جبکہ تملیک بھی تفویض کے ہی مترادف ہے، مولانا محمد فاروق صاحب بھی درخواست کو تحکیم کی صورت مانتے ہیں، اور ان دونوں حضرات نے بھی جج نے غیر مسلم ہونے کے سبب فیصلہ کو غیر معتبر قرار دیا، "**لأن القضاء من باب الولايات**" غالباً انھوں نے عدالت اور جج کے منصب کا لحاظ کرتے ہوئے درخواست کو تحکیم کی صورت پر محمول کیا ہے، ورنہ تحکیم تو فریقین کی طرف سے ہوتی ہے اور یہاں درخواست

صرف شوہر کی طرف سے ہے، مولانا کلیم اللہ نے تفویض کی صورت قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ غیر مسلم عدالت کو تحکیم کا اختیار نہیں دیا جاسکتا، فیصلہ پھر بھی اگر اسلامی قوانین کے مطابق ہو جس کی توثیق معتبر علماء اور تحریکات اسلامی سے ہو جائے تو قبول ہوگا، انھوں نے فتاوی معاصرہ کی عبارت نقل کیا ہے: "**لأن الزواج والطلاق من باب الولايات ولا ولاية لغير المسلم على المسلم ولكن يجب أن يوثق هذا الزواج لدى الجهات الرسمية الإسلامية المختصة بذلك**"۔

مولانا محمد ابو بکر نے غیر مسلم عدالت میں فسخ کی درخواست کو لایعنی عمل قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ شوہر خود طلاق دے، اور پریشانی سے بچنے کے لئے عدالت سے توثیق کرائے، مولانا ابوسفیان، مولانا افتخار احمد، مولانا عبیداللہ، مولانا محمد اقبال، اور مولانا شیر محمد نے درخواست کی نوعیت پر کلام کئے بغیر جج کے غیر مسلم ہونے کیوجہ سے اس کے ذریعہ کی گئی فرقت کو غیر معتبر کہا ہے۔ مفتی معز الدین قاسمی نے کوئی واضح جواب دینے کے بجائے مذکورہ اور اس کے بعد کی دونوں صورتوں کے بارے میں مجموعی طور پر یہ بات لکھی ہے کہ مسلم پرسنل لا کا قانونی تحفظ حاصل نہ ہونے کیوجہ سے عدالتوں کے فیصلے جبر کی صورت ہوتے ہیں جسے لازم کرنا شرعاً درست نہیں، لیکن مذکورہ صورت میں تو شوہر خود طلاق کی درخواست دے رہا ہے، اور طلاق کا وقوع عورت کی رضا پر موقوف نہیں۔

مذکورہ پہلی صورت میں جج کے فیصلہ کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے ذریعہ دی گئی طلاق معتبر اور نافذ ہوگی، اس کے قائلین نے درخواست کو تفویض یا توکیل کی صورت قرار دیا ہے، اور مفوض إلیہ یا وکیل کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے، مولانا رضوان الحسن اور مولانا ارشد شاداب نے تفویض اور توکیل کی صورت مانی ہے۔ جبکہ فقہاء نے ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے، لیکن ان دونوں ہی حضرات نے دلیل میں وہی فقہی عبارات ذکر کی ہیں جو توکیل سے متعلق ہیں، مثلاً "**إذا قال الرجل طلق امرأتي فله أن يطلقها في المجلس وبعده**" (ہدایہ)

مولانا محمد اشرف، مولانا اشتیاق احمد، مفتی انور علی اور مولانا ذکاء اللہ شبلی نے شوہر کی درخواست کو تفویض کی صورت قرار دیا ہے، ان میں سے بعض نے جج کے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے تحکیم کی صورت نہ ہونے کی صراحت کی ہے اور تفویض اس لئے مانا ہے کہ مفوض الیہ کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے، لیکن فقہاء کی صراحت کے مطابق تفویض یا تملیک طلاق مقید بالمجلس ہوتی ہے، لہٰذا جس مجلس میں درخواست جج تک پہنچی اس مجلس میں اگر اس نے طلاق کا فیصلہ نہیں دیا تو پھر اس کا اختیار ساقط ہوجائے گا، اور کسی دوسری مجلس میں اس کی دی ہوئی طلاق لغو اور باطل ہونی چاہئے، مولانا ظفر الاسلام صاحب نے ''کفایت المفتی'' سے ایک فتوی کا ذکر کیا ہے کہ (غیر مسلم جج) کسی مسلمان عالم کو مجاز کردے کہ وہ شرعی فیصلہ کرے، پھر وہ اپنی عدالت سے اس کو نافذ کردے، مفتی صاحب کا یہ فتوی ایک مفقود الخبر شخص سے متعلق ہے، اس کا حوالہ سوالنامہ میں مذکور دوسری اور تیسری صورت کے لئے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، زیر بحث صورت میں تو یہ ترکیب بھی اختیار کی جاسکتی ہے کہ اگر کسی خدشہ اور پیچیدگی کے سبب شوہر عدالت کے ذریعہ ہی طلاق نافذ کرانا چاہتا ہے، تو جج کے فیصلۂ طلاق کے بعد شوہر خود بھی زبانی طلاق دیدے، مولانا نے ''بحث ونظر'' مجلّہ کے حوالہ سے یورپی کونسل برائے تحقیق وافتاء کے ایک فیصلہ کا بھی ذکر کیا ہے کہ جب غیر اسلامی قانون کے مطابق اپنا عقد نکاح کیا تو ضمناً اس نے اس قانون کے نتائج کو بھی قبول کرلیا جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس عقد کو صرف قاضی ہی توڑ سکتا ہے، اسے شوہر کی طرف سے تفویض طلاق تصور کرنا ممکن ہے، غیر اسلامی قانون کے مطابق سے مراد غالباً غیر اسلامی عدالت میں عقد نکاح ہے، پھر بھی یہ تعبیر نامناسب سی لگتی ہے، کیونکہ اسلامی قانون کے مطابق عقد نکاح کے لئے جانبین سے ایجاب وقبول اور دو مسلمان گواہ ہی کافی ہیں، اور اس کے بغیر عقد نکاح درست بھی نہیں، اور اگر اس سے مراد نکاح کے وقت تفویض طلاق کی شرط ہے تو وہ بھی اگر اسلامی اصول اور قواعد فقہیہ کے تحت آتی ہو جب ہی معتبر ہوگی۔

مولانا عبد القیوم، مولانا عبد اللطیف، مولانا سلمان، مولانا محبوب فروغ، مولانا اختر

امام عادل، مولانا عبد الحیٔ، مولانا خورشید انور، اور مولانا عارف باللہ نے شوہر کی درخواست کو توکیل بالطلاق قرار دیتے ہوئے جج کی دی ہوئی طلاق کو درست اور نافذ مانا ہے، کیونکہ طلاق میں بھی غیر مسلم کو وکیل بنانا درست ہے، اور وکالت مقید بالمجلس بھی نہیں ہوتی، اور نہ وکیل کو ولایت حاصل ہوتی ہے، بلکہ توکیل استعانت ہے، مولانا عبد القیوم اور مولانا عبد اللطیف نے طلاق کے لئے کافر کو وکیل بنانے کی بابت "فتاویٰ عالمگیریہ" سے یہ جزئیہ تحریر کیا ہے، "ولو كان أحد الزوجين مسلما والوكيل (بالخلع على خمر أو خنزير) كافرا جاز الخلع ويبطل الجعل"، نیز مفتی عبد الرحیم نے عالمگیریہ سے ہی یہ عبارت نقل کی ہے: "ولو ارتد الوكيل والعياذ بالله كان على الوكالة"۔

مولانا شاہ جہاں ندوی تحکیم کو جج کے غیر مسلم ہونے کے سبب، تفویض مطلق کو مقید بالمجلس ہونے کے سبب، اور توکیل کو جج کے فیصلہ دینے میں خود مختار ہونے کے سبب درست نہیں مانتے، ان کا خیال ہے کہ درخواست کو مقید تفویض مانا جائے، جس کی وجہ سے جج کا اختیار ضابطہ کی کارروائی مکمل ہونے تک ممتد ہوگا، اور اس طرح جج کا فیصلہ طلاق درست ہوگا، مولانا محمد شعیب عمر صاحب کا مقالہ اس پر مبنی رہا کہ غیر مسلم ممالک میں مسلم اقلیت کی صورت حال ضرورت کے دائرہ میں آتی ہے، جماعت علماء کو اس پر غور کرنا چاہئے، انھوں نے فیصلہ یا درخواست کے متعلق کسی رائے کا تعین نہیں کیا۔

ان سبھی مقالہ نگار حضرات کی آراء کی تفصیل سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ شوہر کی درخواست کو تحکیم قرار دینا بھی لغو اور بے مقصد ہوگا، کیونکہ غیر مسلم کو حکم بنانا درست نہیں، اس کے فیصلہ کا کوئی اثر نہیں، تفویض اس لئے نہیں قرار دے سکتے کہ سوالنامہ میں مذکور الفاظ تفویض پر دلالت نہیں کرتے، نیز تفویض مجلس کے ساتھ مقید ہوتی ہے، اور توکیل بھی قرار دینا اس لئے موزوں نہیں کہ وکیل مؤکل کی مشیت کا پابند ہوتا ہے "الوكيل المطلوب منه الفعل شاء أو لم يشأ"، اور ضروری نہیں کہ جج ضابطہ کی کارروائی کے بعد طلاق ہی نافذ کرے، لہٰذا جب اس کی

یہ پوزیشن ہے کہ وہ اپنی صوابدید اور مشیت سے ہی فیصلہ کرے گا تو طلاق کا فیصلہ کرنے کی صورت میں ہمارے اس کو وکیل تصور کر لینے سے اس کی حیثیت وکیل کی نہیں ہو جائے گی، صورت حال مشکوک ہے اور ہدایہ کی عبارت ہے "لا تطلق بالشک و الإحتمال" لہذا صاف اور بے غبار صورت وہی ہے جس کی طرف بعض مقالہ نگار نے اشارہ کیا کہ اگر کوئی قانونی پیچیدگی اور مشکل شوہر کے خود طلاق دینے سے پیدا ہو سکتی ہے تو اولاً وہ عدالت سے طلاق دلوائے، اور پھر خود زبانی طور پر طلاق دیدے، اس کے طلاق دینے کی وجہ سے وہ عورت مطلقہ قرار پائے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر عقد نکاح کے وقت ہی ان غیر مسلم ممالک میں تفویض شرط ہو، اور نکاح بھی عدالت کے ذریعہ ہی ہو، جس میں جج کو تفویض طلاق کی شرط ہو اور شوہر نے اسے قبول کیا ہو، تو چونکہ مفوض إلیہ کا مسلمان ہونا شرط نہیں شوہر کی درخواست پر جج اپنی صوابدید سے طلاق دینے کا مالک ہوگا، اور اس کی دی ہوئی طلاق نافذ ہوگی۔

سوالنامہ میں مذکور دوسری صورت یہ ہے کہ عورت کی طرف سے عدالت میں درخواست آتی ہے کہ میرا رشتۂ نکاح ختم کر دیا جائے، عدالت، شوہر کو بلا کر دستخط لیتی ہے کہ جو فیصلہ ہوگا منظور کرنا ہوگا، اور کارروائی کے بعد علیحدگی کا فیصلہ کیا جاتا ہے، اس صورت حال کا کیا حکم ہوگا اور شوہر کے دستخط کی کیا حیثیت ہوگی؟ اس صورت میں مقالہ نگار کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ جج کا فیصلۂ طلاق معتبر اور نافذ ہوگا، اس کے قائلین میں مولانا اختر امام عادل اور مولانا ارشد شاداب نے لکھا ہے کہ دستخط کی حیثیت توکیل کی ہوگی، مفتی عبدالرحیم صاحب بھی توکیل کی ہی صورت قرار دیتے ہیں، اور مولانا محبوب فروغ نے یہ تفصیل کیا ہے کہ عورت کا دستخط خلع کے لئے توکیل اور شوہر کا دستخط توکیل بالطلاق پر دلالت کرتا ہے، اور بقول امام محمد رحمہ اللہ خلع میں بھی شخص واحد جانبین کا وکیل ہو سکتا ہے، مولانا عارف باللہ لکھتے ہیں کہ دستخط لینا تفویض طلاق پر اکراہ ہے جج کا فیصلۂ طلاق معتبر ہوگا "لأن الإکراہ لا یمنع صحۃ الإعتاق والطلاق" مولانا ابوبکر کی رائے ہے کہ شوہر کے بخوشی دستخط کے بعد جج کے فیصلۂ طلاق میں

دستخط کی حیثیت تحریری طلاق کی ہوگی، جبکہ مولانا نے پہلی صورت میں شوہر کے دستخط کو لایعنی عمل قرار دیا ہے، انھوں نے دلیل میں شامی کی عبارت "ولو قال أكتب طلاق امرأتي كان اقراراً بالطلاق وإن لم يكتب" پیش کیا ہے، مولانا کے اس قول اور دلیل کے پیش نظر تو عدالت طلاق کا فیصلہ کرے یا نہ کرے عورت مطلقہ ہوجائے گی، جیسا کہ "وإن لم يكتب" سے ظاہر ہے، اور مولانا محمد فاروق لکھتے ہیں کہ شوہر کا بخوشی دستخط کردینا اپنے رشتۂ ازدواج کا معاملہ بخوشی حاکم کے سپرد کردینا ہے اور یہی مطلب ہے امر باللہ کا اور اسی بنیاد پر انھوں نے جج کے فیصلہ کو معتبر قرار دیا ہے، جبکہ انہوں نے بھی پہلی صورت میں شوہر کی درخواست کو تحکیم کی صورت قرار دیکر جج کے فیصلہ کو غیر معتبر کہا ہے۔

مذکورہ دوسری صورت میں مقالہ نگار کی دوسری جماعت تفصیل کی قائل ہے، اگر شوہر نے کسی دباؤ کے بغیر اپنی رضامندی سے دستخط کیا ہے تو مولانا محمد اشرف اسے تفویض کی صورت، اور مولانا عبد اللطیف، مولانا سلمان اور مولانا خورشید انور اس کو توکیل کی صورت قرار دیتے ہوئے فیصلۂ طلاق معتبر اور نافذ مانتے ہیں، مولانا خورشید انور نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ اگرچہ بالجبر راضی ہوا ہو، نیز مولانا محمد اشرف بھی توکیل بالطلاق پر مجبور کیے جانے کی صورت میں کئے گئے دستخط کو توکیل کی صورت ہی قرار دیتے ہیں، ان حضرات نے بطور استشہاد شامی کی عبارت: "إذا أكره على التوكيل بالطلاق توكيل فطلق الوكيل فإنه يقع" کا ذکر کیا ہے۔

اور اگر شوہر نے بغیر رضامندی کے جبر واکراہ کے تحت دستخط کیا ہے، تو ان بھی حضرات کے نزدیک جج کا فیصلۂ طلاق معتبر نہ ہوگا، مولانا خورشید انور اور مولانا محمد اشرف نے "فلو اكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق، لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة" سے استدلال کیا ہے، اور مولانا سلمان نے خانیہ کے اس جزئیہ کو ذکر کیا ہے: "امرأة قالت لزوجها: أتريد أن أطلق نفسي؟ فقال: نعم، فقالت: طقت نفسي، إن كان الزوج نوى تفويض الطلاق إليها طلقت واحدة وإن عنى بذلک طلقي

نفسک إن استطعت لا تطلق"۔

عدالت میں عورت کی درخواست اور شوہر کے دستخط کی صورت میں تیسری جماعت اس کی قائل ہے کہ جج کے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے اس کے فیصلہ طلاق سے عورت مطلقہ نہیں ہوگی، مولانا محمد مصطفیٰ، مولانا محمد احسن اور مولانا محمد موسیٰ نے لکھا ہے کہ دستخط کی کوئی حیثیت نہیں، مولانا ابوسفیان صاحب نے عورت کے عدالت میں جانے کو اسکی حماقت سے تعبیر کیا ہے، مولانا کلیم اللہ نے بھی اس کے اس فعل کو درست نہیں کہا، وہ لکھتے ہیں کہ اسلامی تحریکات سے خلع حاصل کر کے پھر عدالت سے توثیق کرائے، مولانا صبیح اختر، مولانا رضوان الحسن، مولانا لطیف الرحمٰن، مولانا افتخار احمد، مولانا عبداللہ، مولانا عطاء اللہ، مولانا شیر علی، مولانا معز الدین اور مولانا ذکاء اللہ شبلی نے بھی جج کے غیر مسلم ہونے کے سبب اس کے فیصلہ کو غیر معتبر کہا ہے، مولانا انور علی اور مولانا اشتیاق احمد لکھتے ہیں: دستخط عموماً عدالتی دباؤ کے تحت ہونے کے سبب تفویض طلاق پر بھی محمول کرنا مشکل ہے، مولانا عبدالحیٔ، مولانا محمد اقبال اور خورشید احمد اعظمی نے اس صورت کو تحکیم کی شکل قرار دیا ہے اور "**لایجوز تحکیم الکافر**" کے تحت فیصلہ کو غیر معتبر کہا ہے، مولانا ظفر الاسلام صاحب لکھتے ہیں کہ دستخط کی حیثیت تفویض کی ہے، اسے تحکیم سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، مگر مولانا نے جج کے فیصلہ کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا۔

عارض مسئلہ کے نزدیک عورت کی درخواست اور شوہر کے دستخط کے بعد چونکہ یہ صورت "**تولیة الخصمین حاکما یحکم بینهما ورکنه النظم الدال علیه مع قبول الآخر ذلک**" نیز "**لیس المراد خصوص لفظ التحکیم**" کے تحت آتی ہے، لہٰذا صورت تحکیم کی ہے، لیکن اس کی شرط حکم کا مسلمان ہونا مفقود ہونے کی وجہ سے اس کا فیصلہ فرقت یا فسخ نکاح غیر معتبر ہوگا، سوالنامہ میں مذکور تیسری صورت یہ ہے کہ عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں نہیں آیا، یا آیا تو مگر دستخط وتفویض پر تیار نہیں ہوا، اور عدالت نے حالات کا جائزہ لیکر تفریق کا فیصلہ کردیا، تو اس کا کیا حکم ہوگا، جبکہ اسی صورت میں جو فیصلہ ہوا ہے اس کی

بابت شوہر کی طرف سے کوئی آمادگی نہیں ہے؟ اس کے جواب میں مولانا عارف باللہ لکھتے ہیں کہ اگر نکاح کے وقت قانوناً طلاق کی تفویض بھی کرنی ہوتی ہو تو قاضی کی تفریق معتبر ہوگی، مولانا ظفر الاسلام لکھتے ہیں کہ جج لالچی نہ ہو، شوہر متعنت ہو تو قضاء علی الغائب کی قبیل سے فیصلہ نافذ ہوگا۔

بقیہ تمام ہی مقالہ نگار نے اس صورت میں جج کے فیصلہ کو غیر معتبر قرار دیا ہے، مولانا اختر امام عادل اور مولانا سلمان نے لکھا ہے کہ عورت کو طلاق دینے کا حق نہیں ہے، لہٰذا وہ کسی کو اس کے لئے وکیل بھی نہیں بنا سکتی، مولانا خورشید انور صاحب نے بھی "**الطلاق بالرجال**" کا حوالہ دیا ہے، اور دیگر حضرات نے "**لاولایة لکافر علی مسلم**" اور "**الکافر لیس بأهل القضاء علی المسلم**" کے تحت غیر معتبر کہا ہے، مولانا شاہ جہاں ندوی نے معتبر اور نافذ نہ ماننے کے باوجود غیر مسلم ممالک میں مسلم اقلیتوں کے احوال کو ضرورت کے دائرہ میں شمار کرتے ہوئے، اس صورت میں شوہر کے اوپر طلاق کو لازم قرار دیا ہے، لیکن مولانا کی اس بات سے اس لئے اتفاق نہیں کیا جاسکتا کہ ان ممالک میں شرعی پنچایتیں اس ضرورت کو پورا کرسکتی ہیں، نیز اگر عورت سخت مجبوریوں کے تحت تفریق چاہتی ہے تو فسخ نکاح کے پر پیچ راستہ کی طرف قدم بڑھانے سے پہلے اس کے سامنے خلع کا راستہ بھی موجود ہے، اور فسخ سے پہلے اس کی کوشش بھی لازم ہے۔

سوالنامہ میں مذکور چوتھی صورت یہ ہے کہ جج اگر چہ غیر مسلم حکومت اور غیر مسلم عدالت کا ہے، مگر مسلمان ہے وہ اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت اس قسم کا کام بھی کرتا ہے، تو کیا اس کو مسلم حاکم وقاضی کی حیثیت دی جاسکتی ہے، اور اس حیثیت سے اس کے فیصلہ فرقت کا اعتبار کیا جاسکتا ہے؟

جواب میں مولانا کلیم اللہ عمری لکھتے ہیں کہ اسے مسلمان حاکم یا قاضی کی حیثیت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ وہ غیر مسلم عدالت کا کل پرزہ ہے، مولانا محمد اشرف اور مولانا شاہ جہاں بھی اس مسلمان جج کو مسلم قاضی وحاکم کی حیثیت نہیں دیتے، لیکن اس کا فیصلہ اسلامی شریعت کے مطابق

ہوتو معتبر مانتے ہیں، مولانا سلمان ضرورۃً اسے مسلمان قاضی کے قائم مقام مانتے ہیں، مولانا عارف باللہ اور مولانا ابوبکر اس شرط کے ساتھ قائم مقام مانتے ہیں کہ اسے شریعت کے مطابق فیصلہ کا اختیار رہو، مولانا انور علی، مولانا اشتیاق احمد اور مولانا رضوان الحسن نے شرط کی وضاحت کی ہے کہ وہ شرعی احکام سے واقف ہو اور اسکے مطابق فیصلہ کرے تو قائم مقام ہوسکتا ہے، ان کے علاوہ دیگر بھی مقالہ نگار نے بھی اسے مسلم قاضی یا حاکم کی حیثیت دی ہے، اس کا فیصلہ شریعت کے مطابق ہو تو معتبر ہوگا، بھی حضرات درمختار کی عبارت "**ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافراً**" سے استدلال کیا ہے۔ مولانا خورشید انور نے "امداد الفتاوی" سے نقل کیا ہے کہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ سے دریافت کیا گیا کہ جن مسائل میں قضا اور قاضی کی ضرورت ہے ان میں انگریزی عدالت کا حکم و فیصلہ وہی حکم رکھتا ہے یا نہیں تو آپ نے جواب دیا کہ اگر صاحب اجلاس مسلم ہو وہ شرعاً قاضی ہے، نیز مفتی عبدالرحیم صاحب کے ایک فتوی میں بھی مذکور ہے کہ جہاں شرعی قاضی نہ ہو اور مسلمان جج کو گورنمنٹ نے اس جیسے مقدمات کا شرعی فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہو اور وہ مسلم مجسٹریٹ شریعت کے مطابق فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہوجاتا ہے (فتاوی رحیمیہ ۸/۴۰۴)۔

اکیڈمی نے اخیر میں اس بابت کچھ وضاحت طلب کی ہے کہ غیر مسلم عدالتیں اور حکام کس حد تک مسلمانوں کے معاملات میں فیصلے کرسکتے ہیں، یا کس حد تک ان کے فیصلوں کا اعتبار مسلمان کرسکتے ہیں۔

جواب میں مولانا کلیم اللہ عمری لکھتے ہیں کہ فیصلے اسلام کے مطابق ہوں جن کی توثیق مستند علماء سے ہو تو قابل قبول ہوں گے، مولانا محمد اقبال قاسمی لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے کسی بھی معاملہ کا فیصلہ نہیں کرسکتے، مولانا محبوب فروغ اور مولانا خورشید انور کی رائے ہے کہ وہ امور جن میں وکیل بنانا جائز ہے غیر مسلم عدالت کا فیصلہ نافذ ہوگا مولانا محمد احسن، مولانا ابوسفیان اور مولانا شیر علی صاحبان نے لکھا ہے کہ امور دینویہ میں ان کے فیصلے شریعت کے مطابق ہوں گے تو قبول

ہوں گے،شرعی معاملات میں ان کے فیصلے معتبر نہیں ہوں گے،مولانا انور علی،مولانا اشتیاق احمد اور مولانا شاہ جہاں نے لکھا ہے جرائم اور مالیاتی امور میں جو فیصلے شریعت سے متصادم نہ ہوں قبول ہوں گے،مولانا عبد القیوم،مولانا صبیح اختر،مولانا سلمان،مولانا محمد مصطفیٰ،مولانا لطیف الرحمٰن،مولانا عبید اللہ،مولانا ظفر الاسلام،مولانا عبد الحیٔ،مفتی عبد الرحیم اور خورشید احمد اعظمی کی رائے ہے کہ وہ امور و معاملات جو مسلمانوں کے ساتھ باہم خاص ہیں،دینی وعائلی مسائل ان میں غیر مسلم عدالت کا فیصلہ معتبر نہیں ہوگا،اسی مفہوم کو مولانا ابوبکر،مولانا ارشد شاداب،اور مولانا محمد موسیٰ نے اس انداز سے پیش کیا ہے کہ وہ امور جن میں قضاء قاضی ضروری ہے ان میں غیر مسلم عدالت کا فیصلہ معتبر نہیں ہوگا، دنیاوی امور جن میں قضاء قاضی ضروری نہیں ان میں غیر مسلم عدالتوں کا فیصلہ قبول کیا جاسکتا ہے۔مولانا افتخار احمد،مولانا رضوان الحسن،مولانا محمد فاروق، مولانا عبد اللطیف،مولانا معز الدین،مولانا محمد عمر شعیب اور مولانا ذکاء اللہ شبلی نے سوالنامہ کی اس شق سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

اور عرض مسئلہ کے آخر میں پھر اسی بات کا اعادہ،کہ غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کو اپنے علاقوں میں شرعی پنچایتیں قائم کر کے ان ہی کے ذریعہ اپنے مسائل کا حل طلب کرنا چاہئے، اور امید تو یہی ہے کہ ہر ایسے ملک میں بسنے والے مسلمان اپنی اس ذمہ داری سے غافل نہیں ہوں گے،جیسا کہ برطانیہ کے بارے میں ۱۲/جولائی ۲۰۰۹ء کے راشٹریہ سہارا اردو میں ایک خبر اس عنوان سے شائع ہوئی ہے کہ ”برطانیہ میں غیر مسلم بھی شرعی عدالت کی پناہ میں“نیز رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ سے شائع ہونے والے صحیفہ اسبوعیہ ”العالم الاسلامی“ کے ۱۰/اگست ۲۰۰۹ء کے شمارہ میں بھی اس عنوان سے ایک خبر شائع ہوئی ہے:**”في بريطانيا غير المسلمين يفضلون المحاكم الإسلامية“** اس خبر کی تفصیل میں یہ بھی مذکور ہے کہ برطانیہ میں تقریباً ۸۵ شرعی پنچایتیں کام کر رہی ہیں،جن کی طرف اپنے مسائل کے حل کے لئے رجوع کرنے والے غیر مسلمین کی تعداد ۵ فیصد سے کم نہیں ہے۔

جدید فقہی تحقیقات

دوسرا باب

تفصیلی مقالات

غیر مسلم ممالک کی عدالتوں سے طلاق کے فیصلے

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ☆

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمان اقلیتوں کے لئے ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ عدالتی فیصلوں کا حکم ان کے لئے کیا ہوگا؟ اس سلسلہ میں چند باتیں قابل غور ہیں :

۱- کیا غیر مسلم مسلمانوں کے معاملہ میں شرعاً قاضی ہوسکتا ہے؟

۲- اگر غیر مسلم حکومت کی طرف سے مسلمان قاضی مقرر کیا جائے تو مسلمانوں کے حق میں اس کے فیصلہ کی حیثیت کیا ہوگی؟

۳- کیا غیر مسلم دو مسلمانوں کے درمیان حکم بن سکتا ہے؟

۴- کیا غیر مسلم ایسے معاملات میں مسلمانوں کا وکیل بن سکتا ہے جو خالص شرعی نوعیت کے ہوں؟

۵- اگر غیر مسلم قاضی نہیں ہوسکتا ہے تو تمام معاملات میں یا کچھ مخصوص معاملات میں؟

غیر مسلم جج:

۱- بنیادی طور پر ہر انسان کو اپنے معاملات میں خود ہی تصرف کرنے کا حق حاصل ہے، اسی لئے تمام عقود میں تراضی کو ضروری قرار دیا گیا ہے اور تمام فسوخ میں بھی طرفین کی رضامندی

☆　جنرل سکریٹری، اسلامک فقہ اکیڈمی و ناظم المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد۔

ضروری ہے، سوائے اس صورت کے جس میں شریعت نے کسی ایک فریق کو ایک طرفہ طور پر اس معاملہ کے فسخ کرنے کا اختیار دیا ہو؛ البتہ جب کسی نقص کی وجہ سے وہ قوت فیصلہ سے محروم ہوتا ہے تو وہ بذات خود تصرف نہیں کرسکتا؛ جیسے نابالغ، مجنون اور سفیہ، سفیہ بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پچیس سال کی عمر ہونے کے بعد تصرف کا مجاز ہوجاتا ہے؛ لیکن جمہور کے نزدیک جب تک اس کا شعور پختہ نہ ہوجائے اور سفاہت کی کیفیت ختم نہ ہوجائے، وہ مسلوب الاختیار رہتا ہے (دیکھئے: ردالمحتار مع الدرالمختار، کتاب الحجر: ۹/ ۲۱۸-۲۱۹، ط: دیوبند) اور اس کا عقد یا فسخ معتبر نہیں ہوتا ہے، اسی طرح بعض اوقات مفاد عامہ کے تحت حکومت کو بعض لوگوں کے اختیارات سلب کرلینے کا حق حاصل ہوتا ہے: جیسے مفتی ماجن اور طبیب جاہل (دیکھئے: ردالمحتار مع الدرالمختار، کتاب الحجر: ۹/ ۲۱۴-۲۱۵، مع تحقیق عادل، واحد) مفتی ماجن (آوارہ خیال مفتی) کے اختیارات اس لئے سلب کرلئے جاتے ہیں کہ اس کا تصرف دینی اعتبار سے لوگوں کے لئے نقصاندہ ہوسکتا ہے، اور طبیب جاہل کے اختیارات اس لئے سلب کرلئے جاتے ہیں کہ اس کی وجہ سے لوگوں کی صحت اور زندگی کو ضرر پہنچ سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص تصرف کرنے کا اختیار نہ رکھتا ہو یا رکھتا ہو؛ لیکن اس کا صحیح استعمال نہ کرتا ہو تو افراد اور سماج کے مفادات کے تحفظ کے لئے شریعت حقِ تصرف دوسروں کی طرف منتقل کرتی ہے، اسی کو فقہ کی اصطلاح میں 'ولایت' کہتے ہیں؛ چنانچہ ولایت کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

"الولاية تنفيذ القول على الغير" (الدرالمختار ۲/ ۱۹۱، نیز تفصیل کے لئے دیکھئے: کتاب التعریفات، ص ۲۸۲)۔

(ولایت دوسرے پر اپنی رائے کو نافذ کرنا ہے)۔

ولایت کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں: ولایت خاصہ اور ولایت عامہ۔

ایک شخص کو دوسرے شخص کی ذات یا املاک میں تصرف کا جو حق حاصل ہوتا ہے، وہ ولایت خاصہ ہے: جیسے لڑکوں پر باپ کی ولایت اور باپ موجود نہ ہوں تو دادا یا دوسرے قریبی

رشتہ داروں کی ولایت ۔

ولایت عامہ: ایسی ولایت ہے جو کسی شخص کے ذمہ دار ہونے کی حیثیت سے اس کو عام مسلمانوں اور ملک کے باشندوں پر حاصل ہو، جیسے امیر اور قاضی کی ولایت، امیر کے احکام جو عام مسلمانوں پر واجب الطاعت ہیں اور قاضی کے فیصلے جو فریقین کے لئے قابل نفاذ ہیں، اس کی بنیاد یہی 'ولایت عامہ' ہے ۔

ولایت کے سلسلہ میں اُصول یہ ہے کہ مسلمانوں پر کافر کو ولایت حاصل نہیں ہوسکتی ؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً" (النساء: ۱۴۱)، نیز فرمایا گیا: "والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض" (التوبۃ: ۷۱)، اسی طرح فرمایا گیا: "لا يتخذ المؤمنون الكافرين أولياء من دون المؤمنين" (آل عمران: ۲۸)، اسی بنیاد پر اُمت کا اجماع ہے کہ اگر اولاد مسلمان ہو اور باپ کافر ہو تو والد کو اپنے مسلمان بیٹے پر ولایت حاصل نہیں ہوگی ؛ چنانچہ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں :

"لا ولاية للكافر على المسلم ؛ لأنه لا ميراث بينهما " (بدائع الصنائع: ۲/ ۵۰۰)۔

اسی سلسلہ میں علامہ ابن قدامہؒ رقمطراز ہیں :

"...... فلا يثبت لكافر ولاية على مسلمة ، وهو قول عامة أهل العلم أيضاً، قال ابن المنذر : أجمع عامة من نحفظ عنه من أهل العلم على هذا " (المغنی / ۹/ ۳٦۷)۔

(...... کافر کو مسلمان عورت پر ولایت حاصل نہیں ہوسکتی اور یہی اکثر اہل علم کا قول ہے، علامہ ابن منذر کہتے ہیں کہ میں جن اہل علم کی آراء سے واقف ہوں وہ قریب قریب اس پر متفق ہیں)۔

قاضی کو بھی مسلمانوں پر ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے اور وہ اسی حیثیت سے نکاح فسخ

کرتا ہے؛ کیوں کہ شوہر پر یہ بات واجب ہے کہ یا تو بیوی کے حقوق ادا کرتے ہوئے اسے رکھے یا پھر بہتر طریقہ پر اسے چھوڑ دے "**امساک بمعروف أو تسریح باحسان**" (البقرۃ:۲۲۹)، اگر شوہر امساک بالمعروف بھی نہیں کرتا اور تسریح بالاحسان بھی نہیں، تو یہ ظلم کا ارتکاب اور عورتوں کو ضرر میں مبتلا کرنا ہے اور دفع ضرر قاضی کا فریضہ ہے، لہٰذا اسے جو ولایت عامہ حاصل تھی، اسی حیثیت سے وہ اس مرد کی طرف سے تفریق کر دیتا ہے؛ چنانچہ غیر مسلم کو چوں کہ مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں، اس لئے فقہاء اس بات پر قریب قریب متفق ہیں کہ غیر مسلم مسلمانوں پر قاضی نہیں ہوسکتا۔

فقہاء حنفیہ میں عیسیٰ بن عثمان غُزی فرماتے ہیں:

"...... **فلا تصح ولایة الکافر فی ذلک ، لأن القضاء ولایة ولا ولایة لکافر علی مسلم فی أدنی الولایات فکیف بولایة القضاء التی هی أعلی الولایات بمقتضی تطبیق شرع الله وتنفیذ أحکامه ، قال تعالیٰ : "ولن یجعل الله للکافرین علی المؤمنین سبیلا"** (ادب القضاء للغزی:۱۵، النساء:۱۵)۔

(...... اس سلسلے میں کافر کی ولایت صحیح نہیں ہوگی، اس لئے کہ قضاء ولایت ہے اور کافر کو مسلمان پر معمولی درجہ کی ولایت ہی حاصل نہیں ہوسکتی، چہ جائیکہ ولایت قضاء کہ وہ تو سب سے اعلیٰ درجہ کی ولایت ہے، اس لئے کہ وہ اللہ کی شریعت کو نافذ کرتا ہے اور اس کے احکام کو منطبق کرتا ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مسلمانوں پر اختیار نہیں ہے)۔

نیز علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

"...... **وبه علم أن تقلید الکافر صحیح وإن لم یصح قضاءه علی المسلم حال کفره** " (رد المحتار:۸/۲۴)۔

(...... اس سے معلوم ہوا کہ کافر کو قاضی مقرر کرنا درست ہے؛ اگرچہ کہ حالت کفر میں مسلمان کے خلاف اس کا فیصلہ درست نہیں؛ البتہ غیر مسلموں پر اس کا فیصلہ نافذ ہوسکتا ہے)۔

یہی نقطۂ نظر فقہاء مالکیہ کا ہے؛ کیوں کہ شہادت کا درجہ قضاء سے کم تر ہے اور مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ مسلمانوں کے معاملہ میں یہود و نصاریٰ کی شہادت معتبر نہیں :

"ولا تجوز شهادة اليهود ولا النصراني فيما بين المسلمين حتى يسلموا" (المدونۃ الکبریٰ ۸۱/۴)۔

اسی کے قائل شوافع ہیں :

"فلا يجوز أن يكون كافراً ولا فاسقاً ؛ فإن تولى القضاء وهو عدل ثم فسق ...... بطلت ولايته " (البیان ۲۰/۱۳، ط: دار المنہاج)۔

(کافر اور فاسق قاضی نہیں ہوسکتا ، اگر اسے قضاء کا عہدہ سونپا گیا ؛ جب کہ وہ عادل تھا پھر فاسق ہوگیا ..... تو اس کی ولایت باطل ہوگئی)۔

فقہ حنبلی کے ترجمان علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں :

"ولا يولى قاضي حتى يكون بالغاً مسلماً حراً عدلاً" (المغنی ۱۲/۱۴)۔

(بالغ مسلمان آزاد اور عادل شخص کو ہی قاضی مقرر کیا جاسکتا ہے)۔

غرض کہ قریب قریب فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمانوں پر غیر مسلم قاضی نہیں ہوسکتا ہے، اور قاضی کے لئے مسلمان ہونے کی شرط اس بات کو شامل ہے کہ غیر مسلم قاضی کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں معتبر نہیں۔

غیر مسلم حکومت کی طرف سے مسلمان قاضی:

۲- اگر غیر مسلم حکومت کی طرف سے مسلمانوں کے مسائل کے لئے مسلمان قاضی مقرر کیا جائے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں؟ ---اس سلسلہ میں فقہاء کی صراحت موجود ہے کہ غیر مسلم حکومت کے مقرر کیے ہوئے مسلمان قاضی کا فیصلہ بھی شرعاً معتبر ہے؛ چنانچہ علامہ علاء الدین حصکفیؒ فرماتے ہیں :

"ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو كافراً" (الدر المختار مع

الرد:۸/۴۳)،قوله : (ولو کا فراً) في التا تار خانيه : الإسلام ليس بشرط فيه : أي في السلطان الذی يقلد" (ردالمحتار ۸/۴۳)۔

(سلطان عادل ہو یا ظالم؛اگر چہ کہ کافر ہو پھر بھی اس کی طرف سے قاضی مقرر کرنا جائز ہے..... تا تارخانیہ میں ہے: کہ جو سلطان قاضی مقرر کر رہا ہے،اس کا مسلمان ہونا ضروری نہیں)۔

نیز ابن قاضی سماوہ فرماتے ہیں :

"وكل مصر فيه وال مسلم من جهة الكفار تجوز فيه إقامة الجمعة والأعياد ، وأخذ الخراج وتقليد القضاء وتزويج الأيامى لاستيلاء المسلم عليهم ، وأما طاعة الكفرة فهي موادعة ومخادعة " (جامع الفصولین ۱/۱۴، ط: کتب خانہ کراچی)۔

(جن شہروں میں غیر مسلموں کی جانب سے مسلمان والی مقرر ہوں،ان میں جمعہ وعیدین قائم کرنا ،خراج وصول کرنا ،قاضی مقرر کرنا ،جن کے اولیاء نہ ہوں ان کا نکاح کرنا درست ہے؛ کیوں کہ مسلمانوں پر ایک مسلمان ہی کو حاکمانہ حیثیت حاصل ہے،رہ گیا کافروں کی اطاعت کرنا تو وہ بہ طور صلح اور حیلہ کے ہے)۔

اس سلسلہ میں فقہاء احناف کی کتابوں میں زیادہ صراحت ملتی ہے؛ لیکن دوسرے فقہاء کے اصول وقواعد کے لحاظ سے یہی نقطۂ نظر ان کا بھی ہونا چاہئے،---غرض کہ غیر مسلم حکومت کا مقرر کیا ہوا مسلمان قاضی یا مجسٹریٹ اگر فیصلہ کرے تو مسلمانوں کے حق میں اس کا فیصلہ معتبر ہوگا۔

غیر مسلم بحیثیت حکم:

۳- کیا غیر مسلم مسلمانوں کے درمیان حکم ہو سکتے ہیں؟---اس سلسلہ میں فقہا ء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جو شخص قاضی بننے کا اہل ہو،وہی حکم بھی ہو سکتا ہے؛ چنانچہ "الموسوعۃ الفقہیۃ" میں ہے:

"...... أن يكون أهلاً لولاية القضاء ، وعلى ذلك إتفاق المذاهب الأربعة ، على خلاف فيما بينهما في تحديد عناصر تلك الأهلية " (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۸/ ۲۳۷)۔

(...... حکم بننے کے لئے ضروری ہے کہ وہ قاضی ہونے کا اہل ہو، اس پر مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے؛ البتہ خود اہلیت قضاء کے لئے کیا شرطیں ہیں؟ اس کی تحدید میں اختلاف ہے)۔

اور فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمان ہی قضاء کا اہل ہوسکتا ہے، غیر مسلم اس کا اہل نہیں ہوسکتا (دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ ۳۳/ ۲۹۱-۹۳، اہلیۃ القضاء)؛ چنانچہ فقہاء نے خود تحکیم کے مسئلہ میں بھی اس کی صراحت کی ہے، فقہاء حنفیہ میں علامہ ظہیر الدین مرغینانی فرماتے ہیں :

"ولا يجوز تحكيم الكافر ...... لانعدام أهلية القضاء اعتباراً بأهلية الشهادة" (ہدایہ ۳/ ۱۵۱، نیز دیکھئے: فتح القدیر ۷/ ۹۶، باب التحکیم، رد المحتار ۸/ ۱۲۴، کتاب القضاء)۔

(کافر کو حکم بنانا جائز نہیں ...... اس لئے کہ وہ قاضی بننے کا اہل نہیں، گواہ بننے کی اہلیت پر قیاس کا تقاضا یہی ہے)۔

...... علامہ داماد آفندی نے بھی اس کی صراحت کی ہے :

"فلو حكما عبداً أو صبياً أو ذمياً ...... لم يصح " (مجمع الأنہر ۱/ ۱۷۳)۔

(اگر دونوں فریق کسی غلام یا نابالغ یا کسی ذمی کو حکم بنا دیں ...... تو درست نہیں)۔

علامہ دسوقی مالکیؒ کا بیان ہے :

"وجاز ...... تحكيم رجل غير خصم ...... وغير جاهل وكافر ...... فإذا حكما خصماً أو جاهلاً أو كافراً لم ينفذ حكمه " (حاشیۃ الدسوقی ۶/ ۱۲-۱۳)۔

(ایسے شخص کو حکم بنانا جائز ہے جو فریق نہ ہو، جاہل اور کافر نہ ہو، اگر کسی فریق کو، جاہل یا کافر شخص کو حکم بنا دیا تو اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا)۔

گویا کہ حکم کو بھی ان لوگوں پر ولایت حاصل ہوتی ہے، جنھوں نے اس کو حکم بنایا ہو اور

غیر مسلم کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں ہوسکتی ؛ اس لئے فقہاء کا نقطۂ نظر ہے کہ غیر مسلم، مسلمانوں کے مسائل میں حکم بھی نہیں بن سکتا۔

طلاق کے لئے غیر مسلم کو وکیل بنانا:

۴- جہاں تک غیر مسلموں کو طلاق کے مسئلہ میں وکیل بنانے کی بات ہے تو فقہاء حنفیہ کے یہاں صراحت ملتی ہے کہ وکیل کے لئے صرف عاقل ہونا ضروری ہے، اور علامہ کاسانیؒ نے صراحت کی ہے کہ اگر کسی شخص کو وکیل بنایا گیا اور پھر وہ مرتد ہوگیا تو باوجود ارتداد کے وکالت ختم نہیں ہوگی:

"وأما الذی یرجع إلی الوکیل فهو أن یکون عاقلاً فلا تصح وکالة المجنون والصبی الذی لا یعقل ...... وکذا ردة الوکیل لا تمنع صحة الوکالة فتجوز وکالة المرتد" (بدائع الصنائع ۱۶/۵)۔

(وکیل سے متعلق شرطوں میں سے یہ ہے کہ وہ عاقل ہو؛ لہٰذا مجنون اور بے شعور بچے کی وکالت صحیح نہیں ہوگی، اس طرح وکیل کا مرتد ہوجانا وکالت کے صحیح ہونے میں مانع نہیں ہے)۔

نیز کن چیزوں میں وکیل بنایا جاسکتا ہے؟ اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں:

"ویجوز التوکیل بالصلح والإبراء، ویجوز بالطلاق والعتاق والإجارة والإستئجار الخ" (بدائع الصنائع ۲۰/۵)۔

(لہٰذا مرتد کو بھی وکیل بنانا جائز ہے اور صلح کرنے کا، بری کرنے کا، طلاق دینے کا، آزاد کرنے کا، کرایہ پر دینے کا اور کرایہ پر لینے کا وکیل بنایا جاسکتا ہے)۔

کسی غیر مسلم کو مسلمان عورت کو طلاق دینے کے لئے وکیل بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ فقہاء شوافع کے یہاں اس سلسلہ میں دو اقوال ہیں؛ لیکن راجح یہی ہے کہ وکیل بنایا جاسکتا ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں:

"...... فإن وکله فی طلاق مسلمة، فوجهان ؛ لأنہ لا یملک طلاق

مسلمة ؛ لكن يملك طلاقاً في الجملة "(روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین،کتاب الوکالۃ ۴/ ۳۰۰)۔

(......اگر کسی غیر مسلم کو مسلمان عورت پر طلاق واقع کرنے کا وکیل بنایا تو اس سلسلے میں دو قول ہے، اس لئے کہ اگر چہ وہ مسلمان عورت کو طلاق دینے کا مالک نہیں ہے؛ لیکن فی الجملہ طلاق دینے کا مالک تو ہے)۔

اسی طرح علامہ شربینی رقمطراز ہیں :

"...... توكيل المسلم كافراً في طلاق المسلمة ، وقد يتصور وقوع طلاق كافر على مسلمة بأن تسلم أولاً ويتخلف ثم يطلقها في العدة ثم يسلم قبل انقضائها فإن طلاقه واقع عليها" (مغنی المحتاج ۲/ ۲۱۹،کتاب الوکالۃ)۔

(......کسی مسلمان عورت پر طلاق واقع کرنے کے سلسلے میں مسلمان کافر کو وکیل بنا سکتا ہے اور کسی کافر کے مسلمان عورت پر طلاق کا واقع کرنا فی الجملہ متصور ہے، اس طور پر کہ عورت پہلے مسلمان ہو جائے اور شوہر مسلمان ہونے میں دیر کرے، پھر عدت میں اسے طلاق دیدے، پھر عدت کے گذرنے سے پہلے وہ اسلام قبول کرلے تو اب اس کی حالت کفر کی یہ طلاق عورت پر واقع ہو جائے گی)۔

یہی رائے فقہاء حنابلہ کی بھی ہے کہ غیر مسلم کو وکیل بنایا جا سکتا ہے :

"صح أن يوكل فيه رجلاً كان أو إمرأة حراً أو عبداً مسلماً أو كافراً "(الشرح الکبیر مع الانصاف: ۱۳/ ۴۴۰)۔

(یہ درست ہے کہ (جن اُمور میں وہ خود تصرف کرسکتا ہے اور اس میں نیابت کی بھی گنجائش ہو، کے سلسلے میں) کسی شخص کو وکیل بنائے ، خواہ وہ مرد ہو یا عورت ، آزاد ہو یا غلام ، مسلمان ہو یا کافر)۔

البتہ ان کے یہاں ضروری ہے کہ جس چیز کا وکیل بنایا جا رہا ہو، وکیل کا بذات خود بھی اس قسم کا تصرف صحیح ہو، نیز شرعاً اس میں نیابت درست ہو :

"وكل من صح تصرفه في شئ بنفسه ومما تدخله النيابة صح أن يؤكل فيه رجلاً كان أو امرأة ، حراً كان أو عبداً ، مسلماً كان أو كافراً ...... لا يصح أن يؤكل فيه كالمرأة في عقد النكاح وقبوله والكافر في تزويج مسلمة" (المغنی ۷/ ۱۹۷-۱۹۸)۔

(جس چیز میں کوئی شخص خود تصرف کرسکتا ہو، نیز اس میں نیابت کی گنجائش ہے تو اس میں اس کا کسی مرد یا عورت، آزاد یا غلام اور مسلمان یا کافر کو وکیل بنانا درست ہے ..... چنانچہ نکاح کے کرنے اور اس کے قبول کرنے میں عورت کو اور کسی مسلمان عورت کا نکاح کرنے میں کافر کو ولی نہیں بنایا جاسکتا)۔

اب اگر علامہ شربینیؒ کی اس تشریح کو قبول کرلیا جائے --- جو اوپر گذری ہے کہ فی الجملہ مسلمان عورتوں پر کافر کی طلاق کا واقع ہونا ممکن ہے --- تو پھر حنابلہ کی رائے بھی یہی قرار پائے گی کہ غیر مسلم کو طلاق کا وکیل بنایا جاسکتا ہے؛ البتہ مالکیہ کے نزدیک غیر مسلم کو طلاق کا وکیل نہیں بنایا جاسکتا ہے :

"ومنع توكيل كافر وهو أعم من الذمي" (الشرح الصغیر ۳/ ۵۱۱)۔

(کافر کو وکیل بنانے کی ممانعت ہے اور کافر کا لفظ ذمی سے عام ہے، یعنی ذمی اور حربی دونوں کو شامل ہے)۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک غیر مسلم کو مسلمان عورت پر طلاق واقع کرنے کے لئے وکیل بنایا جاسکتا ہے۔

کن معاملات میں غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر ہے اور کن میں نہیں؟

۵- غیر مسلم ممالک کی عدلیہ کے کونسے فیصلے مسلمانوں کے حق میں معتبر ہوں گے اور کونسے نہیں؟ --- اس سلسلہ میں جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ بنیادی طور پر یہ فیصلے دو قسم کے ہوسکتے ہیں :

(الف) وہ معاملات جن کے لئے سبب شرعی کا پایا جانا کافی ہے، قضاء قاضی ضروری نہیں ہے، ایسے معاملات میں اگر شریعت میں معتبر ثبوت کے بنیاد پر عدالت فیصلہ کردے تو وہ قابل نفاذ ہوگا؛ جیسے ورثہ کا حقِ میراث مورث کی موت کی وجہ سے ترکہ میں ثابت ہو چکا ہے، عدالت نے شرعی ہدایت کے مطابق ترکہ تقسیم کردیا، یا خریدار کی ملکیت مبیع پر عقد بیع کی وجہ سے ثابت ہوچکی ہے، بائع قبضہ نہیں دے رہا تھا، عدالت نے فیصلہ دیا کہ بائع خریدار کو وہ شئی حوالہ کردے تو یہاں ورثہ یا خریدار کے حقوق پہلے سے ثابت تھے، قاضی کے فیصلہ کی وجہ سے ثابت ہوا ہو، ایسا نہیں ہے، ایسے معاملات میں عدالت کا فیصلہ معتبر ہوگا۔

(ب) دوسرے قسم کے معاملات وہ ہیں جن میں محض سبب کا پایا جانا کافی نہیں؛ بلکہ اس کے لئے قاضی کا فیصلہ ضروری ہے، جیسے فسخ نکاح، ایسے مقدمات میں غیر مسلم جج کا فیصلہ کافی نہیں۔

تطبیقات:

ان توضیحات کی روشنی میں راقم الحروف اس نتیجہ پر پہنچا ہے:

۱- اگر کوئی مسلمان مرد عدالت سے رُجوع ہو کہ اس پر طلاق واقع کردی جائے تو یہ اس کی طرف سے طلاق کے لئے عدالت کو وکیل بنانا ہوگا اور غیر مسلم کو وکیل بنایا جاسکتا ہے؛ اس لئے اس صورت میں طلاق واقع ہوجائے گی۔

۲- اگر عورت کی طرف سے طلاق کا مقدمہ دائر ہو، عدالت نے طلاق کا فیصلہ کیا اور شوہر کو طلب کرکے اس کا اس پر دستخط لے لیا گیا تب بھی طلاق واقع ہوجائے گی؛ کیوں کہ یہ طلاق نامہ پر دستخط کرانے کے حکم میں ہوگا۔

۳- اگر عورت نے طلاق کا دعویٰ دائر کیا اور شوہر نے اپنے بیان تحریری میں لکھا کہ عدالت اس کے دعویٰ کو قبول کرسکتی ہے تو یہ بھی اس کی طرف سے توکیل طلاق ہوگی اور عدالت کا طلاق کے سلسلہ میں فیصلہ کرنا معتبر ہوگا۔

۴- اگر عورت نے طلاق کا دعویٰ کیا اور شوہر نے جواب میں عدالت سے کہا کہ وہ اس سلسلہ میں جو کچھ بھی کرنا چاہے، کرسکتی ہے، مجھے قبول و منظور ہوگا تو یہ بھی **السوال معاد في الجواب** کے تحت طلاق کی توکیل سمجھی جائے گی اور عدالت کا طلاق دینا معتبر ہوگا۔

۵- اگر بیوی نے طلاق کا مقدمہ دائر کیا، شوہر نے جواب نہیں دیا اور رفع الزام سے اعراض کی بناء پر طلاق کا فیصلہ کیا گیا، یا شوہر نے طلاق دینے سے انکار کیا، اس کے باوجود عدالت نے طلاق واقع کردی تو اس صورت میں عدالت کی طرف سے واقع کی جانے والی طلاق شرعاً معتبر نہیں ہوگی؛ کیوں کہ غیر مسلم قاضی نہیں ہوسکتا اور قاضی ہی فسخِ نکاح کرسکتا ہے۔

٦- اگر میاں بیوی کے درمیان نزاع پیدا ہوئی، دونوں مل کر عدالت گئے اور عدالت سے طالب ہوئے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کردے، عدالت نے ان کے معاملات سن کر اپنے طور پر فیصلہ کردیا تو اس صورت میں بھی طلاق واقع نہیں ہوگی؛ کیوں کہ غیر مسلم کو حَکَم بنانا درست نہیں؛ البتہ عدالت کے فیصلہ کے بعد اگر شوہر کہتا ہے کہ میں نے اسے قبول کیا تو اب طلاق واقع ہوجائے گی؛ کیوں کہ اگر کوئی فضولی کسی سے کہے کہ میں نے تمہاری طرف سے تمہاری بیوی پر طلاق واقع کردی ہے اور شوہر نے کہا کہ میں نے اسے جائز قرار دیا تو طلاق واقع ہوجائے گی۔

چند تجویزیں:

ان حالات میں غیر مسلم ممالک کے مسلمانوں کے لئے بہ طور لائحۂ عمل کے تین باتیں اہم ہیں:

۱- مسلمانوں کو حکومتوں سے مطالبہ کرنا چاہئے کہ وہ مسلمانوں کے لئے الگ مسلمان قاضی یا مسلمان مجسٹریٹ کا تقرر کرے جو آئینی مسائل سے متعلق مقدمات میں فیصلے کیا کرے؛ تاکہ مسلمان آزادی کے ساتھ اپنے مذہب پر عمل کرسکیں؛ کیوں کہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ غیر مسلم حکومت کی طرف سے مقرر کیا ہوا مسلمان والی مسلمانوں کے مذہبی اُمور کو طے کرسکتا ہے:

”وكل مصر فيه وال مسلم من جهة الكفار تجوز فيه إقامة الجمعة

والأعیاد ...... وتقلید القضاء وتزویج الأیامی "(جامع الفصولین ۱/۱۴)۔

چنانچہ اس وقت ماریشس میں یہی نظام قائم ہے اور ہندوستان میں بھی قدیم زمانہ سے بھوپال میں یہی طریقہ مروج رہا ہے، ہندوستان میں آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد کئی بار اس کی کوشش کی گئی؛ مگر نتیجہ خیز نہ ہوسکی۔

۲- جہاں یہ سہولت میسر نہ ہو وہاں مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے طور پر کسی امیر کو منتخب کریں، جو اس کے لئے قاضی مقرر کرے اور اگر کسی امیر پر اتفاق نہ ہوسکے تو کم سے کم کسی قاضی پر اتفاق کریں اور وہ ایسے مقدمات کے فیصلے کرے؛ چنانچہ علامہ کمال الدین ابن ہمامؒ (متوفی:۸۶۱ھ) فرماتے ہیں:

"و إذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منه کما هو في بعض بلاد المسلمین غلب علیهم الکفار کقرطبة في بلاد المغرب الآن ...... یجب علیهم أن یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیاً فیولی قاضیاً أو یکون هو الذی یقضی بینهم "(فتح القدیر ۶/۳۶۵)۔

(جب سلطان موجود نہ ہو اور نہ کوئی ایسا شخص جس کی طرف سے قاضی مقرر کیا جانا درست ہو؛ جیسا کہ مسلمانوں کے بعض ان شہروں کا حال ہے جن پر کافروں کو غلبہ حاصل ہو چکا ہے، جیسا کہ اس وقت مغرب کے علاقہ میں قرطبہ ہے ......تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے میں سے کسی ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور اسے والی منتخب کرلیں، وہ قاضی کا تقرر کرے یا وہ خود لوگوں کے درمیان قضاء کا فریضہ انجام دے)۔

یہ بات دوسرے فقہاء کے یہاں نسبتاً کم اور احناف کے یہاں زیادہ وضاحت کے ساتھ ملتی ہے؛ چنانچہ علامہ محمود بن اسرائیل نے جامع الفصولین (۱/۱۴، ط: کراچی) علامہ ابن بزاز کردری نے فتاویٰ بزازیہ (علی ہامش الہندیہ، کتاب السیر:۶/۳۱۱) علامہ ابن نجیم مصریؒ نے البحر الرائق (۶/۲۹۸) علامہ طحطاوی نے حاشیہ درمختار (باب الجمعہ:۱/۳۴۹) اور علامہ شامیؒ

نے ردالمحتار (کتاب القضاء ۴؍۴۰۸) میں پوری وضاحت کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا ہے، اس سے نہ صرف مسلمانوں کے مسائل کو شریعت کے مطابق حل کرنے میں مدد ملے گی؛ بلکہ مسلمانوں کی اجتماعیت اور شیرازہ بندی میں بھی سہولت ہوگی۔

۳- غیر مسلم ممالک میں مسلمان اپنے نکاح نامے مرتب کریں اور کوئی ملی تنظیم اور جہاں امارت کا نظام قائم ہو وہاں امارت اس کا ریکارڈ رکھے، ان نکاح ناموں میں یا تو تفویض طلاق کی دفعہ رکھی جائے، جیسا کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں تحریر کیا ہے اور ''اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا'' کے سیمینار منعقدہ علی گڑھ نے بھی مسلمانوں کے سماجی مسائل کے حل کے لئے اس کو تجویز کیا ہے اور اہل علم کے لئے یہ بات محتاج اظہار نہیں کہ حنفیہ اور مالکیہ کے یہاں نکاح سے پہلے بھی تفویض طلاق ممکن ہے اور نکاح کے بعد تو تقریباً تمام ہی فقہاء کے نزدیک تفویض طلاق ہو سکتی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ نکاح نامہ میں ایک دفعہ تحکیم کی رکھی جائے، یعنی عاقدین دارالقضاء یا شرعی پنچایت کو حکم بنائیں کہ ان کے درمیان ازدواجی مسائل سے متعلق جو بھی نزاع پیدا ہوگی، وہ اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کا مجاز ہوگا، اس طرح ان کے ازدواجی مسائل کے متعلق مقدمات میں دارالقضاء کو قانونی حیثیت حاصل ہو جائے گی۔

خاص کر وہ ممالک جہاں رجسٹرڈ نکاح ہی قانون کی نظر میں معتبر ہوتا ہے اور نکاح کے بغیر مرد و عورت پر باہمی رضامندی سے ایک ساتھ رہنا ممنوع بھی نہیں ہے، وہاں بہت سے مسلمان کورٹ میں گئے بغیر شرعی طریقہ پر اپنا نکاح کر لیتے ہیں، جو اسلام کی نظر میں تو شوہر و بیوی ہیں؛ لیکن قانون کی نظر میں نہیں، ایسے لوگ تفویض طلاق یا تحکیم کے اس معاہدہ سے خاص طور پر فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کا مسئلہ

مولانا خورشید انور اعظمی ☆

اسلام نے بقاء نسل انسانی اور خاندانی امور کو مستحکم، منظم اور بہمہ وجوہ قابل اطمینان بنانے کے لئے نکاح جیسے پاکیزہ رشتے کا نظام بنایا اور زوجین میں سے ہر ایک کو منصفانہ حقوق دیکر باہم میل محبت کے ساتھ خوشگوار زندگی بسر کرنے کی تاکید فرمائی، تاہم بعض دفعہ میاں بیوی کے درمیان ذہن و مزاج کی ہم آہنگی نہ ہونے کے سبب اس قدر شدید اختلاف رونما ہو جاتا ہے کہ نباہ کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی، اور چار و ناچار اس پاکیزہ رشتے کو ختم کرنے کی نوبت آجاتی ہے۔

قرآن کریم نے اس طرح کی نزاعی صورت حال میں زوجین کی جانب سے حکم مقرر کر کے مسئلے کے تصفیے پر زور دیا ہے تاکہ دونوں کے درمیان پیدا شدہ اختلاف کا سدباب ہو سکے، ارشاد خداوندی ہے:

"وإن خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكما من أهله وحكما من أهلها إن يريدا اصلاحا يوفق الله بينهما إن الله كان عليما خبيرا" (النساء:۳۵)۔

(اور اگر تم ڈرو کہ وہ دونوں آپس میں ضد رکھتے ہیں تو کھڑا کرو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے، اگر یہ دونوں چاہیں گے کہ صلح کرا دیں تو اللہ موافقت کر دے گا ان دونوں میں، بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا خبر دار ہے)۔

☆ صدر مدرس، جامعہ مظہر العلوم، بنارس۔

لیکن اگر حکم صاحبان کی ساری تگ و دو اور اصلاحی کوششیں ناکام ہوجائیں اور رفع نزاع کی کوئی صورت بظاہر باقی نہ ہوتو شوہر کو حق ہوتا ہے کہ طلاق دیکر اپنی گلوخلاصی کرلے یا عورت خلع کے ذریعہ اپنی علیحدگی کا سامان فراہم کرلے، پھر یہ عمل تطلیق وخلع ذاتی طور پر بھی ہوسکتا ہے اور بذریعۂ اسلامی عدالت بھی، البتہ اگر اسلامی عدالت نہ ہوتو غیر مسلم عدالت میں جانے سے حتی الامکان اجتناب کرنا چاہئے اور اپنے عائلی مسائل کے تصفیہ کے لئے باہم رضامندی سے ایک باصلاحیت آدمی کو قاضی مقرر کرنا چاہئے تاکہ اسکے ذریعہ تمام دینی مسائل کا شرعی فیصلہ ہوسکے، البحر الرائق میں ہے:

"أما فی بلاد علیها ولاة الکفار فیجوز للمسلمین إقامة الجمع والأعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ویجب علیهم طلب وال مسلم" (۲۷۴/۶)۔

(باقی رہے وہ ممالک جن پر غیر مسلم والی مقرر ہوں تو وہاں مسلمانوں کے لئے جمعہ و عیدین کا قیام درست ہوگا، اور مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے قاضی بن جائے گا، نیز مسلمانوں پر ایک مسلم والی کی تلاش واجب ہوگی)۔

اور اگر زوجین کسی غیر مسلم عدالت میں اپنا مسئلہ پیش کرتے ہیں اور وہ عدالت اپنے اعتبار سے فیصلہ کرتی ہے تو اس کی مختلف صورتیں ہیں، اور اسی اعتبار سے ان کے احکام بھی مختلف ہیں:

۱- اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو اپنے عقد سے خارج کرنا چاہتا ہے اور اس غرض سے کسی غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتا ہے کہ اس کی بیوی کا رشتۂ نکاح اس سے ختم کردیا جائے اور وہ عدالت اپنی تمام کارروائیوں کے بعد طلاق کا فیصلہ کرتی ہے تو وہ طلاق واقع ہوجائے گی، اس وجہ سے کہ شوہر نے اپنی درخواست کے ذریعہ غیر مسلم جج کو وکیل بنایا، اور اس نے شوہر کے وکیل کی حیثیت سے اس کی بیوی کو طلاق دی، ہدایہ میں ہے:

"إذا قال لرجل: طلق إمرأتي فله أن يطلقها في المجلس وبعده، وله أن يرجع لأنه توكيل وإنه استعانة فلا يلزم ولا يقتصر على المجلس" (۳۶۱/۲)۔

(اگر کسی آدمی نے کسی شخص سے کہا کہ تم میری بیوی کو طلاق دیدو تو وہ مجلس کے اندر اور اس کے بعد طلاق دینے کا مجاز ہوگا، نیز اس آدمی کو رجوع کا بھی حق ہوگا، اس وجہ سے کہ یہ توکیل ہے جو ایک استعانت ہے، لہٰذا یہ اختیار نہ تو لازم ہوگا اور نہ مجلس تک محدود رہے گا)۔

اسی طرح درمختار میں ہے:

"قال لرجل: فوضت إليک أمر إمرأتي صار وكيلا بالطلاق وتقيد طلاقه بالمجلس بخلاف قوله: وكلتک في أمر إمرأتي فلا يتقيد به" (۲۶۷/۸)۔

(کسی آدمی نے کسی شخص سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کا معاملہ تمہارے سپرد کیا تو وہ طلاق کا وکیل ہو جائے گا اور اس کی طلاق مجلس تک محدود رہے گی اس کے برخلاف اگر کہا کہ میں نے تم کو اپنی بیوی کے معاملہ میں وکیل بنایا تو اس کی طلاق مجلس تک محدود نہیں رہے گی)۔

علامہ ابن القیم نے "زاد المعاد" میں توکیل فی الطلاق کو درست قرار دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"فإذا وكل الزوج من يطلق عنه أو يخالع لم يكن في هذا تغيير لحكم الله ولا مخالفة لدينه فإن الزوج هو الذي يطلق إما بنفسه أو بوكيله وقد يكون أتم نظرا للرجل من نفسه وأعلم بمصلحته فيفوض إلي ما هو أعلم بوجه المصلحة فيه منه، وإذا جاز التوكيل في العتق والنكاح والخلع والابراء وسائر الحقوق من المطالبة بها واثباتها واستيفائها والمخاصمة فيها فما الذي حرم التوكيل في الطلاق" (۷۳/۴)۔

(اگر شوہر کسی کو طلاق دینے یا خلع کرنے کا وکیل بناتا ہے تو اس میں اللہ کے حکم کی تغییر

لازم آتی ہے اوراس کے دین کی مخالفت اس وجہ سے کہ شوہر ہی طلاق دیتا ہے یا بذات خود یا بذریعۂ وکیل، اور کبھی وکیل مؤکل کے حق میں اس سے زیادہ شفیق اوراس کی مصلحت سے زیادہ واقف ہوتا ہے، اس لئے وہ اپنے مسئلے کو ایسے شخص کے سپرد کرتا ہے جو اس سلسلے کی مصلحت کو اس سے زیادہ جانتا ہے، پھر جب عتق، نکاح، خلع، ابراء اور تمام حقوق مثلاً مطالبہ، اثبات، استیفاء اور مخاصمت میں توکیل جائز ہے تو توکیل فی الطلاق کیوں کر حرام ہوگی)۔

باقی رہا غیر مسلم کو وکیل بنانا تو شریعت اسلامی میں اس کی اجازت ہے، چنانچہ امام بخاری نے صحیح بخاری (۱/ ۳۰۸) میں اس سلسلے میں مستقل ایک باب قائم کیا ہے: **"باب إذا وکل المسلم حربیا في دار الحرب أو دار الإسلام جاز"** اور اس کے ذیل میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ایک خط کا تذکرہ کیا ہے جس میں انہوں نے امیہ بن خلف کو لکھا ہے کہ مکہ میں وہ میرے متعلقین کی نگہداشت کریں اور مدینہ میں ہم ان کے متعلقین کی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے اس عمل سے واضح ہوتا ہے کہ غیر مسلم کو وکیل بنانا جائز ہے، اس لئے کہ آپ نے یہ عمل نبی اکرم ﷺ کی اجازت ہی سے کیا ہوگا جیسا کہ علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں تحریر فرمایا ہے:

"الظاھر أن عبد الرحمن لم یفعل ھذا إلا باطلاع النبي صلی اللہ علیه وسلم فلم ینکر علیه فدل علی صحته" (عمدۃ القاری ۵/ ۶۸۲)۔

(ظاہر ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے یہ عمل حضور ﷺ کو بتا کر ہی کیا ہے، جس پر آپ ﷺ نے نکیر نہیں فرمائی، جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ صحیح ہے)۔

۲- اگر کوئی عورت، غیر مسلم عدالت میں درخواست پیش کرتی ہے کہ اس کا رشتۂ نکاح ختم کر دیا جائے اور عدالت شوہر کو طلب کر کے اس سے دستخط لے لیتی ہے کہ جو بھی فیصلہ ہوگا مجھے منظور ہوگا، اوراس کے بعد تمام عدالتی کارروائیاں کر کے طلاق کا فیصلہ کر دیتی ہے تو دیکھا جائے گا

کہ اگر شوہر نے یہ دستخط برضا ورغبت کیا ہے تو یہ توکیل ہوگی اور طلاق ہوجائیگی، اور اگر اس دستخط پر بدرجۂ مجبوری راضی ہوا ہے تب بھی طلاق ہوجائیگی، اس لئے کہ جس طرح طلاق مکرہ واقع ہوجاتی ہے اسی طرح توکیل بالطلاق بھی اکراہ کے ساتھ درست ہوتی ہے)۔

ردالمحتار میں ہے: **"فإن طلاقه صحيح أى طلاق المكره وشمل ما إذا أكره على التوكيل بالطلاق فوكل فطلق الوكيل فإنه يقع"** (ردالمحتار ۴۳۸/۳)۔

(مکرہ کی طلاق صحیح ہے، اور یہ شامل ہے اس صورت کو بھی کہ اگر کسی کو توکیل بالطلاق پر مجبور کیا گیا، اور اس نے وکیل بنایا پھر اس وکیل نے طلاق دی تو طلاق واقع ہوجائے گی)۔

اور اگر شوہر نے اپنے قول وفعل سے رضامندی کا اظہار کئے بغیر صرف دباؤ میں آ کر دستخط کیا تو یہ توکیل نہیں ہے اور اس بنیاد پر عدالت کا فیصلۂ طلاق صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ جس طرح اکراہ کی صورت میں تلفظ بالطلاق کے بغیر صرف تحریر طلاق سے طلاق واقع نہیں ہوتی، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے:

"فإن طلاقه صحيح أى طلاق المكره وشمل ما إذا أكره على التوكيل بالطلاق فوكل فطلق الوكيل فإنه يقع" (ردالمحتار ۴۳۸/۴)۔

(مکرہ کی طلاق صحیح ہے، اور یہ شامل ہے اس صورت کو بھی کہ اگر کسی کو توکیل بالطلاق پر مجبور کیا گیا، اور اس نے وکیل بنایا پھر اس وکیل نے طلاق دی تو طلاق واقع ہوجائے گی)۔

اور اگر شوہر نے اپنے قول وفعل سے رضامندی کا اظہار کئے بغیر صرف دباؤ میں آ کر دستخط کیا تو یہ توکیل نہیں ہے اور اس بنیاد پر عدالت کا فیصلۂ طلاق صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ جس طرح اکراہ کی صورت میں تلفظ بالطلاق کے بغیر صرف تحریر طلاق سے طلاق واقع نہیں ہوتی، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے:

"لو أكره على أن يكتب طلاق إمرأته فكتب لا تطلق، لأن الكتابة

أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولاحاجة هنا، كذا في الخانية" (ردالمحتار ۴/۴۴)۔

(اگر کسی کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق لکھے اور وہ لکھ دے تو طلاق نہیں ہوگی، اس وجہ سے کہ کتابت ضرورت کے تحت عبارت کے قائم مقام مانی گئی ہے، اور یہاں ضرورت نہیں ہے، خانیہ میں بھی اسی طرح مذکور ہے)۔

اسی طرح اکراہ کے ساتھ توکیل بالطلاق بھی صرف دستخط کردینے سے معتبر نہیں ہوگی اس وجہ سے کہ وکیل موکل کا نائب ہوتا ہے، جب اکراہ کی صورت میں موکل کی تحریر طلاق سے طلاق واقع نہیں ہوتی تو موکل کے محض دستخط کرنے سے توکیل بالطلاق کیسے ہوسکتی ہے، اس لئے کہ وکیل کی نیابت موکل کے دائرہ اختیار تک محدود رہتی ہے، علامہ ابن القیم تحریر فرماتے ہیں:

"**الوكيل يقوم مقام المؤكل فيما يملكه من الطلاق وما لا يملكه ومايحل له منه ومايحرم عليه ففي الحقيقة لم يطلق إلا الزوج إما بنفسه أو بوكيله**" (زادالمعاد ۴/۷۳)۔

(وکیل، موکل کا قائم مقام ہوتا ہے، طلاق کے مالک ہونے نہ ہونے میں اور اس کے حلال وحرام ہونے میں، اس لئے حقیقت میں طلاق شوہر ہی دیتا ہے، خواہ بذات خود یا بذریعہ وکیل)۔

۳- اگر کسی عورت نے غیر مسلم عدالت میں درخواست پیش کی کہ اس کا رشتۂ نکاح ختم کردیا جائے، اور عدالت نے شوہر کو طلب کیا مگر وہ حاضر نہیں ہوا، یا آیا مگر اس پر راضی نہیں ہوا اور نہ دستخط کیا، اور عدالت نے حالات کا جائزہ لیکر زوجین کے مابین تفریق کا فیصلہ کردیا تو یہ درست نہیں ہوگا اور طلاق واقع نہیں ہوگی، اس لئے کہ طلاق دینے کا حق شوہر کو حاصل ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے موقوفا مروی ہے:

"الطلاق بالرجال و العدة بالنساء" (نصب الرایہ للزیلعی ۳/۲۲۵)۔

(طلاق مردوں کے اور عدت عورتوں کے ساتھ خاص ہے)۔

اور غیر مسلم عدالت کو مسلم پر ولایت حاصل نہیں کہ اس کے فیصلۂ تفریق کو درست قرار دیا جائے، فتح القدیر میں ہے:

"لا ولاية لكافر على مسلم لقوله تعالىٰ: لن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا" (۵/۲۱۲)۔

(کافر کو مسلم پر ولایت حاصل نہیں ہے، اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہرگز نہ دے گا اللہ کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ کی راہ)۔

اسی لئے ولایت قاضی کی صحت کے لئے منجملہ اور شرائط کے اسلام کی بھی شرط ہے، کہ اس کے بغیر قضاء قاضی درست ہی نہیں ہوتا، فتاوی عالمگیری میں ہے:

"لاتصح ولاية القاضي حتى يجتمع في المولى شرائط الشهادة من الاسلام و التكليف و الحرية" (۳/۳۰۷)۔

(قاضی کی ولایت صحیح نہیں ہوتی ہے تا آنکہ مقررہ قاضی کے اندر شرائط شہادت، اسلام، تکلیف، اور حریت وغیرہ مجتمع ہوجائیں)۔

۴۔ اگر غیر مسلم حکومت اور غیر مسلم عدالت میں مسلم جج مقرر ہو اور وہ اس طرح کے عائلی مسائل کو بھی دیکھتا ہو تو اس کی حیثیت مسلم قاضی کی ہوگی اور اس کا فیصلہ صحیح ہوگا، درمختار میں ہے:

"ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل و الجائر ولو كافرا" (۸/۴۳)۔

(عادل اور ظالم بادشاہ –اگرچہ وہ کافر ہو– کی جانب سے قاضی بننا جائز ہے)۔

اس لئے کہ قاضی مقرر کرنے والے بادشاہ کے لئے اسلام کی شرط نہیں ہے، جیسا کہ علامہ شامی نے تاتارخانیہ کے حوالے سے لکھا ہے:

"الإسلام ليس بشرط فيه أي في السلطان الذي يقلد" (ردالمحتار ۸/ ۴۳)۔

(قاضی بنانے والے بادشاہ میں اسلام کی شرط نہیں ہے)۔

نیز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی سے دریافت کیا گیا کہ "جن مسائل میں قضاء اور قاضی کی ضرورت ہے، ان میں انگریزی عدالت کا حکم وفیصلہ وہی حکم رکھتا ہے یا نہیں؟" تو آپ نے جواب دیا کہ:

"اگر صاحب اجلاس مسلم ہو تو وہ شرعاً قاضی ہے" (امداد الفتاوی ۳/ ۴۳۴)۔

اسی طرح اگر غیر مسلم بادشاہ نے مسلمانوں پر کسی مسلمان حاکم مقرر کردیا تو وہ بھی درست ہوگا، شامی میں ہے:

"إذا ولي الكافر عليهم مسلما ورضيه المسلمون صحت توليته بلا شبهة" (۸/ ۴۴)۔

(اگر غیر مسلم نے مسلمانوں پر کسی مسلم کو حاکم بنادیا اور مسلمان اس سے راضی ہوں تو اس کا حاکم بنانا بلاشبہ درست ہے)۔

۵- غیر مسلم عدالتیں مسلم مسائل کے تصفیے کے لئے بحیثیت وکیل فیصلہ کرسکتی ہیں، اور وہ فیصلہ معتبر ہوگا، البتہ ان کی حیثیت قضاء وتحکیم کی نہیں ہوگی، اس لئے کہ ان میں قضاء وتحکیم کی شرطیں مفقود ہیں، لہٰذا جن مسائل میں توکیل کی صورت نہ پائی جارہی ہو اور ان کے فیصلے شرعی اصول وضوابط سے متصادم ہوں، تو اس صورت میں ان فیصلوں کا شرعاً اعتبار نہیں ہوگا۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق دینے کا شرعی حکم

مولانا بدر احمد مجیبی ندوی☆

اسلامی شریعت نے بے حیائی اور سفاح کی خرابیوں سے دنیا کو بچانے کے لئے نکاح کی ترغیب دی ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل سے نکاح کو پسندیدہ اور تجرد کی زندگی سے افضل ظاہر فرمایا۔ زوجین کے مابین رشتہ کو خوشگوار بنانے اور ان کو باہم میل و محبت سے رکھنے کے لئے ان کو ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی تاکید فرمائی۔ اس کے ساتھ ہی شریعت نے انسانی فطرت اور مزاج کا لحاظ رکھتے ہوئے زوجین میں شدید نا اتفاقی کی صورت میں طلاق کو بھی مشروع کیا ہے۔ شقاق کے وقت طلاق کی مشروعیت بھی اللہ تعالی کی ایک اہم نعمت ہے۔

شریعت میں طلاق دینے یا نکاح ختم کرنے کا اختیار صرف شوہر کو ہی دیا گیا ہے۔ اس کے سوا کسی کو نکاح ختم کرنے اور طلاق دینے کا اختیار حاصل نہیں ہے، البتہ شوہر کی تفویض یا توکیل سے بھی دوسرے شخص کو طلاق دینے کا اختیار مل جاتا ہے اور اس کے طلاق دینے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ مسلم قاضی یا مسلم حاکم بھی اسباب کے پائے جانے کے وقت نکاح کو ختم کر سکتا ہے۔

وہ ممالک جو مسلمانوں کے زیر اثر ہیں وہاں تو مسلم قاضی کا نظام ہے اور ان کے ذریعہ

☆ المعہد العالی، امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

مسلمانوں کے مسائل حل ہوتے ہیں، لیکن جو ممالک مسلمانوں کے اقتدار سے محروم ہیں اور وہاں غیر اسلامی نظام حکومت چل رہا ہے، کیا وہاں کی کورٹ کے جج کا فیصلہ مسلمانوں پر اسی طرح نافذ ہوگا جس طرح مسلم قاضی کا فیصلہ نافذ ہوتا ہے یا ان دونوں میں فرق ہے؟ مغربی ممالک میں اس طرح کے مقدمات جن میں جج (جو غیر مسلم ہوتا ہے) زوجین میں تفریق کردیتا ہے ان کا کیا حکم ہوگا؟ معلومات کے مطابق اس کی درج ذیل صورتیں پائی جاتی ہیں۔ جن کو ان کے حکم کے ساتھ ذکر کیا جارہا ہے:

۱- شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتا ہے کہ میں اپنے رشتہ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہوں لہٰذا میرے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کردیا جائے اور اس کے بعد عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد طلاق وفرقت کا فیصلہ کردیتی ہے۔ اس صورت کا کیا حکم ہوگا؟ اور کیا اس درخواست کو تفویض وتحکیم مانا جاسکتا ہے؟ اور اسی بنیاد پر غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر ہوگا؟

اس صورت میں شوہر نے جس کو شریعت نے طلاق دینے کا مکمل اختیار دیا ہے تحریری طور سے طلاق دینے کا اختیار عدالت کے جج کو دیدیا ہے اور اپنے رشتہ نکاح کے خاتمہ کا مجاز عدالت کو بنادیا ہے کہ عدالت اس کے نکاح کو ختم کردے۔ یہ واضح طور سے طلاق کی توکیل ہے۔ وکالت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان جس جائز اور معلوم کام کرنے کا اختیار رکھتا ہے اس میں کسی دوسرے کو اپنا نائب بنادے۔

"وأما شرعا فالتوكيل إقامة الإنسان غيره مقامه في تصرف معلوم" (فتح القدیر ۶/ ۵۵۳)۔

"وهو إقامة الغير مقام نفسه في تصرف جائز معلوم" (تنویر الابصار کتاب الوکالۃ)۔

یہاں اس صورت میں اس نے اپنی تحریر کے ذریعہ عدالت کو طلاق دینے کا وکیل بنایا ہے اور جائز اور معلوم تصرف میں توکیل درست ہوتی ہے، لہٰذا کسی کو طلاق دینے کا وکیل بنانا

بھی درست ہے۔

"ویجوز التوکیل بالبیاعات والأشربة والإجارات والنکاح والطلاق والعتاق والصلح والإعارة والاستعارة والهبة والصدقة والإیداع وقبض الحقوق والخصومات وتقاضی الدین والرهن والارتهان کذا فی الذخیرة" (فتاویٰ ہندیہ ۳/ ۵۶۴)۔

"أما فی (طلقی ضرتک أو) قوله لأجنبی: (طلق امرأتی) فیصح رجوعه) منه (ولم یتقید بالمجلس) لأنه توکیل محض وفی طلقی نفسک وضرتک کان تملیکاً فی حقها توکیلاً فی حق ضرتها جوهرة۔ (إلا إذا علقه بالمشیئة) فیصیر تملیکاً لا توکیلاً" (الدر المختار مع الرد ۲۵/ ۵۱۷)۔

لہٰذا جب شوہر نے اپنی درخواست کے ذریعہ عدالت کو اپنی طرف سے طلاق دینے کا وکیل بنادیا تو یہ طلاق کی توکیل ہے۔ جب عدالت کا غیر مسلم جج کارروائی کرکے طلاق کا فیصلہ کرتا ہے تو یہ شوہر کے وکیل کی حیثیت سے طلاق دینا ہے، اس لئے اس کا اعتبار ہوگا اور اس درخواست دہندہ شخص کی بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی۔ وکیل ہونے کے لئے مسلم ہونا شرط نہیں ہے، غیر مسلم کو بھی وکیل بنایا جاسکتا ہے اور وکالت کی حالت میں اس کا کیا ہوا عمل نافذ ہوتا ہے۔

"ردة الوکیل لا تمنع صحة الوکالة فتجوز وکالة المرتد بأن وکل مسلم مرتدا، لأن وقوف تصرفات المرتد لوقوف ملکه والوکیل یتصرف فی ملک المو کل وإنه نافذ التصرفات" (بدائع الصنائع، کتاب الوکالۃ ۵/ ۱۶)۔

"وصح توکیل مسلم ذمیاً ببیع خمر أو خنزیر وشرائهما" (الدر المختار مع الرد ۴/ ۴۴۵)۔

"وتجوز وکالة المرتد بأن وکل مسلم مرتدا" (فتاویٰ ہندیہ ۳/ ۵۶۳)۔

شوہر کی اس درخواست کو توکیل مانا جائے گا۔ اس کو تحکیم ماننا درست نہیں ہے، کیونکہ

مسلمانوں کے معاملات میں حکم ہونے کے لئے مسلم ہونا شرط ہے۔غیر مسلم کو مسلمانوں کے معاملات میں حکم نہیں بنایا جاسکتا ہے۔

”وكل من تقبل شهادته في أمر جاز أن يكون حكماً فيه ومن لا فلا......لأن الحكم في حق الحكمين بمنزلة القاضي وكل من صلح شاهداً صلح قاضياً ومن لا فلا“ (معین الحکام ص ۲۵)۔

”وشرطه من جهة الحكم بالفتح صلاحيته للقضاء“ (الدرالمختار)۔

”وأهله أهل الشهادة ...... وحاصله أن شروط الشهادة من الاسلام والعقل والبلوغ والحرية وعدم العمى والحد في القذف شروط لصحة توليته ولصحة حكمه بعدها ومقتضاه أن تقليد الكافر لايصح وإن أسلم“ (ردالمحتار ۴/ ۳۳۲)۔

”فصح تحكيم ذمي ذمياً لأنه أهل للشهادة بين أهل الذمة دون المسلمين ويكون تراضيهما عليه في حقها كتقليد السلطان إياه وتقليد الذمي ليحكم بين أهل الذمة صحيح لابين المسلمين، وكذلك التحكيم، هندية عن النهاية“ (ردالمحتار ۴/ ۳۸۶)۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی غیر مسلم کو مسلمان اپنے معاملات کی جس میں طلاق بھی شامل ہے توکیل کرسکتا ہے اور اس غیر مسلم کا کیا ہوا عمل نافذ ہوگا۔لہٰذا اوپر جو صورت بیان کی گئی ہے اس صورت میں شوہر کی حیثیت موکل کی ہے،اس کا غیر مسلم عدالت میں درخواست دینا توکیل ہے اور غیر مسلم جج شوہر کا وکیل ہے۔اس لئے اس جج کا فیصلہ معتبر اور نافذ ہوگا۔فقط

۲- دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ عورت کی طرف سے عدالت میں درخواست آتی ہے کہ میرا رشتہ نکاح ختم کردیا جائے۔عدالت شوہر کو بلا کر اس سے دستخط لیتی ہے کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور کرنا ہوگا،کارروائی کے بعد علیحدگی کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔اس صورت حال کا کیا حکم

ہوگا؟اور شوہر کے دستخط کی کیا حیثیت ہوگی؟

بیوی کی طرف سے عدالت میں رشتہ نکاح ختم کرنے کی درخواست کے آنے پر عدالت شوہر کو بلا کر اس تحریر پر دستخط لیتی ہے کہ یہاں جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور کرنا ہوگا اور شوہر اس پر دستخط کر دیتا ہے۔اس صورت میں بھی شوہر کی حیثیت مؤکل کی ہوگی اور تحریر پر اس کی دستخط اس کی طرف سے عدالت کو طلاق دینے کا وکیل بنانا ہے۔وکالت کی صحت کے لئے طرفین کے جانب سے ایجاب اور قبول ہونا ضروری ہے۔ایجاب کے بعد قبول صراحۃً بھی ہوسکتا ہے اور دلالۃً بھی ہوسکتا ہے۔

”رکن التوکیل فهو الإیجاب والقبول، فالإیجاب من الموکل أن یقول: وکلتک کذا أو أفعل کذا أو أذنت کذا أو نحوه، والقبول من الوکیل أن یقول قبلت“ (بدائع الصنائع کتاب الوکالۃ ۵/۱۰)۔

”وأما رکنها الألفاظ الخاصة التی بها تثبت من قوله وکلتک ببیع هذا أو شرائه مع اقترانه بقبول المخاطب صریحاً أو دلالة فیما إذا سکت فلم یقبل أو یرد ثم عمل فإنه ینفذ ویظهر بالعمل قبوله“ (فتح القدیر ۷/۵۵۳)۔

جس طرح کسی وکیل کو زبان کے علاوہ تحریر کے ذریعہ بھی معزول کیا جاسکتا ہے،اسی طرح تحریر کے ذریعہ توکیل بھی صحیح ہوگی۔اس لئے اگر کسی شخص نے تحریر سے کسی کو وکیل بنایا تو وہ وکیل ہوجائے گا۔

”ویثبت عزله بالمشافهة به أو بکتابة له کتابا بعزله أو بإرساله رسولاً عدلاً أو بغیر عدل“ (البحر الرائق،باب عزل الوکیل ۷/۳۱۸)۔

لہٰذا شوہر کا عدالت میں جاکر طلاق کے سلسلے میں عدالت کے فیصلے کو ماننے کی تحریر پر دستخط کرنا بھی توکیل کے حکم میں ہے،اس لئے اگر عدالت کا غیر مسلم جج کارروائی کے بعد طلاق

کا فیصلہ کرتا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی، البتہ اگر جج کی جانب سے فیصلہ ہونے سے قبل شوہر رجوع کرلے اور عدالت کو اس کی خبر کردے تو اس کے بعد جج کے طلاق واقع کرنے سے طلاق نہیں ہوگی۔ کیونکہ توکیل میں رجوع درست ہے بشرطیکہ مؤکل کو اس کی خبر کردی جائے اور وکیل کے عمل سے قبل رجوع ہو۔

۳- تیسری صورت یہ ہے کہ عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں نہیں آیا یا آیا تو مگر دستخط یا تفویض پر تیار نہیں ہوا اور عدالت نے وجوہات کا جائزہ لے کر تفریق کا فیصلہ کردیا تو اس کا کیا حکم ہوگا جبکہ اس صورت میں جو فیصلہ ہوا ہے اس کی بابت شوہر کی طرف سے کوئی آمادگی نہیں ہے؟۔

جب عورت کی طرف سے علیحدگی کی درخواست عدالت میں آئی لیکن شوہر اس پر رضامند نہیں ہوا۔ یا تو وہ آیا ہی نہیں یا آیا مگر دستخط یا توکیل پر تیار نہیں ہوا تو اس صورت میں عدالت کو اس کا وکیل نہیں مانا جاسکتا ہے۔ اس لئے عدالت کے غیر مسلم جج کی طرف سے عدالتی کارروائی کے بعد تفریق کا فیصلہ درست نہیں ہوگا، کیونکہ غیر مسلم جج کو شرعی قاضی کی حیثیت نہیں دی جاسکتی ہے، قاضی کے لئے مسلم ہونا ضروری ہے۔ نیز اس کو شوہر کا وکیل بھی قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ شوہر اس پر رضامند نہیں ہے، اس کے علاوہ اس جج کی طرف سے تفریق کی کوئی صورت نہیں ہے، لہذا شوہر کی وکالت اور رضامندی کے بغیر غیر مسلم کی طرف سے تفریق کا فیصلہ درست نہیں ہوگا۔

۴- کیا مسئلہ میں اس سے بھی کچھ فرق پڑسکتا ہے کہ جج اگرچہ غیر مسلم حکومت اور غیر مسلم عدالت کا ہے مگر مسلمان ہے، وہ اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت اس قسم کا کام بھی کرتا ہے تو کیا اس کو مسلم حاکم اور مسلم قاضی کی حیثیت دی جاسکتی ہے؟ اور اس حیثیت سے اس کے فیصلہ فرقت کا اعتبار کیا جاسکتا ہے؟

کسی غیر مسلم حکومت کی عدالت میں اگر جج مسلم ہے جو اپنی عدالتی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں شقاق کے وقت زوجین کے درمیان تفریق کا فیصلہ بھی کرتا ہے تو اس کی حیثیت مسلم قاضی کی ہوگی اور اس کا فیصلہ مسلمانوں پر شرعی اعتبار سے نافذ ہوگا بشرطیکہ اصول شرعیہ کے مطابق اس نے فیصلہ کیا ہے جیسے قاضی کا فیصلہ نافذ ہوتا ہے۔فقہاء کرام نے غیر مسلم حکومت کی طرف سے مسلم قاضی کے تقرر کو درست بتایا ہے۔جب دار الکفر میں غیر مسلم حکمراں کی طرف سے مسلم قاضی کا تقرر صحیح ہے تو اس کے فیصلے بھی معتبر ہوں گے اور مسلمانوں پر نافذ ہوں گے۔

”ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کان کافراً ذکرہ مسکین وغیرہ، إلا إذا کان یمنعه عن القضاء بالحق فیحرم“ (الدرالمختار ۳۴۲/۴)۔

”فی التتار خانیة: الإسلام لیس بشرط فیه أی فی السلطان الذی یقلد، وبلاد الإسلام التی فی أیدی الکفرة لاشک أنها بلاد الإسلام لا بلاد الحرب لأنهم لم یظهروا فیها حکم الکفر والقضاة مسلمون ...... وکل مصرفیه وال من جهتهم تجوز فیه إقامة الجمع والأعیاد وأخذ الخراج وتقلید القضاة وتزویج الأیامی لاستیلاء المسلم علیه“ (ردالمحتار ۳۴۲/۴)۔

۵-ضرورت اس کی بھی ہے کہ اس بابت کچھ اصولی روشنی ڈالی جائے کہ غیر مسلم عدالتیں اور حکام کس حد تک مسلمانوں کے معاملات میں فیصلے کر سکتے ہیں یا کس حد تک ان کے فیصلوں کا اعتبار مسلمان کر سکتے ہیں؟ اس بابت فقہاء کی اصولی وفروعی تصریحات وتوضیحات زیر بحث مسئلہ میں معاون ثابت ہوں گی۔

قاضی کے پاس دو قسم کے معاملات آتے ہیں: (۱) پہلی قسم ایسے معاملات کی ہے جن میں شرعی اسباب کا وجود کافی ہوتا ہے۔اس میں حکم حاکم یا قضاء قاضی کی ضرورت نہیں ہوتی،

(۲) دوسرے قسم کے ایسے معاملات ہیں جن میں سبب شرعی کا وجود کافی نہیں ہوتا بلکہ ان کے ثبوت کے لئے حکم حاکم یا قضاء قاضی ضروری ہے۔

جن معاملات میں قضاء قاضی شرط نہیں ہے اور قضاء قاضی کے بغیر بھی سبب شرعی کے پائے جانے سے ان کا ثبوت ہوجاتا ہے، ایسے معاملات میں غیر مسلم عدالتوں اور غیر مسلم ججوں کا فیصلہ معتبر ہوگا اگر وہ شریعت کے مطابق ہو۔ مثلاً میراث کا مسئلہ ہے۔ وارثین میں اختلاف ہوگیا ہے تو اگر غیر مسلم جج شریعت اسلامیہ کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ کرتا ہے تو اس کا فیصلہ معتبر ہوگا اور مسلمان اس کو تسلیم کریں گے۔ اسی طرح ایک مرد اور ایک عورت نے غیر مسلم جج کے سامنے دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح کا ایجاب وقبول کیا اور جج نے اس نکاح کو درست مانا تو یہ فیصلہ نافذ ہوگا۔ اسی طرح محرمات کی حرمت، خلع اور وہ تمام دیگر معاملات ہیں جن کے ثبوت کے لئے قضاء قاضی شرط نہیں ہے۔

البتہ وہ تمام معاملات جن کے ثبوت کے لئے قضاء قاضی شرط ہے۔ محض سبب شرعی کے پائے جانے سے قضاء قاضی کے بغیر ان کا ثبوت نہیں ہوسکتا ہے۔ ان معاملات میں مسلم قاضی کا فیصلہ ضروری ہے۔ غیر مسلم جج کا فیصلہ کافی نہیں ہے، کیونکہ یہ ایسے معاملات ہیں جن کا نفاذ قضاء قاضی پر موقوف ہے اور مسلمانوں کے معاملات میں صرف مسلم قاضی کا ہی فیصلہ نافذ ہوتا ہے، مثلاً بیوی کی درخواست پر اسباب پائے جانے کے وقت فسخ نکاح کا فیصلہ کرنا۔ اس میں صرف مسلم قاضی کا فیصلہ معتبر ہوگا، غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر نہیں ہوگا، وہ اس کی بیوی برقرار رہے گی۔

"القسم الأول لابد فيه من حكم الحاكم وهو مايحتاج إلى نظر وتحرير وبذل جهد في تحرير سببه ومقدار مسببه وذلک کالطلاق بالإعسار، والطلاق بالإضرار، والطلاق على المولي، أنه يفتقر إلى تحقيق

الإعسار، وهل هو ممن يلزمه الطلاق بعدم النفقة أم لا، كما لو تزوجت فقيراً علمت بفقره فإنها لاتطلق عليه بالإعسار بالنفقة، وكذلک تحقيق حاله، وهل هو ممن يرجى له شيئ أم لا، وكذلک تحقيق صورة الإضرار ...... وكذلک التطليق على الغائب ...... القسم الثانی مالايحتاج إلى حكم حاكم كتحريم المحرمات المتفق عليها كالعصير إذا اشتد والمختلف فيها كتحريم السباع وكذلک وفاء الديون ورد الودائع والمغصوب وأحكام العبادات فالمبادرة متعين ولايفتقر إلى حكم الحاكم استقلالاً، وأما بطريق العرض فيدخلها حكم الحاكم" (تبصرة الحکام ۱/ ۷۶ تا ۷۹، وکذا فی معین الحکام ص ۲۴، وکذا فی الاحکام فی تمییز الفتاوی من الأحکام للقرافی ص ۱۵۰ تا ۱۶۱)۔

☆☆☆

غیر مسلم عدالت کا فیصلہ فسخ نکاح

مفتی انور علی الاعظمی ☆

۱- غیر مسلم جج کی عدالت میں شوہر کی مذکورہ درخواست کو تحکیم ماننے کی صورت میں رکاوٹ لازم آتی ہے، کیونکہ تحکیم کے لئے فقہاء نے وہی شرطیں لگائی ہیں جو شہادت کے لئے ضروری ہیں، یعنی تحکیم کے لئے شاہد کی طرح مسلمان ہونا ضروری ہے:

"ویشترط في الحکم أن یکون أهلا للشهادة رجلا کان أو امرأة"

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۷۵۷)۔

اور شہادت کے شرائط میں سے اسلام بھی ہے، اس لئے حکم کا مسلمان ہونا ضروری ہے قرآن کریم میں بصراحت مذکور ہے: **"وأشهدوا ذوی عدل منکم"** دوسری جگہ: **"وممن ترضون من الشهداء"** اسی طرح تحکیم میں ایک رکاوٹ یہ بھی ہے کہ ایک شخص جو خود شریعت اسلامی کا التزام نہیں کرتا ہمارے اوپر شرعی فیصلہ کا حق کیسے پاسکتا ہے، فرمان باری تعالی ہے: **"ولن یجعل الله للکافرین علی المومنین سبیلا"** (سورہ نساء)، اس لئے مذکورہ درخواست کو ہم تحکیم کے بجائے تفویض مان سکتے ہیں، شامی میں مذکور ہے: **"المراد بالتفویض تملیک الطلاق"** (شامی ۴/ ۲۱۴)۔ تفویض کے باب میں اتنی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ مفوض الیہ کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے اور چونکہ درخواست دہندہ شوہر ہے اور وہ صراحۃً طلاق کا معاملہ

☆ مفتی دار العلوم مئو۔

حاکم کے سپرد کر رہا ہے تو اس صورت میں اگر عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد طلاق و فرقت کا فیصلہ کر دیتی ہے تو اسے تسلیم کیا جاسکتا ہے، چاہے فیصلہ کرنے والا جج غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، اس طرح کے مقدمات میں عدالتی چارہ جوئی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ شوہر عورت کی جانب سے پیش آنے والی پریشانیوں کا مداوا تلاش کرتا ہے۔ اس وقت اکثر ممالک کی عدالتوں میں ازدواجی معاملات میں عورتوں کو اس قدر مراعات دی گئی ہیں کہ اگر شوہر اپنا دفاع نہ کرے تو وہ بہت ساری پریشانیوں کا شکار ہوسکتا ہے، اس لئے سرکاری عدالت کے ذریعہ شوہر کا طلاق دینا اور جج کے ذریعہ کارروائی کو مکمل کرانا اس کے حق میں بچاؤ کا ایک مضبوط راستہ ہے اور چونکہ شوہر خود طلاق کی کارروائی کر رہا ہے، اس لئے وقوع طلاق میں کوئی شبہ نہیں۔

۲- اس صورت حال میں شریعت کی نگاہ میں فیصلہ معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ جج مسلمان ہو اور اسلامی شریعت کے احکام سے واقف ہو اور تفریق کی جملہ کارروائی شرعی اصولوں کے مطابق انجام دے تو اس کا فیصلۂ تفریق وطلاق نافذ ہوگا۔ بصورت دیگر عدالت کا فیصلہ عورت کے لئے ناکافی ہوگا اور عدالتی فیصلہ کے بعد اس عورت کو شرعی پنچایت یا امارت شرعیہ جیسے ادارہ میں اپنا مقدمہ دائر کر کے فسخ نکاح کا فیصلہ کرانا ہوگا، کیونکہ مذکورہ صورت میں شوہر عدالت کے دباؤ کی وجہ سے دستخط کرنے پر مجبور ہوگا، لہٰذا اس کی دستخط کو تفویض طلاق پر محمول نہیں کر سکتے اور غیر مسلم جج کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں جیسا کہ فقہ کی کتابوں سے ظاہر ہے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں اس مسئلہ کی بھرپور وضاحت کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ ہندوستان کی جن ریاستوں میں قاضی شرعی موجود ہیں وہاں تو معاملہ سہل ہے اور گورنمنٹی علاقوں میں جہاں قاضی شرعی موجود نہیں ہیں ان میں وہ احکام جج مجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں، اگر وہ مسلمان ہو اور شرعی قاعدے کے مطابق فیصلہ کریں تو ان کا حکم قضاء قاضی کے قائم مقام ہوجاتا ہے کما فی الدر المختار: ''**ویجوز تقلید**

القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافراً ذکرہ مسکین'' وغیرہ لیکن اگر کسی جگہ فیصلہ کنندہ حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے، اس کے حکم سے فسخ وغیرہ بالکل نہیں ہوسکتا: ''**لان الکافر لیس بأهل القضاء علی المسلم کما هو مصرح فی جمیع الکتب للفقه**'' (الحیلۃ الناجزۃ ص۴۵)۔

اس مذکورہ مسئلہ کا حل یہ ہے کہ یا تو ایسی عورت اپنے آپ سے ظلم کو دفع کرنے کے لئے خلع کرائے یا پھر شرعی پنچایت یا امارت شرعیہ وغیرہ کا راستہ ڈھونڈھے۔

۳- اسی طرح کے ایک مسئلے کے جواب میں جس میں عورت کی جانب سے فیملی کورٹ میں فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کیا گیا ہے اور جج نے مقدمہ کی سماعت کے بعد عورت کے حق میں ڈگری دیدی۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی علیہ الرحمہ اپنی کتاب آپ کے مسائل اور ان کا حل میں تحریر فرماتے ہیں: فیملی کورٹ کا فیصلہ اگر شرعی قواعد کے مطابق ہو تو وہ فیصلہ بھی شرعاً نافذ ہوگا، اور اگر مقدمہ کی سماعت یا فیصلہ میں شرعی قواعد کو ملحوظ نہیں رکھا گیا تو شرعی نقطۂ نظر سے وہ فیصلہ کالعدم ہے شرعاً نکاح فسخ نہیں ہوگا۔ اور عورت کو نکاح ثانی کی اجازت نہ ہوگی۔

شرعی قواعد کے مطابق فیصلہ کی صورت یہ ہے کہ عورت کی شکایت پر عدالت شوہر کو طلب کرے اور اس سے عورت کے الزامات کا جواب طلب کرے، اگر شوہر ان الزامات سے انکار کرے تو عورت سے گواہ طلب کئے جائیں۔ یا اگر عورت گواہ نہیں پیش کرسکتی تو شوہر سے حلف لیا جائے اگر شوہر حلفیہ طور پر اس کے دعوی کو غلط قرار دے تو عورت کا دعویٰ خارج کردیا جائے گا اور اگر عورت گواہ پیش کردے تو عدالت شوہر کو بیوی کے حقوق شرعیہ ادا کرنے کی تاکید کرے۔ اور اگر عدالت اس نتیجے پر پہنچتی ہے کہ ان دونوں کا یکجا رہنا ممکن نہیں ہے تو شوہر کو طلاق دینے کا حکم دیا جائے اور اگر وہ طلاق دینے پر بھی آمادہ نہ ہو (جبکہ وہ عورت کے حقوق واجبہ بھی ادا نہیں کرتا) تو عدالت از خود فسخ نکاح کا فیصلہ کرسکتی ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ فیصلہ

کرنے والا جج مسلمان ہو ورنہ اگر جج غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا (۲۵۲/۵ آپ کے مسائل اور ان کا حل)۔ مذکورہ فیصلہ کے نافذ ہونے کے لئے کئی ایک رکاوٹ محسوس ہوتی ہے:

(۱) جج غیر مسلم ہے (۲) عدالت نے شوہر کی حاضری کے بغیر فسخ نکاح کا فیصلہ کر دیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ضابطہ کی کارروائی نامکمل ہے، اس لئے مذکورہ صورت میں محض عدالتی فیصلہ کافی نہیں ہوگا اور اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ خلع کے ذریعہ طلاق حاصل کرے یا شرعی پنچایت، امارت شرعیہ جیسے ادارے سے رجوع کرے۔

۴- جج اگر غیر مسلم حکومت اور غیر مسلم عدالت کا ہے مگر وہ مسلمان ہے اور احکام شرعیہ سے واقف ہے اور اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے تو وہ مسلمان جج مسلم حاکم یا قاضی کے قائم مقام ہوسکتا ہے جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں تحریر فرمایا ہے: ''گورنمنٹی علاقوں میں جہاں قاضی شرعی نہیں ان میں وہ حکام جج مجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں، اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قواعد کے مطابق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔

"لما فی الدر المختار: ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافراً ذکرہ مسکین وغیرہ" لیکن اگر کسی جگہ فیصلہ کنندہ حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے اس کے حکم سے فسخ وغیرہ ہرگز نہیں ہوسکتا (الحیلۃ الناجزۃ:۴۵)۔

۵- جس ملک میں ہم رہتے ہیں وہاں کی عدالت کا بائیکاٹ ہم نہیں کر سکتے۔ کوشش تو یہ ہونی چاہئے کہ مسلمان اپنے ہر قسم کے معاملات مل بیٹھ کر طے کریں اور ہندوستان جیسے ملک میں علماء، اہل دانش اور بارسوخ حضرات، مسلمانوں کے آپسی مسائل حل کرائیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: ''وإن طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فأصلحوا بینھما'' (سورۂ حجرات)۔ اور حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے اصلاح بین الناس کو انتہائی اہم کام بتایا ہے اور اس کے لئے

جھوٹ جیسی ناپسندیدہ چیز کو بھی جائز قرار دیا گیا ہے، عدالت میں معاملہ لے جانے میں وکیلوں کے مشورہ پر چلنے پر موکل مجبور ہوتا ہے۔ وکیل اگر کہتا ہے کہ تمہارے کیس کی مضبوطی کے لئے جھوٹی شہادت کی ضرورت ہے، تو کرایہ کے گواہ خریدے جاتے ہیں، اگر وکیل کہتا ہے کہ تم کو جج کے سامنے یہ بات کہنی ہوگی تو موکل قصداً جھوٹ بولنے پر آمادہ ہوجاتا ہے۔ ہندوستان کی عدالتوں میں جانے کے بعد اس طرح کی چیزوں سے بچنا اگر ناممکن نہیں ہے تو دشوار بہت ہے۔ لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی مسلمان یا غیر مسلم نے ہمارے خلاف کوئی دعویٰ دائر کردیا تو اپنے دفاع کے لئے عدالت میں جانا مجبوری ہے یا اسی طرح اگر ہمارے ساتھ کوئی ناانصافی ہورہی ہے اور ظالم طاقتور ہے، سماج کے لوگ اس کے مقابلہ میں کھڑے ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں تو ایسی پوزیشن میں بھی عدالت میں جانا لازمی اور ضروری ہوجاتا ہے۔ بالخصوص ہندوستان کے موجودہ ماحول میں بہت سارے بھولے بھالے لوگوں کو بے بنیاد الزامات کی بنا پر گرفتار کرکے جیل میں ڈال دیا جاتا ہے بلکہ انکاؤنٹر تک کردیا جاتا ہے، ایسی صورت حال میں عدالت ہی ہمارے لئے فریادرسی کا ایک مضبوط ذریعہ ہے۔ ہندوستان کے موجودہ حالات میں یہ دیکھا جارہا ہے کہ اگرچہ عدالت کی کارروائی سست رفتار ہوتی ہے، لیکن اگر صحیح ڈھنگ سے مقدمہ کی پیروی کی جائے تو اس کا مثبت نتیجہ زیادہ تر جگہوں پر برآمد ہوتا ہے، گجرات کے فساد کے بعد وہاں مظلوم مسلمانوں نے بعض ہندو تنظیموں کے تعاون سے متعدد معاملات میں کامیابی حاصل کی۔

فوجداری (جرائم)، دیوانی (یعنی مالیات) کے معاملات میں اگر آپسی صلح مصالحت سے حقدار کو حق نہ ملے تو وہ اپنے جائز حق کی وصولیابی کے لئے غیر مسلم عدالت میں بھی جاسکتا ہے۔ اس طرح کے معاملات میں اگر مسلمان، غیر مسلم عدالت میں جاتا ہے تو مسلمان کے لئے عدالت کا فیصلہ، اسی صورت میں قابل قبول ہوگا جب وہ اللہ و رسول کے قانون سے متصادم نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”من لم یحکم بما أنزل اللہ فأولئک ھم الکافرون“

(۴۴/مائدہ)،"ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئک هم الظالمون" (۴۵/مائدہ)
"وليحكم أهل الانجيل بما أنزل الله فيه ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئک هم الفاسقون" (۴۷/مائدہ)۔

عائلی مسائل میں عدالتیں بھی ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کے مطابق فیصلہ کرنے کی پابند ہیں، لیکن شاہ بانو کیس کو نظیر بنا کر بہت ساری عدالت میں جج دفعہ B۱۲۵ کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں اور بہت سی مسلمان عورتیں یا ان کے اولیاء اس فیصلہ کے مطابق طلاق دینے والے شوہروں سے کافی لمبی رقم نفقہ کے نام پر وصول کرتے ہیں، جبکہ شریعت میں شوہر عدت طلاق کے بعد اس کے نفقہ کا ذمہ دار نہیں ہے، اس لئے عدالت کا یہ فیصلہ بھی غلط ہے اور مطلقہ عورت یا اس کے اولیاء کا ایسے فیصلوں کو بنیاد بنا کر شوہر کو تنگ کرنا بھی ظلم اور تعدی ہے۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کا شرعی حکم

مولانا ابوسفیان مفتاحی ☆

۱- شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتا ہے کہ میں اپنے رشتۂ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہوں، لہٰذا میرے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کردیا جائے اور اس کے بعد عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد طلاق وفرقت کا فیصلہ کردیتی ہے تو اس صورت کا شرعی حکم یہ ہے کہ عدالت کا یہ فیصلہ شرعی اعتبار سے غیر معتبر ہے اور اس سے نہ نکاح فسخ ہوگا اور نہ عورت پر طلاق واقع ہوگی۔

اس قسم کے مقدمات کے فیصلہ کا حق شرعی قاضی کو ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے ملک ہندوستان میں علماءِ مخلصین حفظہ اللہ نے جگہ جگہ دار القضاء قائم کیا جس کے ذریعہ اس طرح کے مقدمات کے فیصلے کیے جاتے ہیں، اور جہاں شرعی قاضی نہ ہوں اور مسلمان جج کو گورنمنٹ نے اس جیسے مقدمات کا شرعی فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہوا اور وہ مسلم مجسٹریٹ شریعت کے مطابق فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ بھی قضاءِ قاضی کے قائم مقام ہوجاتا ہے، یا پھر دیندار مسلمانوں کی شرعی پنچایت (جماعت مسلمین) جس میں کم از کم ایک دو مستند عالم بھی ہوں یہ پنچایت شرعی تحقیق کے بعد فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ بھی معتبر ہوتا ہے۔ غیر مسلم مجسٹریٹ کا فیصلہ ایسے معاملات میں معتبر نہیں ہوتا، لہٰذا صورت مسئولہ میں شوہر بجائے عدالت سے رجوع کرنے کے شریعت نے جو اس

☆ جامعہ عربیہ مفتاح العلوم مئو، یوپی۔

کوحق دیا ہے یعنی طلاق دینے کا مالک بنایا ہے وہ اپنا حق استعمال کرے اور طلاق دیکر اپنے رشتۂ ازدواج کوختم کردے، بڑا احمق ہے یہ شوہر شریعت کی آسان صورت کو مشکل بنانا چاہتا ہے، اور شریعت کی صاف وشفاف تعلیم کوگندہ کرکے بدنام کرنا چاہتا ہے العیاذ باللہ، ایسے شخص کو بائیکاٹ کیا جاسکتا ہے کہ یہ اسلام ومسلمانوں کا دشمن ہے، پس یہاں کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ایسے شخص کوڈرا دھمکا کر طلاق دینے پر مجبور کریں، کہ اس کو عدالت جانے کی کوئی مجبوری نہیں ہے یہ محض شرارت نفسی ہے۔

خلاصۂ کلام: یہ ہے کہ غیر مسلم مجسٹریٹ کا فیصلۂ طلاق وتفریق معتبر نہیں شرعاً، اس صورت مسئولہ میں ڈرا دھمکا کر اس شخص کو مجبور کیا جائے کہ شریعت نے جو مرد کو طلاق دینے کا مالک بنایا ہے وہ اپنا یہ حق خود ہی استعمال کرے اور طلاق دے کر اپنے رشتۂ ازدواج کو ختم کردے، ایسا نہ کرنا اس شخص کی جانب سے شرارت نفسی ہے جو اس نے عدالت کی طرف رجوع کیا ہے۔

۲- عورت کی طرف سے عدالت میں درخواست آتی ہے کہ میرا رشتۂ نکاح ختم کردیا جائے، عدالت شوہر کو بلاکر اس سے دستخط لیتی ہے کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور کرنا ہوگا اور کارروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ کیا جاتا ہے تو اس صورت حال کا حکم یہ ہے کہ یہ عورت بجائے اس کے کہ عدالت کی طرف رجوع کرے، کیونکہ غیر مسلم جج کا فیصلہ شرعاً غیر معتبر ہے، لان الاسلام یعلو ولا یعلی علیہ یہ عورت خلع کرلیتی ہے جس کی ایک صورت یہ ہے کہ عورت اپنے شوہر کو مال دینے کی لالچ دلاکر طلاق لے لیتی ہے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ عورت جو اس کا حق واجب ہے شوہر کے ذمہ مثلاً مہر اور عدت کا نان ونفقہ اسے معاف کردیتی ہے یہ کہتے ہوئے کہ تمہارے ذمہ جو مہر ونان ونفقہ ہے وہ بھی معاف کرتی ہوں مجھ سے خلع کرلو جدائی کرلو، اور شوہر خلع کرلے تو دونوں صورتوں میں تفریق ہوجائے گی اور عورت کا رشتۂ نکاح شوہر سے ختم ہوجائے گا، یہ سب سے بہتر

و آسان صورت ہے، اس کو چھوڑ کر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا غایت درجہ کی حماقت ہے اور اگر عدالت شوہر کو بلا کر اس سے دستخط لیتی ہے کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور ہوگا، اس کارروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ کردیا جاتا ہے تو عدالت کا یہ دستخط لینا اس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے، اگر شوہر اپنی حماقت سے یہ دستخط بھی کردے تب بھی غیر مسلم جج کا فیصلۂ تفریق شرعاً معتبر نہیں ہوگا، کیونکہ غالب تو اسلام اور اسکا حکم ہی رہےگا۔ یہ اٹل فیصلہ ہے۔

خلاصۂ کلام: یہ ہے کہ اس صورت مسئولہ میں عورت اپنا نکاح ختم کرنے کے لئے اپنے شوہر سے خلع کرلے اور عدالت کی طرف ہرگز رجوع نہ کرے، اور شوہر کی دستخط غیر معتبر ہوگی شرعاً۔

۳- عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں نہیں آیا، یا آیا تو مگر دستخط تفویض پر تیار نہیں ہوا اور عدالت نے حالات کا جائزلیکر تفریق کا فیصلہ کردیا۔

اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ شریعت نے جب عورت کو یہ سہولت دی ہے کہ اپنے شوہر سے رشتۂ نکاح ختم کرنے کے لئے کچھ مال کی لالچ دے کر خلع کرے، اس سے تفریق ہوجائے گی تو اس سہولت کے ہوتے ہوئے عورت کا عدالت کی طرف رجوع کرنا حماقت پر مبنی ہے، اس خلع کی صورت کے علاوہ عدالت نے حالات کا جائزہ لیکر تفریق کا فیصلہ کردیا تو یہ فیصلہ شرعاً معتبر نہیں چنانچہ الحیلۃ الناجزہ (ص ۲۳-۲۴) میں ہے: اگر کسی جگہ فیصلہ کنندگان حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے اس کے حکم سے فسخ وغیرہ ہرگز نہیں ہوسکتا، "**لان الکافر لیس بأھل للقضاء علی المسلم کما ھو مصرح فی جمیع کتب الفقه**"۔ حتی کہ اگر روداد مقدمہ غیر مسلم مرتب کرے اور مسلمان حاکم فیصلہ کرے یا بالعکس تب بھی فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں عورت کی درخواست پر غیر مسلم جج نے فسخ نکاح کا جو فیصلہ کیا ہے وہ معتبر نہیں، اس فیصلہ سے شرعاً تفریق نہ ہوگی۔

خلاصۂ کلام: یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں عدالت کے غیر مسلم جج کا حالات کا جائزہ لیکر تفریق کا فیصلہ کرنا شرعاً معتبر نہیں، لہٰذا اس فیصلہ سے تفریق نہ ہوگی اور نہ رشتۂ نکاح ختم ہوگا۔

۴- جج اگر غیر مسلم حکومت وغیر مسلم عدالت کا ہے مگر وہ مسلمان ہے، وہ اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت اس قسم کا کام بھی کرتا ہے تو اس کو مسلم حاکم وقاضی کی حیثیت دی جاسکتی ہے اور اس حیثیت سے اس کے فیصلہ فرقت کا اعتبار کیا جاسکتا ہے۔

دیکھئے الحیلۃ الناجزۃ میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: شرعی قاضی نہ ہو تو مسلم جج کی عدالت میں مقدمہ دائر کرے جس کو شرعی قانون کے مطابق ڈگری کا اختیار ہو اور فیصلہ کرتا ہو (فتاوی رحیمیہ ۳۴/۴، ۱۴۳)۔

پس اس مسلم جج کا فیصلہ تفریق معتبر ہوگا اور غیر مسلم مجسٹریٹ کا فیصلہ معتبر نہیں، جب تک مسلمان پنچایت یا مسلم جج فیصلہ نہ کرے کورٹ کے فیصلہ پر ہرگز عمل نہ کیا جائے۔

خلاصۂ کلام: یہ ہے کہ غیر مسلم حکومت وغیر مسلم عدالت میں مسلم جج کا فیصلہ معتبر ہے جس کو شرعی قانون کے مطابق ڈگری کا اختیار ہو اور فیصلہ کرتا ہو۔

۵- غیر مسلم عدالتیں اور غیر مسلم حکام مذہبی وشرعی فیصلے نہیں کر سکتے، مثلاً نکاح اور طلاق اور میراث اور تقسیم وراثت وغیرہ صرف ملکی قانونی حد تک فیصلے کر سکتے ہیں، مسلمان اسی حد تک ان کے فیصلوں کا اعتبار کر سکتے ہیں جن میں کتاب وسنت اور اقوال صحابہ سلف وخلف رضی اللہ عنہم کی روشنی میں اور اقوال ائمہ فقہاء، محدثین رضی اللہ عنہم کی روشنی میں فیصلے کیے گئے ہوں اور باضابطہ ان کا حوالہ بھی دیا جائے۔

اس صورت مسئولہ کے اندر اس طرح کے ملک کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ مسلمانوں کی رضامندی سے اپنا کوئی قاضی بنالیں جس کی عدالت میں دعوی دائر کر کے اپنا مذہبی مسئلہ حل کرائیں اور ملکی عدالت کی طرف رجوع نہ کریں اور اپنے مسلم قاضی کے فیصلہ پر اللہ اور رسول

اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ مان کرعمل کریں، ہاں ملکی مسائل میں مثلاً زمین و جائداد کی خریداری کے سلسلہ میں لکھا پڑھی، رجسٹری وغیرہ، اور مذہبی مسائل میں غیر مسلم عدالتوں اور حکام کے پاس ہرگز نہ جائیں اور اگر جائیں گے تو اس میں بڑی خرابی یہ ہوگی کہ وہ غیر مسلم عدالتیں و حکام اسلامی امور میں مداخلت کریں گے اور مسلمانوں کے مذہبی امور کو اپنے ہی اعتبار سے دیکھیں گے جس سے زبردست فساد پھوٹ پڑے گا جس کا سدباب مشکل ہو جائے گا۔

دیکھئے: درمختار و شامی (۳۴۲/۴۵) میں ہے: ''ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر، ولوكان كافرا ذكره مسكين وغيره إلا اذا كان يمنعه عن القضاء بالحق فيحرم ولو فقد وال فغلبته الكفار وجب على المسلمين تعيين وال وامام للجمعة''۔

فتح شامی میں ہے: ''(قوله ولوكافرا) فی التاتار خانية: الاسلام ليس بشرط فيه إلا فی السلطان الذی يقلد و بلاد الاسلام التی فی أيدي الكفرة لاشک أنها بلاد الاسلام لا بلاد الحرب، لأنهم لم يظهر فيها حكم الكفر والقضاة مسلمون والملوک الذين يطيعونهم عن ضرورة مسلمون ولو كانت عن غير ضرورة منهم ففساق، وكل مصرفيه والٍ من جهتهم تجوز فيه إقامة الجمعة والأعياد وأخذ الخراج وتقليد القضاة وتزويج الأيامی لاستيلاء المسلم عليه وأما إطاعة الكفر فذاک مخادعة وأما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمعة والأعياد ويصير القاضی قاضياً بتراضی المسلمين فيجب عليهم ان يلتمسوا والياً مسلماً منهم اھ۔

وفی الفتح: واذا لم يكن سلطان ولامن يجوز التقلد منه كما هو فی بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الآن يجب على المسلمين

أن يتفقوا علي واحد منهم يجعلونه والياً فيولي قاضياً ويكون هو الذى يقضي بينهم وكذا ينصبوا إماماً يصلي بهم الجمعة اه وهذا هو الذى تطمئن النفس إليه فليعتمد"۔

خلاصۂ کلام: یہ ہے کہ غیر مسلم عدالتیں وحکام مسلمانوں کے معاملات میں صرف اسلامی قانون کتاب وسنت واجماع امت اور قیاس شرعی کے مطابق ہی فیصلہ کرسکتے ہیں اور مسلمان اسی حد تک ان کے فیصلوں کا اعتبار کرسکتے ہیں جیسے کہ ہندوستانی عدالتوں میں "مسلم پرسنل لاء" بھی ہے، اس طرح کے ملکوں کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی رضامندی سے اپنا قاضی بنالیں جو مسلمانوں کے مذہبی نزاعی مسائل میں اسلامی حل پیش کریں، پھر یہاں کے مسلمانوں کو غیر مسلم عدالتوں کا رخ کرنا جائز نہ رہے گا کیوں کہ رخ کرنے کی صورت میں وہ غیر مسلم عدالتیں اسلامی امور میں مداخلت کریں گی جو جائز نہیں، جیسا کہ ان کا مداخلت کرنا ایک امر واقعہ بنا ہوا ہے، لہٰذا مسلمانوں کو اس سے گریز کرنا لازم ہے۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کی شرعی حیثیت

مفتی محمد ابو بکر قاسمی ☆

اللہ تعالیٰ نے مردوں کی تسکین کے لئے عورتوں کو پیدا کیا ہے، لیکن مرد عورتوں سے تسکین کیسے حاصل کرے اس کے لئے مذہب اسلام نے نکاح کا پاکیزہ طریقہ رکھا ہے کہ گواہوں کی موجودگی میں دو اجنبی مرد و عورت کا ایجاب وقبول کے ذریعہ باہمی رضامندی سے نکاح عمل میں آئے، نکاح کا انعقاد اگر چہ مرد و عورت اور ان دونوں کے اولیا کی رضامندی وخوشی سے گواہوں کی موجودگی میں ہوتا ہے، لیکن انعقاد نکاح کے بعد اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں کا قوام ومحافظ اور نگراں بنایا ہے جیسا کہ خداوند قدوس کا فرمان ہے: "**الرجال قوامون على النساء**" (سورۃ النساء آیت ۳۴)۔

مردوں کی عورتوں پر فضیلت وقوامیت کا تقاضا ہے کہ رشتہ نکاح کو توڑنے اور باقی رکھنے کا اختیار مردوں ہی کے ہاتھوں میں ہو چنانچہ سورۂ بقرہ کی (آیت ۲۳۷) "**الذی بیده عقدة النكاح**" (وہ شخص جس کے ہاتھ میں گرہ نکاح کی ہے)، یعنی نکاح کو توڑنے یا باقی رکھنے کا اختیار جس شخص کو ہے، کی تفسیر میں حضور اکرم ﷺ نے "**ولی عقدة النكاح الزوج**" فرما کر شوہر کو عقد نکاح کا مالک قرار دیا ہے۔

یہ حدیث حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے امام دارقطنی نے نقل کی ہے

☆ مفتی مدرسہ اسلامیہ شکر پور بھروارہ، دربھنگہ و مہتمم مدرسہ رحیمیہ فیض العلوم برہم پور۔

نیز یہ حدیث حضرت علیؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی منقول ہے (معارف القرآن ۱/ ۵۳۳)۔

مندرجہ آیت وروایت سے معلوم ہوا کہ نکاح مکمل ہوجانے کے بعد نکاح کو قائم رکھنے یا ختم کرنے کا مالک شوہر ہے، عورت کو طلاق اس کا مرد ہی دے سکتا ہے، عورت کا طلاق کے مسئلہ میں کوئی اختیار نہیں ہے۔

شوہر کے سوا کسی کو یہ حق شوہر کی اجازت یا نیابت ہی سے حاصل ہوسکتا ہے، چنانچہ یہ اجازت و نیابت کبھی تو وکیل کو ہوتی ہے اور کبھی حاکم و حکم کو، چنانچہ بعض حالات میں شوہر کی غیر موجودگی میں بھی وکیل یا حاکم وحکم رشتہ نکاح کو توڑ دیتا ہے، البتہ وکیل کے ذریعہ نکاح کے توڑنے کا عمل شوہر کی رضاء سے ہوتا ہے لیکن حاکم کی طرف سے علیحدگی کا فیصلہ شوہر کی عدم رضاء کے باوجود بھی حاکم مجبور ہوکر کرتا ہے۔

کیونکہ شوہر کے لئے کسی عورت سے نکاح کرنے کے بعد دو شرعی حکموں میں سے ایک پر عمل لازم ہے، پہلا حکم شرعی یہ ہے کہ امساک بالمعروف پر عمل کرے، یعنی عورت کو اچھی طرح رکھے، اس کے کھانے، پینے، رہنے کا بندوبست کرے، اس کی جنسی خواہش کی تکمیل کرے اور اگر ایسا نہ کر سکے تو شوہر کے لئے دوسرا حکم شرعی یہ ہے کہ تسریح بالاحسان کرے، عورت کو باعزت طریقے سے طلاق دے کر اس کا مہر وغیرہ ادا کرکے باعزت طریقے سے آبرومندانہ زندگی گزارے، لیکن اگر کوئی نالائق وظالم شوہر ایسا نہیں کرتا تو چونکہ حاکم کو ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے اس لئے حاکم دفع ظلم کرتے ہوئے شوہر کے قائم مقام ہوکر نکاح کو توڑ دے گا، بشرطیکہ عورت عدالت شرعیہ میں پہونچ کر استغاثہ کرے تو حاکم اس کی فریاد سن کر دادرسی کرتے ہوئے اگر مناسب سمجھے گا تو نکاح کو توڑ دے گا اور عورت کو عدت گزار کر دوسری جگہ شادی کرنے کی اجازت دے دیگا، چنانچہ جن اسباب و وجوہ سے قاضی یا حاکم نکاح کے فسخ و تفریق کا فیصلہ کرتا ہے، ان

اسباب کی مکمل تفصیل حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے الحیلۃ الناجزہ میں اور حضرت مولانا عبد الصمد رحمانی علیہ الرحمہ نے کتاب الفسخ والتفریق میں بیان کردی ہے۔

اب یہاں زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ حاکم اگر مسلمان ہے خواہ شرعی قاضی ہو یا کوئی مسلم امیر ہوتو اس کے فیصلہ کا بالاتفاق اعتبار کیا جائے گا، کیونکہ مذہب اسلام نے اس کو عامۃ المسلمین کے مفادات کو ملحوظ رکھ کر اس کی ولایت عامہ کا اعلان کیا ہے، چنانچہ حدیث نبوی ہے:

"السلطان ولی من لا ولی له" (ترمذی ۱/ ۲۰۸) (بادشاہ ہر اس شخص کا ولی ہے، جس کا کوئی ولی نہ ہو)۔

لہٰذا شوہر کے ظلم کے ثبوت کی صورت میں قاضی شوہر کے قائم مقام ہوکر تفریق کا فیصلہ کرسکتا ہے، چنانچہ حضرت مولانا قمر الدین صاحب نے چند آیات قرآنی نقل کرنے کے بعد "قضایا امارت شرعیہ میں" لکھا ہے:

"فإذا ثبت من هذه الآيات أن على الزوج أحد الأمرين إما أن يوفي حقوقها من النفقة والوطء وإما أن يسرحها باحسان فان لم يفعل أحدهما وجب على القاضي ووالي المسلمين ان يفرق بينهما ان طلبته - إذا لم يكن بد من التفريق اه" (قضایا امارت شرعیہ جلد اول ص ۱۸۰)۔

اسی طرح درمختار باب العنین میں ہے: (فان وطی) مرة فبها (وإلا بانت بالتفريق) من القاضي إن أبى طلاقها (بطلبها) (قوله من القاضي إن ابى طلاقها) أي إن أبى الزوج لأنه وجب عليه التسريح بالاحسان حين عجز عن الامساک بالمعروف فاذا امتنع كان ظالماً فناب عنه واضيف فعله إليه، اه (الدر المختار مع رد المحتار باب العنین، ۲/ ۵۹۵)۔

مندرجہ تصریحات کی روشنی میں قاضی عورت کے مطالبہ پر شوہر کے طلاق دینے سے

انکار کی صورت میں-مجبور ہو کر شوہر کے قائم مقام ہو کر تفریق کا فیصلہ کر سکتا ہے، اور شرعاً قاضی کا فیصلہ نافذ العمل ہوگا۔

البتہ حاکم کے غیر مسلم ہونے کی صورت میں-تفریق کا فیصلہ معتبر ہوگا یا نہیں تو اس سلسلہ میں ہندوستان میں حضرات علماء وفقہاء کی آراء عموماً عدم اعتبار کی ہے، لیکن مغربی ممالک میں جہاں برصغیر کے باشندے بڑی تعداد میں رہتے ہیں، وہاں کے حالات میں بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ حاکم غیر مسلم بھی تو حاکم ہے، لہذا ان کے فیصلوں کا بھی اعتبار کیا جانا چاہئے، ایسی صورت میں قابل غور پہلو یہ ہے کہ بعض حضرات کی مذکورہ رائے اور ان کا رجحان شرعاً معتبر ہے یا نہیں اور اس سلسلہ میں اسلامی شریعت نے مسلمانوں کو کیا ہدایت دی ہے، لہذا مندرجہ مسئلہ کی تحقیق کے لئے سب سے پہلے ان مسائل ومعاملات کا شرعی حکم لکھا جاتا ہے، جن کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلموں سے تعلق رکھنے نہ رکھنے کے سلسلہ میں جواز وعدم جواز کا دائرہ اپنے اندر کتنی وسعت رکھتا ہے۔

سورۂ مائدہ کی (آیت ۵۷) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یا أیھاالذین آمنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم ھزوا ولعباً من الذین أوتوا الکتاب من قبلکم والکفار اولیاء"۔

(اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جنھوں نے تمہارے دین کا ٹھٹھا کیا ہے اور تمہارے دین کو کھیل کود سمجھا ہے خواہ وہ اہل کتاب میں سے ہو اور کافروں میں سے ہو)۔

مندرجہ آیت اور اس کے علاوہ اور بہت سی آیات کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے کافروں سے موالات خواہ وہ کسی قسم کے کافر ہوں ہرگز جائز نہیں ہے، موالات ولایت سے ماخوذ ہے، ولایت کے معنی نصرت ومدد، قربت اور دلی دوستی کے ہیں، ان آیات کے ذریعہ مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے کہ وہ کسی کافر کو اپنا رازدار بنائیں، ان سے دلی دوستی

رکھیں، اسی طرح کافروں سے اپنے دینی معاملات کا فیصلہ کرانا بھی شرعاً درست نہیں ہے، کیونکہ فیصل وہ ہوتا ہے جو ہمدرد ہو، جو فیصلہ کر رہا ہے اس کو مانتا ہو اور جب کافر اسلامی قانون کو نہ جانتا ہے اور نہ ہی مانتا ہے، تو پھر وہ مسلمانوں کے دینی معاملات کا کیونکر فیصلہ کرے گا۔ اسی لئے تمام علماء نے کسی بھی کافر کو مسلمانوں کا قاضی، دینی معاملات کا متولی اسی طرح مسلمانوں کے دینی معاملات میں کسی کافر کو حاکم وحکم بنانے سے سخت منع کیا ہے، لہٰذا مندرجہ آیات کی عبارت النص سے یہ مسئلہ بالکل طے ہے کہ مسلمانوں کے دینی معاملات کا فیصلہ اگر کسی کافر نے کیا تو وہ شرعاً نہ معتبر ہوگا اور نہ ہی نافذ العمل ہوگا۔ چنانچہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے جدید فقہی مسائل طبع ہفتم کے ۵۲ ؍ پر ''غیر مسلم جج کے ذریعہ تنسیخ نکاح'' کے زیر عنوان لکھا ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے مسلمانوں پر غیر مسلم قاضی نہیں ہوسکتا، فقہاء کے یہاں اس سلسلہ میں صراحتیں موجود ہیں، اس لئے غیر مسلم جج کی طرف سے نکاح فسخ کر دیا جائے تو شرعاً اس کا اعتبار نہیں، اصل یہ ہے کہ ایک بار نکاح کے وجود میں آجانے کے بعد پھر شوہر ہی اس بات کا اختیار رکھتا ہے کہ اس رشتہ کو ختم کرے، لیکن چونکہ قاضی کو مسلمان پر عمومی ولایت حاصل ہے، اس لئے وہ بہ حیثیت ولی عورت سے ظلم کو دفع کرنے کے لئے نکاح کو فسخ کر دیتا ہے، اب اس بات پر اجماع ہے کہ غیر مسلم کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں ہوسکتی، بلکہ باپ خدانخواستہ مرتد ہوجائے تو مسلمان بیٹے پر اس کی ولایت باقی نہیں رہے گی، خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''لا يتخذ المومنون الكافرين أولياء من دون المومنين ومن يفعل ذلك فليس من الله في شئ إلا أن تتقوا منهم تقة''۔

(اہل ایمان مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اولیاء نہ بنائیں، اور جو کوئی ایسا کرے گا تو وہ اللہ کے یہاں کسی شمار میں نہیں مگر ہاں ایسی صورت میں کہ تم ان سے کچھ اندیشہ رکھتے ہو) (سورۂ آل عمران آیت:۲۸)۔

لہٰذا کسی غیر مسلم جج کا نکاح فسخ کردینا غیر معتبر ہے، اور اگر عدالت اس کا فیصلہ بھی کردے تو اپنے علاقہ کے قاضی شریعت سے رجوع ہوکر دوبارہ اپنے معاملہ کی تنقیح کرانی چاہئے
(جدید فقہی مسائل جلد اول ۴۵۲ و ص ۴۵۳)۔

مندرجہ بالا تفصیلات کے پڑھنے سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ غیر مسلم حاکم وجج سے کسی مسلمان کا اپنے دینی معاملات کا فیصلہ کرانا شرعاً جائز نہیں ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ غیر مسلم جج کا فیصلہ مسلمانوں کے دینی معاملات کی بابت شرعاً معتبر نہیں ہے، اگر کسی نے ایسا کرا بھی لیا تو اس پر لازم ہے کہ اس پر عمل کرنے سے پہلے کسی مسلمان قاضی یا مسلمانوں کی شرعی پنچایت سے رجوع ہوکر از سر نو فیصلہ کرا کر اس پر عمل درآمد کرے۔

یہاں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کس قسم کے مسائل و معاملات کے فیصلہ کے لئے کسی مسلم قاضی کی ضرورت پڑتی ہے تو اس سلسلہ کی قدرے تفصیل حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب علیہ الرحمہ کے فتاوی کے مجموعہ کفایت المفتی جلد دوم میں مرقوم ہے جس کا ضروری حصہ یہاں درج کیا جاتا ہے، تاکہ اس طرح کے مسائل کو سمجھنے میں سہولت ہو۔ مولانا لکھتے ہیں:

۱- آج کل بسا اوقات کسی عورت کا خاوند مفقود ہوجاتا ہے اور عورت بھی نوعمر اور محتاج ہوتی ہے متاخرین حنفیہ کے فتویٰ کے بموجب اس کے لئے گنجائش ہے کہ وہ اپنی طبعی اور مالی مشکلات سے گلوخلاصی کی سبیل بہم پہنچائے لیکن اس کی تکمیل بغیر قاضی مسلم کے فیصلہ اور حکم کے نہیں ہوسکتی، ہزاروں عورتیں اس مصیبت میں مبتلا ہیں اور موجودہ حکومت کا قانون ان کی مصیبت رفع کرنے کے لئے ناکافی اور قاضی مسلم کا نہ ہونا ان تمام مصائب کا ذمہ دار ہے۔

۲- بہت سی نابالغ لڑکیوں کا نکاح ان کے ولی کردیتے ہیں نکاح شرعاً درست ہوجاتا ہے، مگر لڑکی کو بلوغ کے وقت اختیار رہتا ہے، کہ وہ نکاح کو باقی رکھے یا فسخ کرادے مگر فسخ کے لئے قاضی کا حکم ضروری ہے اور بغیر قاضی شرعی کے حکم کے نکاح منفسخ نہیں ہوتا موجودہ عدالتوں

کے غیر مسلم حاکم اگر فسخ بھی کردیں تو شرعاً ایسے فسخ کا اعتبار نہیں۔

۳- بہت سے جاہل مسلمان اپنی بیوی پر بیجا زنا کی تہمت لگا کر اسے کسمپرسی کے عالم میں چھوڑ دیتے ہیں، شریعت مقدسہ اسلامیہ نے ایسی صورت میں اس کا علاج لعان مقرر کیا ہے، لیکن لعان کے لئے قاضی کا مسلمان ہونا ضروری ہے اور بغیر قاضی مسلمان کے لعان کرائے ہوئے اس مشکل کا کوئی حل نہیں۔

۴- اسی طرح کوئی شریف اپنی بیوی کو بدچلنی میں مبتلا پائے اس کی سبیل بھی لعان ہے جس کے لئے قاضی مسلم ضروری ہے۔

۵- اگر کوئی جاہل اپنی ساس کے ساتھ ناجائز حرکت کرے، تو اس کی بیوی اس پر حرام ہوجاتی ہے لیکن ان دونوں میں تفریق قاضی شرعی کرسکتا ہے اور اس کے نہ ہونے کی وجہ سے بسا اوقات عورتیں سخت گناہ میں مبتلا رہتی ہیں اور کوئی چارۂ کار نہیں پاتیں۔

۶- بہت سی عورتوں کو ان کے خاوند معلقہ کرکے چھوڑ دیتے ہیں نان ونفقہ نہیں دیتے اور کسی طرح راہِ راست پر نہیں آتے، ایسے وقت میں شرعاً بعض ائمہ کے مذہب کے موافق قاضی تفریق کرسکتا ہے، لیکن قاضی شرعی نہ ہونے کی وجہ سے ہزاروں عورتیں مبتلائے عذاب ہیں اگر غیر مسلم تفریق کا حکم بھی کردے تاہم نکاح منفسخ نہیں ہوگا۔

۷- اگر عورت کو مرد نے طلاق نہیں دی ہے مگر عورت نے طلاق دیدینے کا دعویٰ کردیا اور گواہ پیش کردئے اور موجودہ عدالت نے طلاق تسلیم کرکے تفریق کا حکم کردیا، تو یہ حکم شرعی عدالت نہ ہونے کی وجہ سے کالعدم ہے، البتہ شرعی عدالت ہوتی اور قاضی مسلم یہ حکم کرتا تو درست ہوجاتا اور عورت بعد عدت دوسرا نکاح کرلیتی تو زنا کے گناہ میں گرفتار نہ ہوتی۔

۸- عنین کے معاملہ میں اور مجنون کے معاملہ میں قاضی شرعی کا فیصلہ ضروری ہے، غیر مسلم حاکم اگر نکاح کو فسخ بھی کردیں جب بھی وہ منفسخ نہیں ہوتا، اور زوجین یا دونوں میں سے ایک

گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔

۹-رمضان شریف کے چاند دیکھنے اور عید کے چاند دیکھنے کی شہادت قبول کرنا اور صوم یا فطر کا حکم دینا قاضی مسلم کا کام ہے جس کے نہ ہونے سے بہت سے جھگڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح اور بہت سے مسائل ہیں جن کا شرعی فیصلہ مسلمان قاضی پر موقوف ہے، واللہ اعلم ۔(کفایت المفتی جلد دوم کتاب القضاء والافتاء مطبوعہ کراچی ۲۶۷ تا ص ۲۶۸)۔

اب تک جو کچھ تحریر کیا گیا اسکے پڑھنے سے جہاں ان مسائل کا اجمالی علم ہوا جن کے فیصلہ کے لئے مسلمان قاضی کی ضرورت ہے، وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ ان مسائل میں غیر مسلم جج کا فیصلہ شرعاً نہ معتبر ہے اور نہ ہی وہ نافذ العمل ہوگا۔

مذکورہ تمہیدی باتوں کے بعد فقہ اکیڈمی کے مرسلہ سوالوں کا جواب لکھا جاتا ہے:

شوہر کا غیر مسلم عدالت میں فسخ نکاح کی درخواست دینا:

۱- شوہر کو خود اللہ تعالی نے اپنے رشتۂ نکاح کو ختم کرنے کا اختیار دیا ہے، ایسی صورت میں شوہر کا غیر مسلم عدالت میں فسخ نکاح کی درخواست دیکر نکاح کو ختم کرانا اور وہ بھی غیر مسلم جج سے ایک لایعنی عمل ہے، البتہ اگر از خود طلاق دینے کی صورت میں خطرہ ہو کہ عورت کے مقدمہ کر دینے کی صورت میں غیر مسلم حکومت کا غیر مسلم جج پریشان کر سکتا ہے تو اپنے بچاؤ کی خاطر بیوی کو طلاق دیکر تفریق تو خود کر دے، البتہ بر بنائے احتیاط اپنے تحفظ کی خاطر غیر مسلم جج کے ذریعہ بھی اپنے فیصلہ کی تائید و توثیق کرالے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے، جیسا کہ سورۂ آل عمران کی آیت ۲۸ میں وارد الفاظ الا ان تتقوا منهم تقة میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

عورت کا غیر مسلم عدالت میں فسخ نکاح کی درخواست دینا اور مرد کا پیشگی دستخط کر کے عدالت کے فیصلہ کو منظور کرنا:

۲- اگر عورت نے غیر مسلم عدالت میں غیر مسلم جج کے پاس رشتۂ نکاح کو ختم کر دینے کی

درخواست دی اور شوہر نے بخوشی عدالت کے فیصلہ کو منظور کرنے کے ثبوت کے لئے دستخط کردیا اور پھر غیر مسلم جج نے علیحدگی کا فیصلہ کردیا تو شوہر کے اس دستخط کی حیثیت تحریری طلاق کی ہوگی اگر شوہر اس فیصلہ سے رضامند ہے اور اپنی رضامندی کا اس نے اپنے دستخط کے ذریعہ اظہار کردیا ہے تو ایسی صورت میں عورت پر ایک طلاق واقع ہوگی، کما قال الفقهاء: **الکتاب کالخطاب في حق الغائب والحاضر** (ہدایہ جلد چہارم، مسائل شتی) قال في رد المختار: **ولو قال: أكتب طلاق امرأتي كان اقراراً بالطلاق وان لم يكتب** (رد المختار ۴۶۵/۲)۔

عورت کا فسخ نکاح کی درخواست غیر مسلم جج کے پاس دینا اور مرد کا عدالت کے فیصلہ پر رضامند نہ ہونا:

۳- اگر عورت نے غیر مسلم جج کے پاس فسخ نکاح کی درخواست دی اور مرد عدالت میں نہیں آیا یا آیا مگر اس کو عدالت کا فیصلہ منظور نہیں ہے اور نہ ہی اس نے کوئی دستخط کیا ہے تو ایسی صورت میں غیر مسلم جج کا نکاح کو فسخ کرنا شرعاً معتبر نہیں ہے، اگر عورت مرد سے علیحدہ رہنا چاہتی ہے تو اسے چاہئے کہ اگر وہاں کوئی شرعی قاضی ہے تو اس کے پاس درخواست دیکر اپنا نکاح فسخ کرائے اور اگر شرعی قاضی نہیں ہے تو شرعی پنچایت میں اپنا معاملہ پیش کر کے مسلم پنچوں کے ذریعہ اپنا نکاح فسخ کرائے (ملاحظہ ہو جدید فقہی مسائل ۱/ ۴۵۳، الحیلۃ الناجزۃ للتھانوی)۔

غیر مسلم حکومت اور غیر مسلم عدالت میں مسلم جج کا فیصلہ فرقت:

غیر مسلم حکومت کی غیر مسلم عدالت میں اگر کوئی جج مسلمان ہے اور اس کو مسلمانوں کے مسائل کا شریعت اسلامی کے مطابق فیصلہ کرنے کا اختیار ملا ہوا ہے، اور وہ کسی عورت کے فسخ نکاح کی درخواست کو سن کر اسلامی شریعت کا لحاظ کرتے ہوئے نکاح کو فسخ کردیتا ہے تو شرعاً اس کا

فیصلہ فرقت معتبر ہوگا، چنانچہ شامی میں ہے: "إذا ولي الكافر عليهم قاضيا ورضيه المسلمون صحت توليته بلا شبهة" (ردالمحتار مطلب في تولية القضاء في بلاد الخ)۔

(جب کسی غیر مسلم حاکم نے کسی مسلمان جج کو مسلمانوں کا قاضی مقرر کیا اور مسلمانوں کو وہ پسند ہو تو بلاشبہ اس کا قاضی بنایا جانا صحیح ہے)۔

جن مسائل و معاملات میں قاضی یا مسلم حاکم کے فیصلہ کی ضرورت پڑتی ہے وہاں تو غیر مسلم جج کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں ہے، البتہ عام دنیاوی معاملات میں جہاں قضائے قاضی کی ضرورت نہ ہو، غیر مسلم جج کا فیصلہ بھی معتبر ہوگا۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا محمد جعفر ملی رحمانی ☆

۱- اگر شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتا ہے کہ میں اپنے رشتۂ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہوں، لہٰذا میرے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کردیا جائے، اور اس کے بعد عدالت باضابطہ کارروائی کرنے کے بعد طلاق وفرقت کا فیصلہ کردیتی ہے، تو یہ صورت تحکیم کی ہے، جو شرعاً درست نہیں، کیوں کہ شرعاً غیر مسلم جج مسلمانوں کا حکم نہیں بن سکتا، لہٰذا غیر مسلم جج کا فیصلہ بھی غیر معتبر ہوگا۔

ما فی "القرآن الکریم" ﴿ألم تر إلی الذین یزعمون أنهم آمنوا بما أنزل إلیک وما أنزل من قبلک یریدون أن یتحاکموا إلی الطاغوت وقد أمروا أن یکفروا به، ویرید الشیطن أن یضلهم ضلٰلاً بعیدا﴾ (کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں کی جو دعوی رکھتے ہیں کہ وہ اس (کتاب) پر ایمان لے آئے ہیں، جو آپ پر نازل کی گئی ہے، اور آپ سے ماقبل نازل ہوچکی ہے، (لیکن) چاہتے یہ ہیں کہ اپنے مقدمہ طاغوت کے پاس لے جائیں (بجائے اس کے کہ اسے شریعت کی عدالت میں لائیں، ماجدی)، حالانکہ انہیں حکم مل چکا ہے کہ اس کے مقابلہ میں کفر اختیار کریں، اور شیطان تو چاہتا ہی یہ ہے کہ انہیں بھٹکا کر بہت دور دراز لے جائے) (سورۃ النساء: ۶۰)۔

☆ جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا۔

وقوله تعالیٰ أیضا: ”فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم“ (سو آپ کے پروردگار کی قسم ہے کہ یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ لوگ اس جھگڑے میں جو ان کے آپس میں ہو، آپ کو حکم نہ بنالیں)(سورۃ النساء:۶۵)۔

ما فی ”التفسیر المنیر“: کانت الآیات السابقة تندیداً بموقف المنافقین الذین أعرضوا عن التحاکم إلی الرسول و آثروا علیه التحاکم إلی الطاغوت، وهنا أراد الله تعالیٰ تقریر مبدأ عام وهو فرضیة طاعة الرسول بل وکل رسول مرسل ...... (شیخ وہبہ زحیلی تفسیر منیر میں فرماتے ہیں کہ آیاتِ سابقہ میں ان منافقین کے موقف کی برائی ظاہر کی گئی ہے جنہوں نے حضور علیہ السلام کو حکم بنانے سے اعراض کیا اور آپ کے مقابلہ میں طاغوت کو حکم بنانے کا فیصلہ کیا)(۳/ ۱۴۴)۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرِ قرآن مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں:”بعد وفات آپ کی شریعت حکم بننے کے لیے کافی ہے، فقہاء نے اس آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ جو کوئی اللہ یا اس کے رسول کے کسی حکم میں شک وشبہ کرے یا ماننے سے انکار کرے، وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے“۔وفی هذه الآیة دلالة علی أن من رد شیئا من أوامر الله تعالیٰ أو أوامر رسول ﷺ فهو خارج من الإسلام، سواء رده من جهة الشک فیه أو من جهة ترک القبول والامتناع من التسلیم۔ ”جصاص“ (تفسیر ماجدی مع ترجمہ)۔

مافی ”الموسوعة الفقهیة الکویتیه“: شروط الحکم: أن یکون أهلا لولایة القضاء، وعلی ذلک اتفاق المذاهب الأربعة ...... ومن ذلک: أنه یشترط فی الحکم الإسلام إن کان حکماً بین مسلمین، أو کان أحدهما مسلماً (۱۰/ ۲۳۷)۔

ما فی ”تبیین الحقائق للزیلعي“ فیشترط فیه (أی فی الحکم) ما

يشترط في القاضي۔ اهـ زيلعي. (۱۱۸/۵، کتاب القضاء، باب التحکیم، دار الکتب العلمیۃ بیروت)۔

وما في "حاشية الشلبي على التبيين": (أهله أهل الشهادة)...... قال الشلبي: وإنما شرط شرائط الشهادة من الحرية والعقل والبلوغ والعدالة في القضاء لأن القضاء ولاية كالشهادة بل القضاء ولاية عامة، فلما اشترط في الشهادة من الصفات كان اشتراطها في القضاء أولى اهـ. (۸۱/۵، کتاب القضاء، الدر المختار مع رد المحتار: ۲۳/۸، کتاب القضاء، الفتاوی الہندیۃ: ۳۰۷/۳، کتاب أدب القاضي، الباب الأول ...... الخ، مکتبہ زکریا)۔

وما في "الحيلة الناجزة" ولأن الكافر ليس بأهل للقضاء على المسلم كما هو مصرح في جميع كتب الفقه ...... یعنی کافر مسلمان کے فیصلے کرنے کا مجاز نہیں ہے، جیسا کہ کتب فقہ میں وضاحت ہے۔(ص ۶۰، مکتبہ رضی دیوبند)۔

وما في "نوادر الفقه": في الأحكام السلطانية للإمام الماوردي: فلا يجوز تقليد القضاء إلا لمن كملت فيه سبع شرائط: الذكورة والبلوغ والعقل والحرية والإسلام والعدالة والسلامة في السمع والبصر والعلم، وأما الإسلام فلأن الفاسق المسلم لا يجوز أن يلي فأولىٰ أن لا يلي الكافر ...... وفي حاشية الأحكام السلطانية: قال الله تعالىٰ: " ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا" (۲۹۲/۲، کراچی، فتاوی محمودیہ: ۱۷۰/۱۳، باب الفسخ والتفریق، فتاوی رحیمیہ: ۳۷۷/۸، کفایت المفتی: ۱۲۲/۲، فتاوی عثمانی: ۳۵۹/۲)۔

۲- اگر عورت غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتی ہے کہ میرا رشتۂ ازدواج ختم کردیا جائے، اور عدالت شوہر کو بلا کر اسے دستخط لیتی ہے، کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور کرنا ہوگا، اور کارروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ کردیا جاتا ہے، تو یہ صورت بھی تحکیم کی ہے، جو شرعاً درست نہیں

ہے (حوالہ سابق)، کیوں کہ صورتِ اولیٰ میں جب زوجین کی آپسی رضامندی کے باوجود تحکیم غیر مسلم جج درست نہیں، تو اس صورت میں جس میں جبراً شوہر سے دستخط لی جاتی ہے، بدرجۂ اولیٰ تحکیم غیر مسلم درست نہیں۔

ما في "الفتاوى الهندية" رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانة فكتب امرأته فلانة بنت فلان طالق لا تطلق، كذا في فتاوى قاضيخان۔ (۱/۳۷۹، کتاب الطلاق، الفصل السادس في الطلاق بالکتابۃ)۔

ما في "رد المحتار مع الدر المختار" وفي البحر أن المراد الإكراه على التلفظ بالطلاق، فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق، لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا(۴/۴۴۰، كتاب الطلاق، مطلب في الإكراه على التوكيل بالطلاق) (فتاوی رحیمیہ:۸/۳۰۹، فتاوی مفتی محمود ۶/۸۲)۔

۳— عورت نے عدالت میں درخواست دی، مگر شوہر عدالت میں نہیں آیا، یا آیا مگر دستخط و تفویض پر تیار نہیں ہوا، اور عدالت نے حالات کا جائزہ لیکر تفریق کا فیصلہ کر دیا، تو شرعاً فرقت واقع نہیں ہوگی، کیونکہ شرعاً طلاق کا حق مرد کو حاصل ہے نہ کہ عورت کو، جیسا کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے: "طلاق کا مالک وہ شخص ہے جس نے ساق یعنی پنڈلی کو لازم پکڑا"۔

(۴) مافي القرآن الكريم: "لاجناح عليكم إن طلقتم النساء مالم تمسوهن أو تفرضوا لهن فريضة" ...... (تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان بیویوں کو جنہیں تم نے نہ ہاتھ لگایا اور نہ ان کے لیے مہر مقرر کیا طلاق دے دو)(سورۃ البقرۃ/۲۳۶)۔

ما في "أصول الشاشي": قال صاحب أصول الشاشي: وظاهر في استبداد الزوج بالطلاق۔ (ص:۲۲ فصل في المتقابلات، مکتبہ بلال بکڈپو دہلی)۔

ما في "السنن لإبن ماجة" عن عكرمة عن ابن عباس قال: "أتى النبي

ﷺ رجل فقال: يا رسول الله! سيدى زوجني أمته وهو يريد أن يفرق بيني وبينها، قال: فصعد رسول الله ﷺ المنبر فقال: يأيها الناس ما بال أحدكم يزوج عبده من أمته ثم يريد أن يفرق بينهما، إنما الطلاق لمن أخذ بالساق'' (۱/۱۵۱، باب طلاق العبد، مکتبہ بلال دیوبند، فتح القدیر ۳/۴۷۶، کتاب الطلاق، فصل ويقع طلاق كل زوج ا ھ دار الکتب العلمیہ بیروت)۔

ما في ''إنجاح الحاجة على هامش ابن ماجة'' قوله: ''إنما الطلاق لمن أخذ بالساق'' كناية عن الجماع أي إنما يملك الطلاق من يملك الجماع، فليس للسيد جبر على عبده إذا أنكح أمته۔ (۱/۱۵۱)۔

ما في ''فقه السنة لسيد سابق'': جعل الإسلام الطلاق من حق الرجل وحده۔ (۲/۲۸۲، کتاب الطلاق، الطلاق من حق الرجل وحده، الفتح للإعلام العربي القاہرۃ)۔

وما في ''الدر المنثور للسيوطي'' وأخرج عبد بن حميد وابن أبي حاتم عن أبي مالک: ''وللرجال عليهن درجة'' قال: يطلقها وليس لها من الأمر شيء۔ (۱/۴۹۴، سورۃ البقرۃ/الآیۃ:۲۲۸، دار الکتب العلمیۃ بیروت)۔

وما في ''التفسير الكبير للرازي'': والسابع: أن الزوج قادر على تطليقها، وإذا طلقها فهو قادر على مراجعتها، شاءت المرأة أم أبت، أما المرأة فلا تقدر على تطليق الزوج، وبعد الطلاق لا تقدر على مراجعة الزوج، ولا تقدر أيضا على أن تمنع الزوج من المراجعة۔ (۲/۴۴۱، مکتبہ علوم اسلامیہ لاہور، منتخبات نظام الفتاوی ۲/۲۴۵، فتاوی محمودیہ ۱۳/۱۷۰)۔

۴- اگر غیر مسلم حکومت وغیر مسلم عدالت نے کسی مسلمان کو جج بنایا، اور اسے عمومی فرائضِ منصبی کے تحت فسخ وتفریق کا کام بھی سونپا ہو، تو اس کو مسلم حاکم وقاضی کی حیثیت دی جائے گی۔

فتاوی رحیمیہ میں ہے: ”جہاں شرعی قاضی نہ ہو اور مسلم جج کو گورنمنٹ نے اس جیسے مقدمات کا شرعی فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہو، اور وہ مسلم مجسٹریٹ شریعت کے مطابق فیصلہ کرے، تو اس کا فیصلہ بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے“(۸/ ۸۳، کفایت المفتی ۶/ ۱۳۰، الحیلۃ الناجزۃ ص ۶، مکتبہ رضی دیوبند)

”ومافی ”الدر المختار“ ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافراً“ (ص ۴۶۵، کتاب القضاء، دار الکتب العلمیۃ بیروت)۔

نیز اس صورت میں اس کا فیصلہ فرقت بھی معتبر ہوگا، بشرطیکہ وہ شرعی بنیادوں پر مبنی ہو، کیوں کہ ایسا قاضی و حاکم جس کو مسلم حکومت عہدۂ قضاء پر فائز کرے، اور وہ غیر شرعی فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ نافذ و معتبر نہیں ہوتا، تو جس قاضی و حاکم کو غیر مسلم حکومت و عدالت فسخ و تفریق کا کام سونپے اور وہ غیر شرعی بنیادوں پر فیصلہ کرے، تو اس کا فیصلہ بھی بدرجۂ اولی نافذ و معتبر نہیں ہوگا، جیسا کہ فقہ کا قاعدہ ہے کہ جب مخالف اجماع کسی شئ کا فیصلہ کیا جائے تو وہ نافذ نہیں ہوتا ہے۔

”ما فی ”قواعد الفقہ“ إذ قضی بشیٔ مخالف للإجماع لاینفذ“ (ص ۵۷، قاعدہ نمبر: ۲۴)۔

اجماع دلائل شرعیہ میں سے ایک دلیل ہے، اور اس کے خلاف فیصلہ نافذ و معتبر نہیں ہوتا، اور اس عدم اعتبار و عدم نفاذ کی علت ”اس فیصلہ کا غیر شرعی اصولوں پر مبنی ہونا ہے“، تو ہر ایسا فیصلہ جو غیر شرعی بنیادوں پر مبنی ہو وہ بھی نافذ و معتبر نہیں ہوگا، نیز فقہ کا یہ قاعدہ ہے: کہ جو چیز فاسد پر مبنی ہو وہ خود بھی فاسد ہوتی ہے، اور جس چیز کی اساس و بنیاد صحیح ہو وہ خود بھی صحیح ہوتی ہے۔

”ما فی ”موسوعة قواعد الفقهية“: المبنی علی الفاسد فاسد ...... ما بنی علی فاسد أو باطل فهو فاسد وباطل وذلک فی التصرفات القولية والعقود، وما کان أساسه صحيحاً کان صحيحا“ (۹/ ۴۳۹)۔

غیر مسلم ممالک میں عدالتوں کی طلاق

مولانا خورشید احمد اعظمی☆

اسلامی شریعت کا مرجع و اساس کتاب اللہ اور سنت رسول ہیں، اور کسی بھی امر میں تنازع کے وقت ان ہی کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

"یا أیها الذین آمنوا أطیعوا الله وأطیعوا الرسول وأولي الأمر منکم فإن تنازعتم في شيء فردوه إلی الله والرسول إن کنتم تومنون بالله والیوم الآخر، ذلک خیر وأحسن تاویلا" (النساء:۵۹)۔

(اے لوگو! جو ایمان لے آئے، اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اور حاکموں کی جو تم میں سے ہیں ان کی اطاعت کرو، اور اگر تم کسی چیز میں اختلاف کر بیٹھو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہی بہتر ہے اور اچھا ہے انجام کے اعتبار سے)۔

کیونکہ کتاب و سنت کے ذریعہ اللہ کا حکم معلوم ہوتا ہے، اور اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرنا (یا نہ چاہنا) فسق و ظلم اور کفر کا کام بتایا گیا ہے، "ومن لم یحکم بما أنزل الله فأولئک هم الفاسقون" نیز ایک آیت کریمہ میں یہ ارشاد ہے:

"فلا وربک لایومنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم ثم لایجدوا في أنفسهم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما" (نساء:۶۵)۔

☆ محلہ رگھوناتھ پورہ، مئو۔

(توقسم ہے آپ کے رب کی وہ مومن نہیں ہوں گے یہاں تک کہ آپ کو حکم اور منصف بنائیں اس جھگڑے میں جو ان کے درمیان پیدا ہو، پھر آپ کے فیصلہ سے اپنے جی میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور تسلیم کرلیں اس کو پورے طور پر)۔

اللہ اور رسول یعنی کتاب وسنت کے ذریعہ کسی امر میں فیصلہ ہو جائے تو پھر کسی مومن مرد یا عورت کو اب اس میں اپنا کوئی اختیار نہیں رہتا، نیز اللہ اور رسول کے فیصلہ کو نظر انداز کر کے اپنا اختیار چلانا معصیت وگناہ ہے، اور گمراہی وضلالت ہے جیسا کہ سورہ احزاب آیت ۳۶ کے مضمون سے پتہ چلتا ہے۔

لہٰذا اہل ایمان کے مابین جب بھی کسی امر میں نزاع اور مشاجرت پیدا ہو، اور اس کے لئے کسی حکم یا جج کی ضرورت پیش آئے تو انہیں اپنا معاملہ غیر مسلم عدالت میں لے جانے سے پرہیز کرنا چاہئے، کیونکہ فیصلہ کرنا یہ بھی ایک طرح کی ولایت ہے اور کسی غیر مسلم کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں، قاضی یا حکم ہونے کے لئے اسلامی شریعت میں کچھ قیود وشرائط ہیں جن کا پایا جانا ضروری ہے:

"ولاتصح ولاية القاضي حتى يجتمع في المولى شرائط الشهادة" (ہدایہ ۱۱۴/۴)۔

(اور قاضی کی ولایت درست نہیں ہوگی یہاں تک کہ قاضی مقرر کئے گئے شخص کے اندر شہادت کی شرائط جمع پائی جائیں)۔

"وحاصله: أن شروط الشهادة من الإسلام والعقل، والبلوغ، والحرية، وعدم العمى والحد في القذف شروط لصحة توليته، ولصحة حكمه بعدها ومقتضاه أن تقليدا لكافر لايصح" (شامی ۲۳/۸)۔

(اور اس کا حاصل یہ ہے کہ شہادت کی شرائط یعنی مسلمان ہونا، عاقل ہونا، بالغ ہونا، آزاد ہونا، اور اندھا نہ ہونا، محدود فی القذف نہ ہونا قاضی کی تقرری کے صحیح ہونے کے لئے شرط

ہیں، نیز اس کے بعد اس کے فیصلہ کے صحیح ہونے کے لئے بھی، اور اسکا مقتضا یہ ہے کہ کافر کو یہ منصب دینا صحیح نہیں ہوگا)۔

اسی طرح غیر مسلم کو حکم بنانا بھی درست نہیں، اس کے لئے بھی وہی شرائط ہیں جو قاضی کے لئے ہیں:

''ولایجوز تحکیم الکافر والعبد والذمی والحدود فی القذف والفاسق والصبی لانعدام أھلیة القضاء'' (ہدایہ ۳/ ۱۲۷)۔

(اور حکم بنانا جائز نہیں کافر کو، غلام کو، ذمی کو، محدود فی القذف کو اور فاسق کو، اور نابالغ کو قضا کی اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے)۔

لہٰذا رشتۂ نکاح سے متعلق امور میں زوجین کو اپنے نزاع غیر مسلم ممالک میں عدالتوں تک لے جانے سے اجتناب کرنا چاہئے، اور ان ممالک میں جن میں کفار ومشرکین کا غلبہ ہو، مسلمانوں کو اپنی ایک پنچایت بنالینی چاہئے، اور باہمی اتفاق سے اپنا کوئی سربراہ اور امیر مقرر کرلینا چاہئے جو ان سب امور میں ان کے درمیان فیصلہ کرسکے، علامہ ابن الہمام ؒ فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

''یجب علیھم أن یتفقوا علی واحد منھم یجعلونه والیاً فیولی قاضیا أو یکون ھو الذی یقضی بینھم وکذا ینصبوا لھم إماما یصلی بھم الجمعة'' (۶/ ۳۶۵)۔

(مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنے میں سے کسی ایک پر اتفاق کرلیں اور اسے والی بنالیں، جو قاضی کو مقرر کرے یا وہ خود ہی ان کے درمیان فیصلہ کرے، ایسے ہی کسی کو امام بنالیں جو انہیں جمعہ کی نماز پڑھائے)۔

فتح القدیر کی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد علامہ شامی رحمہ اللہ نہر کے حوالہ سے لکھتے ہیں: (شامی ۸/ ۴۴)۔

''وهذا هو الذی تطمئن النفس إليه فليعتمد، نهر''۔

(اور یہی وہ رائے ہے جس پر نفس مطمئن ہوتا ہے لہٰذا اس پر اعتماد کیا جائے)، اس تمہید کے بعد یہ عرض ہے کہ:

۱- اگر شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتا ہے کہ میں اپنے رشتۂ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہوں، لہٰذا میرے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کردیا جائے، اور اس کے بعد عدالت، ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد طلاق وفرقت کا فیصلہ کردیتی ہے تو محض عدالت کے فیصلہ کی وجہ سے عورت مطلقہ نہیں ہوگی جب تک شوہر خود طلاق نہ دے، اور عدالت میں اسکی یہ درخواست تفویض نہیں مانی جائے گی۔

۲- عورت عدالت میں درخواست دے کہ میرا رشتۂ نکاح ختم کردیا جائے اور عدالت کی طلب پر شوہر بھی دستخط کردیتا ہے کہ جو فیصلہ ہوگا منظور ہوگا، یہ تحکیم کی صورت ہوگی، اور غیر مسلم کو حکم بنانا درست نہیں ہے، کیونکہ حکم کے اندر وہ اہلیت پائی جانی چاہئے، جو گواہی کے لئے ہے اور غیر مسلم اسی اہلیت سے محروم ہے، اس لئے اس کا فیصلہ اثر انداز نہیں ہوگا، اس کے فیصلہ سے دونوں میں فرقت اور طلاق نہیں ہوگی، شوہر اسے طلاق دینے پر راضی ہے تو خود اپنے الفاظ سے طلاق دے۔

۳- عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں نہیں آیا، یا آیا مگر وہ دستخط پر تیار نہیں ہوا، اور عدالت نے حالات کا جائزہ لے کر تفریق کا فیصلہ کردیا تو معتبر نہیں ہوگا، اور طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ غیر مسلم کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں۔

ایسے ہی ایک مسئلہ میں کہ عورت نے کنیڈا میں کورٹ میں درخواست دی کہ میں اپنے شوہر کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی، مگر شوہر طلاق دینا نہیں چاہتا، اسی لئے اس نے کورٹ میں دستخط نہیں کئے اس کے جواب میں مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لکھتے ہیں:

''کورٹ نے عورت کی درخواست پر فسخ نکاح کا فیصلہ کردیا تو یہ فیصلہ شرعی اعتبار سے غیر معتبر ہے اور اس سے نہ نکاح فسخ ہوگا، اور نہ عورت پر طلاق واقع ہوگی، اس قسم کے مقدمات کے فیصلہ کا حق شرعی قاضی کو ہوتا ہے۔ اور جہاں شرعی قاضی نہ ہو اور مسلم جج کو گورنمنٹ نے اس جیسے مقدمات کا شرعی فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہو اور وہ مسلم مجسٹریٹ شریعت کے مطابق فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہوجاتا ہے یا پھر دیندار مسلمانوں کی شرعی پنچایت (جماعت مسلمین) جس میں کم از کم ایک دو مستند عالم بھی ہوں یہ پنچایت شرعی تحقیق کے بعد فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ بھی معتبر ہوتا ہے، غیر مسلم مجسٹریٹ کا فیصلہ ایسے معاملات میں معتبر نہیں ہوتا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں عورت یا تو شوہر سے طلاق حاصل کرے، اگر وہ انکار کرے تو خلع کرے، یا پھر شرعی پنچایت میں اپنا معاملہ پیش کرکے ان کے فیصلہ کے مطابق عمل کرے''

(فتاوی رحیمیہ ۸/۴۰۴)۔

عورت کے مطلقہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ شوہر خود زبانی طلاق دے یا خود کوئی تحریر لکھے، یا پھر کسی کو وکیل بنائے، یا شرعی قاضی یا حکم اس کے طلاق کا فیصلہ کرے، غیر مسلم عدالت میں غیر مسلم قاضی پر شرعی قاضی کا اطلاق نہیں ہوگا۔

۴۔ غیر مسلم عدالت میں کوئی مسلمان جج ہے، اور وہ اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت اس قسم کا کام بھی کرتا ہے، تو اس کے فیصلۂ فرقت سے دونوں کے درمیان تفریق ہوجائے گی، کیونکہ غیر مسلم حاکم کا مسلمان شخص کو جج اور قاضی بنانا درست اور جائز ہے۔

''**ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافراً**'' (درمختار ۸/۴۳)۔

(اور عادل حاکم و ظالم حکمراں اگر چہ وہ کافر ہو اس کی طرف سے قاضی مقرر ہونا جائز ہے)۔

"ولكن إذا ولي الكافر عليهم قاضيا ورضيه المسلمون صحت توليته بلاشبهة، تأمل، ثم إن الظاهر أن البلاد التي ليست تحت حكم سلطان، بل لهم أمير منهم مستقل بالحكم عليهم بالتغلب أو باتفاقهم عليه يكون ذلک الأمير في حکم السلطان فيصح منه تولية القاضي عليهم" (شامی ۸/۴۴)۔

(لیکن جب کافر حکمراں ان پر کسی کو قاضی مقرر کردے اور مسلمان اس سے راضی ہو تو تقرری کرنا، بلاشبہ درست ہوگا، پھر ظاہر یہ ہے کہ وہ ممالک جو کسی سلطان کے ماتحت نہیں ہیں، بلکہ ان پر انکا اپنا کوئی مستقل حاکم ہے، غلبہ پاکر یا ان کے اس اتفاق کر لینے کیوجہ سے تو یہ امیر سلطان کے حکم میں ہوگا، اور اس کا ان پر قاضی مقرر کرنا درست ہوگا)۔

۵- وہ امور جو مسلمانوں کے مابین خاص ہیں، اور وہ معاملات غیر مسلم کے ساتھ درست نہیں مثلاً نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ امور ان میں غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر نہیں ہوگا۔

☆☆☆

غیرمسلم ممالک میں آباد ہونے والے مسلمانوں کی ذمہ داریاں اوران کے حق میں غیرمسلم حکام کے فیصلے

مفتی محمداقبال ٹنکاروی☆

اسلام ایک جامع اورآفاقی دین ہے،اس میں انسان کی رہنمائی ہراعتبار سے ہے،اس کی افادیت روزروشن کی طرح عیاں ہے،اس دین میں اجتماعی نظام کی بڑی اہمیت ہے، جہاں ''واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولاتفرقوا'' کاحکم الٰہی ہے وہیں حضرت عمرؓ کا قول ''لا إسلام إلا بجماعة، ولا إمارة إلا بطاعة'' ہے،اسی اجتماعیت کے لئے''اولوالأمر'' کی اطاعت کو فرض کیا گیا ہے،اسی کے ساتھ ساتھ قرآن مجید میں فریقین کے نزاعات کوحل کرنے کے لئے عدل وانصاف قائم کرکے حقوق کی حفاظت اوراسلامی شریعت کے احکام کی تنفیذ کاحکم دیا گیا ہے؛ کیوں کہ قانون کوزندگی میں نافذ کرکے ہی ہم قیام عدل کافریضہ انجام دے سکتے ہیں، اور''مشینری'' جواللہ کی شریعت کوانسانوں پرنافذ کرتی ہےاوران کے باہمی تنازعات کوخدا کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصل کرتی ہے،شریعت کی اصطلاح میں اسے''قضاء'' کہتے ہیں اورجوشخص اس منصب پرفائز ہوا سے''قاضی'' کہتے ہیں۔

چوں کہ سوال نامہ کا یہ شق''غیرمسلم حاکم اورجج کےاختیارات مسلمانوں کےحق میں'' جیسے مضامین سے متعلق ہے، اس مناسبت سے یہاں''اولوالامر'' سے مرادشرعی حاکموں کی

☆ مہتمم دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا،بھروچ، گجرات،الہند۔

صفات، حاکم شرعی، قاضی شرعی کی صفات، مغربی ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کی ذمہ داریاں تفویض طلاق، خلع کی تعریف اور شکلیں اور غیر مسلم حاکم کے اختیارات مسلمانوں کے حق میں" جیسے عناوین پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اولوالامر:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور "اولوالامر" کی اطاعت امت پر فرض اور ضروری قرار دیا ہے "اولوالامر" سے امیر المؤمنین اور اس کے نائبین قضاۃ شرعی مراد ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یا أیها الذین آمنوا اطیعوا الله وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم"

(اے ایمان والو! اللہ اور رسول اور اولوالامر کی اطاعت کرو) (نساء:۵۹)۔

صاحب موسوعہ "اولوالامر" کی مراد کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وأصح القول الواردة فی المراد بأولی الأمر قولان: الأول أصل القرآن والعلم وهو اختیار مالک ونحوه .... قالوا: هم الفقهاء والعلماء فی الدین۔

الثانی: هو أولی الأقوال بالصواب هم الامراء والولاة ...... ویشتمل أمراء المسلمین فی عهد الرسول وبعدهٔ، ویندرج فیهم الخلفاء والسلاطین والأمراء والقضاة وغیره ممن له ولایة عامة" (موسوعہ:۶/۱۸۹)۔

"اولوالامر" کے سلسلہ میں دو صحیح اقوال منقول ہیں: (۱) اس سے اہل قرآن اور اہل علم مراد ہیں، اسی کو حضرت امام مالکؒ نے پسند کیا ہے، بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اس سے فقہاء اور علماء مراد ہیں۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے امراء، ولاۃ مراد ہیں، اور اس میں خلفاء، سلاطین،

امراء،قضاۃاور وہ لوگ بھی داخل ہیں جنہیں ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے۔

مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں: "اولو الأمر" سے مراد خلفاء اسلام (یعنی مسلمان حکام مراد)ہیں "ومنکم" اس کی کھلی دلیل ہے (اسلامی حکومت و دستور مملکت:۱۰۲)۔

حکمین شرعی کی صفات:

اگر میاں بیوی میں اختلاف اور کشیدگی بڑھ جائے اور بظاہر میل و ملاپ کی کوئی صورت نظر نہ آئے تو ایسے نازک موڑ پر دونوں کی طرف سے دو ایسے(حکمین)مقرر کرنے کی ترغیب ہے جو تصفیہ کی لیاقت رکھتے ہوں۔

"وإن خفتم شقاق بینهما فابعثوا حکماً من أهله وحکما من أهلها، إن یریدا إصلاحا یوفق الله بینهما" (نساء:۳۵)۔

(اگرتم دونوں (میاں بیوی میں) کشیدگی کا اندیشہ ہوتو تم لوگ میاں بیوی دونوں کے اہل سے ایک حکم کو بھیجو؛ اگر وہ مصالحت چاہیں گے، اللہ تعالیٰ ان دونوں کے مابین موافقت پیدا کردے گا)۔

حکمین کے سلسلہ میں صاحب قرطبی رقمطراز ہیں:

"والحکمان لایکونان إلا من أهل الرجل والمرأة .... ویکونان من أهل العدالة وحسن النظر والبصیرة في الفقه" (۳/۱۵۳)۔

(دونوں حکم میاں بیوی کے اہل سے ہوں، اور دونوں عادل اور فقہ میں گہری نظر اور بصیرت رکھتے ہوں)۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ صاحب قرطبی نے حکمین کے لئے جن تین صفات کا حامل ہونا ضروری قرار دیا ہے مسلمان کے علاوہ غیر مسلم حاکم میں ہونا ناممکن ہی نہیں بلکہ محال ہے؛ لہٰذا غیر مسلم کو حاکم بنانا اور قاضی شریعت کا اختیار دینا اور انکے فیصلے کو مسلمانوں کے حق میں

معتبر ماننا درجہ ذیل وجوہ سے صحیح نہیں ہے:

۱-غیر مسلم حاکم دینی علوم، اصول قضاء، اور مسلم پرسنل لا (یعنی مسلمانوں کے عائلی مسائل) سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں۔

۲-اس کے دل میں نہ خوف خدا ہوتا ہے، نہ منصب قضاء کی اہمیت ہوتی ہے؛ اس لئے وہ فریقین کے نزاعات کو حل کرنے میں عدل وانصاف کا معاملہ کرنے کے بجائے عام طور پر اتباع نفس کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔

مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں: یورپ کے ممالک میں انگریزی کا غلبہ ہے وہاں نہ ادب ہے، نہ خلوص ومروت، نہ سادگی، ہر شخص فرعون بے سامان نظر آتا ہے (اسلامی حکومت دستور مملکت ر ۸۳)۔

اس لئے غیر مسلم حاکم کو مسلمانوں کے عائلی مسائل میں خاص طور پر فیصلہ کا اختیار نہیں ہوگا؛ اگر کوئی غیر مسلم عدالت دو مسلمان میاں بیوی کے معاملہ میں تفریق کا حکم جاری کرے، یا کسی کا نکاح فسخ کردے، یا کسی کو طلاق دلوادے، تو ان میں سے کوئی بھی شرعاً معتبر نہیں ہوگا۔ چنانچہ ڈاکٹر وہبہ زہیلی لکھتے ہیں:

"لأن القضاء ولاية ولا ولاية لغير المسلم على المسلم فلا تقبل شهادته عليه لقوله تعالى: ﴿ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا﴾ وأجاز أبو حنيفة تقليد غير المسلم القضاء بين أهل دينه"۔

(یقیناً قضاء ایک ولایت ہے، غیر مسلم کو مسلمانوں کے خلاف ولایت درست نہیں، اسی وجہ سے اس کی شہادت مسلمان کے خلاف قبول نہیں کی جاتی۔ اللہ تعالیٰ کا قول: "اللہ تعالیٰ نے کافر کو مؤمنین کے خلاف کوئی حق نہیں دیا ہے") (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۷۴۴)۔

اور قرآن وحدیث میں جہاں بھی فریقین کے نزاعات کو حل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ہر جگہ اس کے مخاطب انبیاء کرام، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، دین کے فقہا اور علماء ہیں جنہیں

ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے، حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالی نے زمین کا خلیفہ بنایا، اور لوگوں کے درمیان حق وانصاف کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے، ارشادِ الٰہی ہے:

”یاداؤد إنا جعلناک خلیفة فی الأرض فاحکم بین الناس بالحق ولاتتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللہ “ (سورہ ص:۲۶)۔

(اے داؤد ہم نے بنایا تجھے نائب ملک میں، فیصلہ کر لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ اور نہ چل خواہش نفس پر کہ وہ تجھ کو اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے)۔

دوسری جگہ پر رسول اللہ ﷺ کو حق کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

”وأنزلنا إلیک الکتاب بالحق فاحکم بینھم بما أنزل اللہ ولا تتبع أھواء ھم“ (مائدۃ:۴۸)۔

(اور تجھ پر ہم نے سچی کتاب اتاری ہے تو ان کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کر جو اللہ نے اتارا ہے اور ان کی خوشی پر مت کر)۔

” وإذا حکمتم بین الناس أن تحکموا بالعدل“ (نساء:۵۹)۔

(اور جب آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں تو انصاف کے مطابق فیصلہ کریں)۔

حاکم شرعی اور قاضی کی صفات:

علامہ کاسانی لکھتے ہیں: حاکم شرعی اور قاضی کے لئے جن صفات کا ہونا ضروری ہیں ان میں ایک مسلمان بھی ہے۔

”الصلاحیة للقضاء لھا شرائط، منھا العقل، ومنھا الاسلام، ومنھا الحریة“ (بدائع:۹/۴۰۷۹)۔

(اہل قضاء کے لئے چند شرطیں ہیں ان میں سے صاحب عقل، مسلمان اور آزاد ہونا ہے)۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

"إعلم أن تقليد الكافر صحيح وإن لم يصح قضاء ه على المسلم حال كفره" (ردالمحتار ۴/ ۳۱۴)۔

(جان لو! کافر کو قاضی بنانا درست ہے؛ لیکن ان کا مسلمانوں کے خلاف قاضی بنانا صحیح نہیں ہے)۔

صاحب موسوعہ قلمبند کرتے ہیں:

"الإسلام هو أحد الشروط التي يشترطها الفقهاء فيمن تقلد القضاء فلا يجوز تولية الكافر لقوله تعالى: ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا" (سورہ نساء/ ۱۴۱، موسوعہ ۳۳/ ۲۵۹)۔

(جس شخص کو منصب قضاء پر فائز کیا جائے اس کا مسلمان ہونا شرط ہے، فقہاء کے مقرر کردہ شرطوں میں سے ایک یہ بھی شرط ہے؛ لہٰذا کافر کو حاکم (قاضی) بنانا مسلمان کے حق میں درست نہیں)۔

دوسری جگہ پر صاحب موسوعہ لکھتے ہیں:

"شرط الفقهاء لصحة تولية القاضي شرطاً معينة ويتفقون فيما بينهم على اشتراط كون القاضي مسلما، عاقلا، بالغا، حرا" (موسوعہ ۳۳/ ۲۹۱)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی رقمطراز ہیں:

"القضاء ولاية عامة .... أما الشروط المتفق عليها بين أئمة المذاهب فهي أن يكون القاضي عاقلا، بالغا، حرا، مسلما، سميعا، بصيرا، عالما بالأحكام الشرعية" (الفقہ الإسلامی وأدلتہ: ۶/ ۷۴۳)۔

(قضاء ایک ولایت عام ہے......جن شرطوں پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے وہ یہ ہیں: قاضی کے لئے عاقل، بالغ، آزاد، مسلمان، سامع، بصیر اور احکام شرعی کو جاننے والا ہونا ضروری ہے)۔

غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کی ذمہ داریاں:

قرآن وحدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی پیروی اور باہمی نزاعات میں قانون الٰہی کو فیصل قرار دینے کا مطالبہ صرف ان مسلمانوں سے نہیں ہے جو مسلم اکثریتی ممالک میں آباد ہوں؛ بلکہ دنیا کے تمام مسلمانوں سے ہے، خواہ وہ کسی بھی ملک اور خطۂ ارض میں رہتے ہوں، خواہ وہ اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں، اس لئے ہر ملک کے مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے نزاعات کا فیصلہ اور تصفیہ کرانے کے لئے نظام قضاء قائم کریں، اور قاضی کے فیصلوں کو بسروچشم تسلیم کریں، سیدنا حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے مکتوب میں سیدنا ابوموسی اشعریؓ کو تحریر فرمایا کہ قضاء محکم فریضہ اور قابل تقلید سنت ہے۔

"إن القضاء فريضة محكمة وسنة متبعة" (سنن کبری ۱۰/ ۱۸۲)۔

(قضاء محکم فریضہ اور قابل تقلید سنت ہے) (بدائع ۷/ ۹)۔

وأما بلاد عليه ولاة كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما منهم" (رد المحتار ۸/ ۴۳)۔

مسلمانوں کی زندگی میں بالخصوص ان کے معاشرتی مسائل میں بہت سے ایسے ایسے امور ہیں جن کا فیصلہ قاضی ہی کے ذریعہ ہوسکتا ہے، مثلاً اگر حرمت مصاہرت کی صورت پیدا ہوجائے یا نکاح کے بعد رضاعت کا علم ہو اور ان دونوں صورتوں میں شوہر ازدواجی تعلقات ختم کرنے پر تیار نہ ہو یا عورت خیار بلوغ کا حق استعمال کرنا چاہے یا مفقود الخبر شخص کی بیوی اپنا نکاح ختم کرنا چاہے، ان تمام شکلوں میں قضاء قاضی کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ورنہ معاشرہ بدترین گناہوں کا گھر بن جائے گا۔

دور حاضر میں مسلمانوں کی کم از کم ایک تہائی تعداد ان ملکوں میں آباد ہے جہاں زمام

حکومت دوسروں کے ہاتھ میں ہے، جیسے برطانیہ وغیرہ وہاں مسلمان اقلیت کی حیثیت سے رہ رہے ہیں، پھر بھی ان میں اس بات کی کیسے گنجائش ہوگی کہ وہ لوگ اسلام کے عدالتی نظام کی خوبیوں اور برکتوں سے محروم رہیں، اور اپنے نزاعات کا تصفیہ غیر مسلم عدالت سے کرائیں؟ جس شخص کی بھی کتاب وسنت، مقاصد شریعت اور فقہاء کی تصریحات پر نظر ہوتی ہے وہ بلا تامل یہی جواب دے گا کہ اسلام کے نظام عدل سے محرومی اور نظام قضاء سے روگردانی کسی ملک کے مسلمانوں کے لئے جائز نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ایسے ممالک کے مسلمانوں پر قیام قضا شرعاً واجب ہے؛ تا کہ وہ اپنی جماعت میں سے ایک شخص کو ولی بنالے، ولی ان کے لئے قاضی مقرر کرے یا خود ہی عہدہ قضاء کی خدمت انجام دے اور مسلمانوں کے مقدمات کے فیصلہ کرے جیسا کہ طحاوی میں ہے:

"قال في مجمع الفتاوى: غلب على المسلمين ولاة الكفار يجوز للمسلمين إقامة الجمعة والأعياد ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين، ويجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما (حاشیۃ الطحاوی، الدر المختار باب الجمعۃ ۱/۳۳۹)۔

(مجمع الفتاوی میں ہے (کہ ایسی صورت میں کہ) مسلمانوں پر کفار کے حکام غالب ہوگئے ہوں (یعنی حکومت کافرہ قائم ہوگئی ہو) تو مسلمانوں کو (ایسے مقام) پر جمعہ وعیدین پڑھنا جائز ہے (اور اس وقت مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی ہوگا اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ والی کی جستجو کریں)۔

بہر حال محکمہ قضاء ہی وہ محکمہ ہے جس کے ذریعہ خالق کی شریعت مخلوق پر نافذ ہوتی ہے، اس لئے "یہ مصالح مسلمین" کا وہ اہم شعبہ ہے جس سے مسلم آبادی کبھی بے نیاز نہیں ہوسکتی۔

صاحب مبسوط لکھتے ہیں:

إعلم بأن القضاء بالحق من أقوى الفرائض بعد الإيمان بالله تعالى،

وهو من أشرف العبادات لأجله أثبت الله تعالیٰ آدم علیه السلام إسم الخلافة ...... وأثبت ذلک لداؤد علیه السلام (المبسوط ۱۶/۶۰،۶۱)۔

غیرمسلم عدالتوں اور حکام کے فیصلے کا اعتبار مسلمانوں کے حق میں:

اوپر حاکم شرعی اور حاکم غیرشرعی دونوں کی صفات، دونوں میں فرق، مغربی ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کی ذمہ داریاں جیسے مضامین کی قرآن وحدیث اور فقہاء کے اصول کی روشنی میں مختصراً وضاحت کی گئی ہے، اس کی روشنی میں یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ہر جگہ حاکم، حکمین اور امیر اور قاضی سے مراد امیر شرعی اور قاضی شرعی ہیں، ''جنہیں امامت کبری اور ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے'' اور ان ہی کا اختیار اور فیصلے مسلمانوں کے حق میں معتبر ہیں، اور غیرمسلم حاکم کے فیصلے مسلمانوں کے حق میں شرعاً معتبر نہیں، البتہ وہ ممالک جہاں غیرمسلم حاکم ہیں، حکومت کا باگ ڈور انہیں کے ہاتھ میں ہے، مسلمان وہاں اقلیت میں ہیں اور حکومتی اعتبار سے مسلمانوں کا کوئی وزن نہیں نہ اقلیت کے مذہبی قوانین کا کوئی پاس ولحاظ ہے، ایسے حالات میں مسلمانوں کے پرسنل لا (یعنی عائلی مسائل نکاح، طلاق، خلع، وقف، ہبہ، وراثت، وصیت وغیرہ) جیسے مسائل میں (جہاں قضائے قاضی ضروری ہے) مسلمان اپنے شرعی حاکم کے فیصلے کے مطابق ہی عمل کریں گے، البتہ اس کے علاوہ (Dreminial Code) میں اسے حکومت کے فیصلے کے مطابق عمل کی گنجائش ہوگی۔

تفویض کی تعریف:

جس طرح مرد کو طلاق کا اختیار ہے، اسی طرح وہ اپنا اختیار دوسروں کو سونپ سکتا ہے اگر اس نے یہ اختیار اپنی بیوی کو دیا کہ وہ اپنی طرف سے اپنے اوپر طلاق واقع کر لے یا کسی اور شخص کو اس بات کا اختیار دیا کہ اگر وہ چاہے تو اس کی بیوی کو طلاق دیدے تو یہ تفویض ہے۔

لیکن اگر کسی دوسرے عاقل بالغ کو طلاق دینے کا حکم دے اور اس کے اختیار پر نہ

چھوڑے تو یہ توکیل ہے؛ یہ سپردگی اگر طلاق کے لفظ کے ساتھ ہے تو تفویض وتوکیل صریح ہوگی اور اگر ایسے لفظ کے ساتھ ہے جو طلاق کے لئے صریح نہیں ہے تو اس میں شوہر کی نیت کا اعتبار ہوگا۔

''**فالتفويض مما يوقعه غيره بإذنه وأنواع مايوقعه الغير ثلاثة**'' (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ۲/ ۱۷۳)۔

اگر دوسرا شخص کسی مرد کی اجازت سے اس کی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو یہ تفویض ہے اس کی تین قسمیں ہیں: تفویض، توکیل اور رسالہ۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

''**أن يكون ذلك بمباشرة الزوج بنفسه بطريق الإصالة أو بغيره بإذنه أو أمره وذلک نوعان: توكيل وتفويض، أما التفويض فنحو قول الرجل لإمرأته: أمرک بيدک، إختاری، أنت طالق إن شئت** (بدائع الصنائع ۳/ ۱۱۲-۱۱۳)۔

(قال لها: إختاری أو أمرک بيدک ينوی) تفويض (الطلاق) لأنهما كناية فلا يعملان بلانية (درمختار ۲/ ۶۵۳ علی ہامش رد المحتار تفویض الطلاق)۔

تفویض اور توکیل میں فرق:

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو ہمیشہ کے لئے اختیار نہیں دیا اور کوئی مدت متعین نہیں کی تو ایسی صورت میں اسی مجلس تک عورت کو رد اور قبول کا اختیار رہے گا۔

لیکن اگر اس نے کسی کو وکیل بنایا تو جب تک اسے وکالت سے معزول نہیں کرے گا، اس وقت تک طلاق دینے کا اختیار وکیل کو رہے گا۔

تفویض طلاق مجلس تفویض تک محدود رہتی ہے، اگر عورت اس مجلس سے کھڑی ہوگئی یا کسی کام میں مشغول ہوگئی تو یہ اعمال تفویض کے رد پر دلالت کریں گے؛ مگر توکیل مجلس کے بعد

بھی باقی رہتی ہے، اسی طرح تفویض میں رجوع جائز نہیں؛ لیکن توکیل میں جائز ہے۔

"ومثل التفويض في الحكم، قوله لها: أمرک بيدک فتشترط له النية ويتقيد بمجلس التفويض ولايملک الزوج الرجوع عنه ويبطل تفويضها بقيامها عن المجلس أو فعلها– بتفويض الطلاق" (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ۲/۱۷۴)۔

تملیک اور توکیل میں فرق:

مرد اپنی عورت کو حق طلاق سپرد کرتا ہے وہ شرعاً تفویض طلاق ہے، اسی طرح شوہر کو اس بات کا بھی اختیار ہے کہ کسی دوسرے شخص سے کہے کہ وہ اس کی بیوی کو طلاق دیدے، لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت "تملیک طلاق" کی ہے اور دوسری صورت توکیل طلاق کی، پہلی صورت میں شوہر رجوع نہیں کرسکتا مگر دوسری صورت میں رجوع کرسکتا ہے۔

عدالت کو تفویض طلاق کا حکم:

جس طرح مرد کو اختیار ہے کہ عورت کو حق طلاق سپرد کرے یا کسی اور شخص سے کہے کہ وہ اس کی بیوی کو طلاق دیدے اسی طرح دار القضاء یا محکمہ شرعیہ کو طلاق سپرد کرنا بہتر ہے، بیوی کے علاوہ دوسروں کو طلاق کا اختیار دینا "توکیل" ہے اور وکالت کبھی بھی واپس لی جاسکتی ہے، لیکن اگر کسی تیسرے شخص کی چاہت و مشیت پر طلاق کے استعمال کو موقوف کردیا جائے تو "توکیل" کے بجائے "تفویض" ہوگی اب شوہر اس اختیار کو واپس نہیں لے سکتا۔

فتاوی بزازیہ میں ہے:

"لو قال لأجنبي: طلاقها بيدک أو طلقها إن شئت كقوله أمرک بها بيدک يقتصر ولايملک الرجعة" (بدائع ۳/۲۳۴)۔

(اگر کسی شخص سے کہا کہ عورت کا حق طلاق تمہارے ہاتھ میں ہے یا یہ کہے کہ اگر تم چاہو تو طلاق دے دو "تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں" کہنے کی طرح ہے کہ اس میں اختیار مجلس

میں محدود رہے گا اور شوہر کو اس سے رجوع کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا)۔

مذکورہ بالا بحث اور تفصیلات کی روشنی میں خلاصہ کلام درج ذیل ہے:

خلاصہ کلام:

۱- اگر شوہر نے غیر مسلم عدالت میں درخواست دی کہ میں اپنے رشتہ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہوں؛ لہٰذا میرے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کر دیا جائے، اور عدالت ضروری کارروائی کرنے کے بعد طلاق و فرقت کا فیصلہ کر دیتی ہے تو اس درخواست کو تفویض و تحکیم مانا جا سکتا ہے، کیوں کے اس میں قضاء قاضی ضروری نہیں ہے، اس لئے غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر ہوگا۔

۲- اس صورت میں عورت نے اگر کسی مال کے عوض اپنے رشتہ نکاح کو ختم کرنے کی درخواست دی، اور عدالت کے سامنے شوہر نے اس مال کے عوض خود طلاق یا خلع کا لفظ استعمال کرنے کے بعد دستخط کر دیا تو اس کی حیثیت خلع کی ہوگی۔

۳- عورت کی درخواست آنے کے بعد شوہر عدالت میں نہیں آیا یا آیا مگر دستخط و تفویض پر تیار نہیں ہوا تو ایسی صورت میں اگر عدالت کا قاضی تحقیق کے ذریعہ اس نتیجہ پر پہنچ جائے کہ زوجین حدود اللہ کو قائم نہیں کر سکیں گے تو عدالت شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع کر سکتی ہے۔

۴- اگر غیر مسلم حکومت یا غیر مسلم عدالت کا جج مسلمان ہے تو اس کو مسلم حاکم و قاضی کی حیثیت اس وقت دی جائے گی جبکہ اس کے فیصلے قرآن و حدیث اور اصول قضاء کے مطابق ہوں۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا اشتیاق احمد اعظمی ☆

۱- غیر مسلم جج کی عدالت میں شوہر کی طرف سے مذکورہ بالا درخواست کو تفویض مانا جاسکتا ہے، کیونکہ تفویض کے اندر، مفوَّض الیہ کا مسلمان ہونا شرط نہیں، اس لئے کہ تفویض سے مراد، تملیک طلاق ہوا کرتی ہے، یعنی کسی کو طلاق دینے کا مالک بنانا (**والمراد بالتفویض تملیک الطلاق**) (شامی ۴/۴۱۴)، شوہر جیسے اپنی بیوی کو طلاق کا مالک بنا سکتا ہے، ایسے ہی بیوی کے علاوہ کسی اور کو بھی طلاق دینے کا مالک بنا سکتا ہے، خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم بصورت مسؤلہ میں شوہر، غیر مسلم عدالت میں صراحۃً طلاق دینے کا اختیار، غیر مسلم جج کے سپرد کر رہا ہے، ایسی صورت میں اگر عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد طلاق وفرقت کا فیصلہ صادر کر دیتی ہے تو اسے شوہر کی طرف سے تفویض مان کر تسلیم کیا جاسکتا ہے، کیونکہ شوہر بسا اوقات، بیوی کی طرف سے طلاق کے بعد آنے والی کسی پریشانی سے بچنے کے لئے عدالتی چارہ جوئی پر مجبور ہوتا ہے، ورنہ وہ خود ہی طلاق کی کارروائی مکمل کر دیتا۔

مذکورہ بالا صورتِ مسئلہ کو تحکیم ماننا درست اس لئے نہیں کہ کافر کی تحکیم جائز نہیں، ہدایہ میں مذکور ہے:

"ولا یجوز تحکیم الکافر و العبد و الذمی والمحدود فی القذف و الفاسق و الصبی لانعدام أھلیة القضاء اعتبارا بأھلیة الشھادة" (۳/ص ۱۴۴)۔

☆ استاذ فقہ وحدیث دارالعلوم مئو، یوپی۔

کافر کی تحکیم اس لئے بھی درست نہیں کہ جب وہ خود شریعت کا پابند نہیں تو دوسرے کے اوپر شرعی فیصلہ کرنے کا کیسے مجاز ہوسکتا ہے، جبکہ یہ فرمانِ الٰہی موجود ہے: "**ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً**" (نساء:۱۴۱)۔

موسوعہ فقہیہ میں مذکور ہے کہ: "محکّم" کی شرائط میں سے ولایت قضاء کی اہلیت کا ہونا بھی ہے: "**ومن شروط الحكم: أن يكون أهلاً لولاية القضاء**" (۱۰/ ۲۳۷) اور اسی میں ہے: **ومن اهلية القضاء : الاسلام**۔

اس لئے مسؤلہ بالا صورت میں تفویض ماننا تو صحیح ہوسکتا ہے، لیکن تحکیم پر محمول کرنا درست نہیں ہوسکتا۔

۲- مذکورہ بالا مسؤلہ صورت میں فیصلہ کے شرعی طور پر معتبر ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ جج نہ صرف یہ کہ مسلمان ہو، بلکہ اسلامی شریعت کے احکام سے بھی واقف ہو، اور تفریق کی جملہ کارروائی شرعی اصول وضوابط کے مطابق انجام دے، تو ایسی صورت میں مسلمان جج کا فیصلۂ تفریق وطلاق نافذ ہوگا، ورنہ عدالت کا فیصلۂ تفریق عورت کے لئے ناکافی ہوگا، بالخصوص جبکہ غیر مسلم عدالت کا جج بھی غیر مسلم ہو تو اسکے فیصلۂ تفریق کا تو بالکل اعتبار نہیں ہوگا۔ ایسی صورت میں عورت کو عدالتی فیصلہ کے بعد پھر کسی شرعی پنچایت یا امارت شرعیہ یا دارالقضاء میں اپنے کیس کو لے جا کر فسخ نکاح کرالینا چاہئے۔ جہاں تک شوہر کے دستخط کردینے کا مسئلہ ہے تو اسے تفویض طلاق پر محمول کیا جانا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس قسم کا دستخط عموماً عدالتی دباؤ کے سبب، شوہر کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔، دوسرا امر یہ کہ غیر مسلم جج کا کیا ہوا فیصلہ شرعی لحاظ سے معتبر بھی نہیں، حضرت تھانوی تحریر فرماتے ہیں کہ: ہندوستان کی جن ریاستوں میں قاضی شرعی موجود ہیں، وہاں تو معاملہ سہل ہے اور گورنمنٹی علاقوں میں جہاں قاضی شرعی موجود نہیں، ان میں وہ حکام، جج مجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں، اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے مطابق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضاء قاضی کے قائم مقام

ہوجاتا ہے ،لما في الدر المختار :ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کان کافراً ذکره مسكين وغيره ،لیکن اگر کسی جگہ فیصلہ کنندہ حاکم غیر مسلم ہوتو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے ،اس کے حکم سے فسخ وغیرہ بالکل نہیں ہوسکتا ،لأن الكافر ليس بأهل القضاء على المسلم كما هو مصرح في جميع كتب الفقه'' (الحیلۃ الناجزۃ،ص ۴۵)۔

درج بالا عبارت سے مذکورہ بالا مسئولہ صورت میں کافر جج کے فیصلہ کا غیر معتبر ہونا بالکل واضح ہوگیا۔ایسے مقامات پر عورت کو یا تو خلع کا سہارا لینا چاہئے یا پھر اسے شرعی پنچایت، دارالقضاء اور امارت شرعیہ جیسے اداروں سے رابطہ کر کے اپنے قضیہ کا تصفیہ کرانا چاہئے۔

۳- مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے اپنی کتاب ''آپکے مسائل اور ان کا حل'' میں مذکورہ مسئلہ جیسی صورت میں ،جس کے اندر ایک عورت ،فیملی کورٹ میں فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کرتی ہے اور جج صاحب مقدمہ کی سماعت کے بعد عورت کے حق میں فیصلہ دیدیتے ہیں، کے بارے میں رقم طراز ہیں:''فیملی کورٹ کا فیصلہ اگر شرعی قواعد کے مطابق ہو تو وہ فیصلہ بھی شرعاً نافذ ہوگا اور اگر مقدمہ کی سماعت یا فیصلہ میں شرعی قواعد کو ملحوظ نہیں رکھا گیا تو شرعی نقطۂ نظر سے وہ فیصلہ کالعدم ہے، شرعاً نکاح فسخ نہیں ہوگا اور عورت کو نکاح ثانی کی اجازت نہ ہوگی۔

شرعی قواعد کے مطابق فیصلہ کی صورت یہ ہے کہ عورت کی شکایت پر عدالت شوہر کو طلب کرے اور اس سے عورت کے الزامات کا جواب طلب کرے، اگر شوہر ان الزامات سے انکار کرے تو عورت سے گواہ طلب کئے جائیں ،یا عورت گواہ نہیں پیش کرسکتی تو شوہر سے حلف لیا جائے ،اگر شوہر حلفیہ طور پر اس کے دعویٰ کو غلط قرار دے تو عورت کا دعویٰ خارج کردیا جائیگا اور اگر عورت گواہ پیش کردے تو عدالت شوہر کو بیوی کے حقوق شرعیہ ادا کرنے کی تاکید کرے اور اگر عدالت اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ ان دونوں کا یکجا رہنا ممکن نہیں تو شوہر کو طلاق دینے کا حکم دیا جائے اور اگر وہ طلاق دینے پر آمادہ نہ ہو جبکہ وہ عورت کے حقوق واجبہ بھی ادا نہیں کرتا تو عدالت ازخود

فسخ نکاح کا فیصلہ کرسکتی ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ فیصلہ کرنے والا جج مسلمان ہو، ورنہ اگر جج غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا'' (آپ کے مسائل اوران کا حل ۵/ ۲۵۲)۔

مولانا لدھیانویؒ کی مذکورہ بالا تحریر کی روشنی میں صورت مسئولہ کا جواب واضح ہوگیا کہ غیر مسلم جج کا فیصلہ کالعدم ہوگا، اور اگر غیر مسلم عدالت میں فیصلہ دینے والا جج مسلمان بھی ہو تب بھی اس کا نفاذ نہ ہوتا، کیونکہ مذکورہ بالا مقدمہ کے تصفیہ میں ضابطہ کی کارروائی عمل میں نہیں لائی گئی ہے، کیونکہ ضابطہ کی کارروائی میں یہ بھی ہے کہ عورت کے الزامات کا جواب شوہر سے طلب کیا جائے، اور یہاں اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تھا: ''لاتقض لأحد الخصمین ما لم تسمع کلام الآخر'' (بدائع ۵/ ۳۳۳)۔

مذکورہ بالا صورت میں عورت کو چاہئے کہ شوہر سے علاحدگی اختیار کرنے کے لئے خلع کرائے یا امارت شرعیہ، شرعی پنچایت یا دار القضاء کا سہارا لے کر اپنا معاملہ حل کرائے۔

۴- جج اگر مسلمان ہے، خواہ وہ غیر مسلم حکومت اور غیر مسلم عدالت میں فیصلہ کرنے پر مامور ہے اور وہ احکام شرعیہ سے واقف بھی ہے اور وہ فیصلے شریعت کے مطابق کیا کرتا ہے تو ایسی صورت میں وہ مسلمان جج، مسلم حاکم یا قاضی کے قائم مقام ہوسکتا ہے، اسی مسئلہ کی وضاحت حضرت تھانوی علیہ الرحمہ یوں فرماتے ہیں: ''اگر گورنمنٹی علاقوں میں جہاں قاضی شرعی نہیں، ان میں وہ حکام، جج مجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے، اس قسم کے معاملات میں فیصلے کا اختیار رکھتے ہیں، اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قواعد کے مطابق فیصلہ کریں تو انکا حکم بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے، لما في الدر المختار: ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کان کافراً ذکرہ مسکین وغیرہ، لیکن اگر کسی جگہ فیصلہ کنندہ حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے، اس کے حکم سے فسخ وغیرہ بالکل نہیں ہوسکتا'' (ص ۴۵ الحیلۃ الناجزہ)۔

معلوم ہوا کہ مسلمان جج اگر شرعی اصول وضوابط کے مطابق فیصلہ کیا کرتا ہے تو اسکا

فیصلہ شرعاً معتبر ہوگا خواہ اسکا تقرر مسلم عدالت میں ہو یا غیر مسلم عدالت میں۔

۵- کسی بھی غیر مسلم ملک میں جہاں مسلمان بود وباش اختیار کئے ہوئے ہیں، وہاں عدلیہ کا مکمل بائیکاٹ نہیں کر سکتے۔ایسے ممالک میں حتی الوسع مسلمانوں کو اپنے معاملات وتنازعات اور ہر قسم کے مسائل میں مل جل کے بیٹھ کر حل کئے جانے کی کوشش ہونی چاہئے، ایسے ممالک میں علماء وفقہاء اور دانشوران ملت کو آپسی تنازعات کے حل کے لئے شرعی پنچایت قائم کرنی چاہئے اور اس جیسی پنچایتوں کے توسط سے آپسی تنازعات کا حل نکالنے کی سعی پیہم ہونی چاہئے، اللہ تعالی کا فرمان ہے:**فان تنازعتم في شئ فردوه الى الله و الرسول** (نساء:۵۹)رد الی اللہ و الرسول کا مطلب یہ ہے کہ اپنے معاملات کا تصفیہ قرآن وسنت کی روشنی میں تلاش کرنا چاہئے، غیر مسلم ممالک میں یہ چیز وہاں کی عدالتوں میں چونکہ مفقود ہوا کرتی ہے، اس لئے ایسی جگہوں میں مسلمان امارت شرعیہ، دارالقضاء اور شرعی پنچایتوں کے توسط سے اپنے مسائل کا حل ڈھونڈیں گے۔ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے: **فاتقوا الله و أصلحوا ذات بينكم** (انفال:۱)ایک اور جگہ ارشاد ہے: **فاصلحوا بينهما بالعد ل و أقسطوا** (حجرات:۹)اور ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:**فلا جناح عليهما أن يصلحا بينهما صلحا** (نساء:۱۲۸)ایک دوسری آیت میں اخوت ایمانیہ کو مہمیز لگاتے ہوئے اصلاح بین المسلمین کا حکم ہوتا ہے: **انما المؤمنون أخوة فاصلحوا بين أخويكم** (حجرات:۱۰)ان تمام آیات میں خطاب کا رخ امت مسلمہ کی طرف ہے کہ جب بھی ان میں آپسی تنازعہ قائم ہو تو مسلم امہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ ایسے معاملات کو صلح ومصالحت اور آپسی افہام وتفہیم سے اس کا حل نکالیں۔

اللہ تعالیٰ نے کتاب وسنت کی پیروی کو امت مسلمہ پر لازمی قرار دیا ہے اور ان تمام راستوں سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے، جو منہی عنہ ہیں، ارشاد باری ہے: **وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا** (حشر:۷)اور اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ سے فیصلہ لینے جانے والوں کو تحاکم الی الطاغوت (الشیطان) قرار دیا ہے، جیسا کہ فرمان باری ہے:**ألم تر الى**

الذين يزعمون أنهم آمنوا بما أنزل إليک وما أنزل من قبلک يريدون أن يتحاكموا إلى الطاغوت و قد أمروا أن يكفروا به (نساء/۶۰)۔

شریعت اسلامیہ نے معاملات کے تصفیہ کے لئے بہت سے اصول وضوابط مقرر فرمائے ہیں، ظاہر ہے ان ضوابط پر چل کر ہی ہم اللہ اور اس کے رسول کے منشاء کو پورا کر سکتے ہیں، غیر مسلم عدالتوں میں ان اصولوں پر نہ تو عمل ہوتا ہے اور اگر کچھ ہو بھی تو غیر مسلم کے ذریعہ، ایک مسلمان پر کوئی حکم نہیں چل سکتا: **و لن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً** (نساء:۱۴۱)۔

فوجداری (جرائم سے متعلق معاملات) دیوانی (مالیاتی معاملات) میں اگر مسلمان آدمی آپسی صلح ومصالحت سے حق کو حاصل نہ کر سکے، کیونکہ شرعی پنچایتوں اور امارت شرعیہ وغیرہ جو غیر مسلم ممالک میں مسلمان قائم کرتے ہیں، ان کے پاس قوت نافذہ کا فقدان ہوا کرتا ہے، اس لئے وہ اپنے جائز حقوق کی وصولیابی کے لئے غیر مسلم عدالت میں بھی جا سکتا ہے، کیونکہ حکومت کے پاس قوت نافذہ ہوا کرتی ہے، وہ اپنے پاور سے اس قسم کے مسائل میں فیصلہ کا نفاذ کیا کرتی ہے، اس طرح کے معاملات میں اگر مسلمان، غیر مسلم عدالت میں جاتا ہے تو اس کے لئے عدالت کا فیصلہ، اسی صورت میں قابل قبول ہوگا جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے بیان کردہ اصول وقوانین کے مطابق ہوگا، بصورت دیگر ایسے فیصلے مسلمان کے لئے ہرگز قابل قبول نہ ہونگے۔ اللہ تعالیٰ نے ما انزل اللہ کے بغیر فیصلہ لینے والوں کو ایک آیت میں کافرون، دوسری میں ظالمون اور تیسری آیت میں فاسقون قرار دیا ہے:

ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئک هم الكافرون (مائدہ:۴۴) **ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئک هم الظالمون** (مائدہ:۴۵) **ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئک هم الفاسقون** (مائدہ:۴۷)۔

شیخ عبد القادر عودہ نے مخالفِ شریعت وضعی قوانین کے بطلان پر نصوص شرعیہ سے

استدلال کیا ہے، جو مختصراً درج ذیل ہے:

۱- اللہ اور رسول کی بیان کردہ شریعت پر نہ چلنے والا درحقیقت متبع ہوئی ہے بنص القرآن: **فإن لم يستجيبوا لك فاعلم إنما يتبعون أهواء هم ومن أضل ممن اتبع هواه بغير هدىً من الله** (القصص:۵۰)۔

۲- اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بھی ایمان والے کے لئے اس کی گنجائش نہیں کہ وہ غیر اللہ کے حکم پر راضی ہو یا ما انزل اللہ کے علاوہ کہیں اور تحاکم کے لئے جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **ألم تر إلى الذين يزعمون أنهم آمنوا بما أنزل إليك وما أنزل من قبلك يريدون أن يتحاكموا إلى الطاغوت و قد امروا أن يكفروا به** (نساء:۶۰)۔

۳- اللہ و رسول کے فیصلہ اور حکم آجانے کے بعد کسی بھی مؤمن اور مومنہ کے لئے انحراف کی کوئی گنجائش نہیں، فرمان باری ہے: **وما كان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضى الله و رسوله أمراً أن يكون لهم الخيرة من أمرهم** (احزاب:۳۶) نیز اللہ و رسول کے فیصلے سے اگر کسی کے دل میں ذرہ برابر تنگی آتی ہے تو یہ عدم ایمان کی علامت قرار دی گئی ہے: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **فلا وربك لا يؤمنون حتىٰ يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في أنفسهم حرجا مما قضيت و يسلموا تسليماً**'' (نساء:۶۵)۔

سنت نبویہ میں بھی اولوالامر کی اطاعت کی حدود متعین کردی گئی ہیں، صحیح حدیث رسول میں ہے: **"لا طاعة لمخلوق في معصيةالخالق "** اور فرمایا: **"انما الطاعة في المعروف"**، یہ اور اس جیسی اور کئی نصوص شرعیہ سے مخالفِ شریعت قوانین کو غیر معمول بہا ہونے کو ثابت کیا ہے (دیکھئے: التشریع الجنائی الاسلامی ص ۲۲۵ تا ۲۳۷)۔

غیر مسلم دیوانی عدالت میں مالی معاملات کے تصفیہ کے لئے اگر مسلمان جاتا ہے اور معاملہ وکیل کے حوالہ ہوتا ہے اور وکیل دباؤ بنا کر موکل سے جھوٹی گواہی پیش کر کے اس کے حق میں فیصلہ دلا دیتا ہے تو وکیل کی چرب زبانی اور جھوٹی گواہی کے نتیجہ میں ملنے والی ڈگری اور فیصلہ

شرعاً بالکل غیر معتبر ہوگا، کیونکہ اس طرح کی جھوٹی گواہی اور مدعی یا اس کے وکیل کی چرب زبانی سے ناجائز چیز کو اگر اسلامی عدالت میں بھی جائز اور حق ثابت کر دیا جائے، تب بھی وہ چیز مدعی کے لئے حلال اور جائز نہیں ہوسکتی، کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے: **"قال: إنما أنابشر وانکم تختصمون إليّ ولعل بعضکم أن یکون ألحن بحجته من بعض فأقضی له علی نحو ما اسمع منه فمن قضیت له بشیئ من حق أخیه فلا یاخذنه فانما اقطع له قطعة من النار"** (متفق علیہ/مشکاۃ ص ۳۲۷ ج ۲)۔

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے بھی اگر مقدمہ کی سماعت کی اور مدعی کے زور بیان اور قوت دلائل کو سن کر کسی کے حق میں فیصلہ فرما دیا کہ یہ چیز فلاں کی ہے، حالانکہ حقیقت حال اس کے برعکس ہے تو حضور ﷺ کے فیصلہ کے باوجود بھی وہ اگر اس کا صحیح معنوں میں سامان نہیں ہے تو اس کے لئے اس کا لینا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ حضور ﷺ عالم الغیب نہیں تھے، ظاہر کو دیکھ کر فیصلہ فرمایا کرتے تھے، تو اس قسم کا غلط فیصلہ غیر مسلم عدالتوں سے جرائم یا مالی معاملات میں صادر ہو اور حقیقت اس کے بالکل برعکس ہو تو اس فیصلہ پر کیونکر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ حفظ دماء اور حفظ اموال ہی کے پیش نظر شریعت نے مقدمہ کے فیصلہ کے لئے متعدد اصول وضوابط بنائے ہیں، حضور ﷺ کا فرمان ہے: **"لو یعطی الناس بدعویهم لادعیٰ ناس دماء رجال و أموالهم ولکن الیمین علیٰ المدعیٰ علیه (رواہ مسلم) و فی روایة : عن ابن عباس** رضی اللہ عنہ **مرفوعاً: لکن البینة علی المدعی والیمین علی من انکر"** (مشکاۃ ص ۳۲۶ ج ۲)۔

علامہ طیبیؒ اس حدیث کی تشریح کے ضمن میں فرماتے ہیں: **هذه قاعدة شریفة کلیة من قواعد أحکام الشرع ففیه أنه لا یقبل قول الانسان فیما یدعیه بمجرددعواہ بل یحتاج إلیٰ بینة أو تصدیق المدعیٰ علیه فله ذلک وقد بین ﷺ الحکمة فی کونه لا یعطی بمجرد دعواہ ، لأنه لو أعطی بمجردها لادعیٰ قوم دماء قوم**

و أموالهم واستبيح ولا يتمكن المدعىٰ عليه من صون ماله ودمه (ص۲۶۰۹ج۸ شرح الطیبی)۔

مالیاتی اور جرائم سے متعلق معاملات میں غیر مسلم کی قسم اور حلف معتبر ہوا کرتی ہے جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے: **عن الأشعث بن قيس ، قال : كان بيني و بين رجل من اليهود أرض فجحدني ، فقدمته إلى النبي ﷺ فقال : ألك بينة ؟ قلت: لا ، قال لليهودي : احلف ، قلت: يا رسول الله إذن يحلف و يذهب بمالي، فأنزل الله تعالىٰ : إن الذين يشترون بعهد الله و أيمانهم ثمنا قليلاً.... الآية** (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ) **قال الطيبيؒ : وفيه دليل علىٰ ان الكافر يحلف في الخصومات كما يحلف المسلم** (ص ۲۶۱۷ ج ۸) نیز جرائم کے معاملات میں بھی غیر مسلم کی حلف کا اعتبار ہوا کرتا ہے، جیسا کہ قسامت کے باب میں نصوص سے ثابت ہے۔

☆☆☆

غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا عطاء اللہ قاسمی ☆

نکاح مرد وعورت کے درمیان انجام پانے والا ایک فطری عمل اور پاکیزہ معاہدہ ہے، پاسدار فطرت اسلامی شریعت نے اسے انتہائی مقدس معاہدہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ نکاح کے ذریعہ دو اجنبی مرد وعورت باہم مودت ومحبت کے ماحول میں اور باہمی اعتماد کی فضا میں زندگی گزارنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اس سے انسانی سماج میں عفت و پاکدامنی کا ماحول پیدا ہوتا ہے، اسلام رشتۂ نکاح کو مستحکم اور پائیدار دیکھنا چاہتا ہے، اس لئے مقاصد نکاح کو ملحوظ رکھتے ہوئے نکاح کے لئے مناسب اور ضروری شرطیں عائد کی ہیں، دونوں کی فطرت وصلاحیت کو مدنظر رکھ کر دونوں کے حقوق وفرائض خالق کائنات نے خود متعین فرمادی ہیں، ان بنیادی حقوق وفرائض کی تعیین اس لئے بھی ضروری تھی تا کہ مضبوط فریق، کمزور فریق کا استحصال نہ کر سکے، اور ایک فریق دوسرے فریق کی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر راہ فرار نہ اختیار کر سکے۔

البتہ خدانخواستہ حالات ایسے پیدا ہوجائیں کہ آپسی نباہ مشکل ہوجائے، خوشگوار زندگی ناممکن بن جائے، رشتۂ نکاح کو ختم کردینا ہی بہتر ہو تو ایسی صورت میں شریعت نے رشتۂ نکاح کو ختم کرنے کے لئے موقعہ محل کی مناسبت سے تین متبادل رکھا ہے:

(۱) طلاق (۲) خلع (۳) فسخ وتفریق

☆ صدر مدرس مدرسہ کوپا گنج، مئو، یوپی

طلاق:

یہ نکاح کو ختم کرنے کا ایک ذریعہ ہے، طلاق کا اختیار صرف اور صرف مرد کو حاصل ہے۔ اس کے لئے عورت کی رضامندی اور مشورہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، شریعت نے طلاق کو ابغض المباحات قرار دیا ہے، حق طلاق استعمال کرنے کے لئے مرد کو واضح احکامات عطاء کیا ہے، ان احکامات کا لحاظ تو اس کے لئے ضروری ہے لیکن عدالت (اگر چہ اسلامی ہو) سے اجازت لینے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ شیخ الاسلام ابو بکر بن علی بن محمد حدادی یمنیؒ متوفی ۸۰۰ھ نے اس سلسلہ میں ایک حدیث شریف نقل کی ہے۔

"**الطلاق بيد من ملك الساق**" (الجوہرۃ النیرۃ ج ۲/ ۱۰۲، مکتبہ حقانیہ پاکستان)۔

(طلاق اس شخص کے قبضے میں ہے جو بضع کا مالک ہے)۔

۱ –سوالنامہ میں جو صورت مسئلہ ذکر کی گئی ہے وہ سراسر غیر شرعی ہے، عدالت کے فیصلہ سے طلاق واقع نہیں ہوگی؟ طلاق واقع ہونے کے لئے مرد کا اپنی زبان سے طلاق دینا لازمی ہے۔ شوہر کا عدالت میں رشتۂ نکاح کے انقطاع کی درخواست دینا فقہی نقطۂ نظر سے "تفویض" یا "تحکیم" ہرگز نہیں مانا جاسکتا۔

تفویض:

شوہر طلاق کا مالک ہے وہ اگر اپنی بیوی کو حق طلاق کا مالک بنادے تو اسے ایسا کرنے کی شرعاً اجازت ہے، فقہی اصطلاح میں اس کو تفویض طلاق کہتے ہیں:

"**وتفويض وهو تمليك الزوجة الطلاق**" (حاشیہ شرح وقایہ ۲/ ۷۹)۔

(شوہر کا اپنی بیوی کو طلاق کا مالک بنادینا تفویض ہے)۔

معلوم ہوا کہ تفویض طلاق ایک حق ہے جو صرف اپنی منکوحہ کے لئے استعمال کرسکتا ہے۔ عدالت کے لئے نہیں۔

تحکیم:

جب دو شخص آپسی اختلاف کے وقت کسی تیسرے کو اپنا حاکم، ثالث اور فیصل تسلیم کرلیں اور اس کے فیصلہ پر رضامندی کا متفقہ اظہار کردیں تو اسے تحکیم کہتے ہیں، اس ثالث کی حیثیت قاضی کی ہوجائے گی اور اس کا فیصلہ فریقین کے لئے واجب التسلیم ہوگا۔ صاحب ہدایہ اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"**وهذا إذا كان الحكم بصفة الحاكم، لأنه بمنزلة القاضي فيما بينهما فيشترط اهلية القضاء ولايجوز تحكيم الكافر**" (ہدایہ ۳/ ۱۲۷)۔

(اس ثالث اور فیصل میں حاکم کی صفت لازمی ہے، کیونکہ اس کی حیثیت قاضی کی ہے لہٰذا قضاء کی اہلیت شرط ہوگی، کسی کافر کو حکم اور ثالث بنانا جائز نہیں ہے)۔

حاصل یہ ہے کہ حکم اور ثالث کا مسلمان ہونا شرط اولین ہے، اس کو نظر انداز کرکے تحکیم کا عمل باطل ہوگا، لہٰذا غیر مسلم عدالت کے غیر مسلم جج کو حکم کی حیثیت حاصل نہ ہوگی اور نہ ہی اس کا فیصلہ معتبر ہوگا۔

۲- اگر عورت اپنے شوہر کو اتنا ناپسند کرتی ہو کہ کسی قیمت پر اس کے ساتھ رہنے کو تیار نہیں ہے تو اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ شوہر کو سمجھا بجھا کر طلاق کے لئے آمادہ کرے اور ایسی صورت میں شوہر کو بھی چاہئے کہ جب رشتۂ نکاح کی مٹھاس اور خوشگواری ختم ہوچکی ہے اور یہ رشتہ ناقابل برداشت بوجھ بن چکا ہے تو شرافت کے ساتھ اپنی بیوی کو ایک طلاق دے کر چھوڑ دے۔

لیکن اگر شوہر اس بات پر راضی نہ ہو تو عورت کو "خلع" کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ شوہر کو کچھ مالی معاوضہ پیش کرکے اسے طلاق پر آمادہ کرسکتی ہے، دوسرے تمام شرعی معاملات کی طرح خلع بھی ایجاد و قبول کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔ یہ معاملہ زوجین ازخود باہمی رضامندی سے کرسکتے ہیں، عدالت میں جانے کی ضرورت نہیں۔

لہٰذا: عورت کی طرف سے رشتۂ نکاح ختم کرنے کی عدالت میں درخواست دینا اور اس پر کارروائی کرتے ہوئے علاحدگی کا فیصلہ شرعی نقطۂ نظر سے باطل ہے۔ اس سے رشتۂ نکاح ختم نہ ہوگا بلکہ باقی رہے گا۔ عورت اگر شوہر سے علاحدگی چاہتی ہے تو اسے خلع کا راستہ اپنانا ہوگا۔

۳- عورت کی طرف سے عدالت میں علاحدگی کی درخواست آئی، اور شوہر نہ تو عدالت میں حاضر ہوا اور نہ ہی علاحدگی کی بابت آمادگی کا اظہار کیا، اس لئے عدالت نے حالات کا جائزہ لے کر تفریق کا فیصلہ کردیا تو یہ فیصلہ باطل اور معدوم ہے، کیونکہ یہ معاملہ "تفریق بین الزوجین" کا بنتا ہے، اور یہ معاملہ غیر مسلم عدالت کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے مسلمانوں پر غیر مسلم قاضی نہیں ہوسکتا، فقہاء کے یہاں اس کی صراحتیں موجود ہیں۔ علامہ ابن رشد القرطبی (م ۵۹۵) تحریر فرماتے ہیں:

"فأما الصفات المشترطة في الجواز فأن يكون حراً مسلماً بالغاً ذكراً عاقلاً عدلاً" (بدایۃ المجتہد ۲/ ۴۵۴ (باب من یجوز قضاؤہ)۔

(فیصلہ جائز ہونے کے لئے قاضی میں جن صفتوں کا پایا جانا ضروری ہے وہ یہ ہیں کہ قاضی آزاد ہو مسلمان ہو، بالغ مرد ہو اور عاقل وعادل ہو)۔

اس بات پر علماء وفقہاء کا اجماع ہے کہ غیر مسلم کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں ہوسکتی بلکہ باپ اگر (نعوذ باللہ) مرتد ہوجائے تو مسلمان بیٹے پر اس کی ولایت ختم ہوجائے گی۔

لہٰذا کسی غیر مسلم جج کا نکاح فسخ کردینا غیر معتبر ہے، اور اگر عدالت اسکا فیصلہ کردے تو اپنے علاقہ کی شرعی پنچایت سے رجوع کرکے اپنا نکاح فسخ کرایا جائے۔

۴- "جج" اگرچہ غیر مسلم حکومت وغیر مسلم عدالت کا ہے مگر مسلمان ہے، وہ اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت مسلمانوں کے نکاح کے فسخ وتفریق کا کام بھی کرتا ہے تو اسے مسلم حاکم و قاضی کی حیثیت حاصل ہوگی اور اس کا فیصلہ تفریق معتبر ہوگا۔

غیر مسلم حکومت کے ذریعہ مقرر کردہ مسلمان جج کو قاضی و مسلم حاکم کی حیثیت اس لئے حاصل ہوگی کہ (الف) اس کی پشت پر قوت نافذہ وقاہرہ موجود ہے۔

(ب) اس کی تقرری پر مسلمان راضی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جمہوری حکومتوں میں مسلمان بھی اقتدار اعلیٰ میں شریک ہیں۔

(الف) قضاء اور قوت نافذہ:

حکومت وامارت کا مقصد اصلی عدل وانصاف کا قیام ہے، حکومتیں منجانب اللہ عدل و انصاف کی ہی بناء پر بنائی اور بگاڑی جاتی ہیں، کفر و ایمان کی بنیاد پر نہیں، مطلب یہ ہے کہ عدل و انصاف کا تقاضہ جس حکومت سے پورا ہوتا ہے وہ برقرار رکھی جاتی ہے، اگرچہ غیر مسلم ہی ہو۔ اور جس حکومت سے یہ مقصد پورا نہ ہوتا ہو اسے ختم کردیا جاتا ہے اگرچہ وہ حکومت مسلمانوں کی ہو۔

''دارالقضاء'' اور عدالتیں یہ حکومت وامارت کا کلیدی شعبہ ہیں جس کے ذریعہ حکومتیں عدل وانصاف قائم کرتی ہیں۔ یہ عدالتیں حکومت کے ماتحت کام کرتی ہیں اور ثبوت وشواہد کی بنیاد پر حق و باطل کا تعین کرتی ہیں، عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتی ہیں۔ حکومت قیام عدل و انصاف میں عدالت اور دارالقضاء کی محتاج ہیں، جب کہ عدالت اور دارالقضاء اپنے فیصلے کو سماج میں نافذ کرانے کے لئے قوت قاہرہ ونافذہ (حکومت) کی محتاج ہے۔

دارالقضاء کی پشت پر قوت نافذہ (حکومت) کا ہونا ازحد ضروری ہے اگرچہ غیر مسلم ہی ہو۔ فقہاء کرام بغیر قوت نافذہ کے قضاء کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے۔

''ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کان کافراً''

(درمختار ۴/ ۴۲ ۳مطبوعہ دیوبند)۔

(سلطان کے لئے قاضی کا تقرر کرنا جائز ہے، اگرچہ وہ انصاف پرور ہو یا ظالم یا کافر ہو)۔

علامہ شامی اس کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

”وهذا ظاهر في اختصاص تولية القضاء بالسلطان ونحوه كالخليفة“ (شامی ۴/ ۳۴۲)۔

(مصنفؒ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی کی تقرری سلطان یا خلیفہ کے لئے مخصوص ہے)۔

آگے مزید تاکید کے لئے تحریر فرماتے ہیں:

”حتى لو اجتمع أهل بلدة على تولية واحد القضاء لم يصح“ (شامی ۴/ ۳۴۲)۔

(اگر کسی شہر کے لوگ متفق ہو کر کسی کو قاضی بنا دیں تو یہ صحیح نہیں ہوگا، (وہ قاضی شرعی قاضی نہیں ہوگا)۔

عدالت اور دار القضاء کی پشت پر اگر قوت نافذہ نہیں ہوگی تو مظلوموں کو انصاف ملنا مشکل ہو جائے گا، عدل وانصاف کا قیام ناممکن بات ہوگی۔ ہر فرد اپنے سے کمتر کو دبائے گا، اس کی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر اپنے فریضہ سے پہلو تہی کرے گا۔ اس طرح سماج میں بدامنی، انتشار اور رزاجیت پھیلنے اور پھولنے لگے گی۔

امن وامان اور نظم ونسق کی بحالی کتنی ضروری ہے؟ فقہاء نے اسکا بھرپور احساس کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر اس موقعہ پر جہاں اجتماع ہو حتی کہ اجتماعی عبادتوں کی ادائیگی کے موقعہ پر بھی قوت نافذہ کے نمائندہ کی موجودگی شرط قرار دیتے ہیں:

”ولایجوز إقامتها إلا للسلطان ولمن أمره السلطان لإنها تقام بمجمع عظيم وقد تقع المنازعة في التقدم والتقديم وقد تقع في غيره فلا بد منه“ (ہدایہ ۱/ ۱۴۸)۔

(جمعہ قائم ہونے کے لئے سلطان یا اس کے نائب کا ہونا ضروری ہے کیونکہ جمعہ میں مجمع زیادہ ہوتا ہے، ایسے موقعہ پر امام بننے اور امام بنانے پر جھگڑا ہوجاتا ہے، اس لئے امام کا ہونا ضروری ہے)۔

ظاہر ہے فقہاء کرام جمعہ اور اسی طرح صلوۃ کسوف کے موقعہ پر سلطان کا ہونا ضروری قرار دیتے ہیں تو یہ صرف اس لئے کہ اجتماع کے موقعہ پر نقض امن وامان اور فتنہ کا خطرہ بہرحال ہوتا ہے۔اور اس کو ختم کرنے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے **قوت نافذہ** کی موجودگی۔ معلوم ہوا کہ **قوت نافذہ** کی موجودگی امن وامان کے لئے لازمی، نظم ونسق کی پاسبان اور عدل گستری وانصاف پروری کی ضامن ہے۔چنانچہ، فقہاء **قوت نافذہ** کے لئے اسلام کی شرط بھی ضروری نہیں مانتے۔

"وفي التتارخانية: الإسلام ليس بشرط فيه أي في السلطان الذي يقلد" (شامی ۲/ ۳۴۲)۔

(جو سلطان قاضی مقرر کرسکتا ہے اس کے لئے مسلمان ہونا ضروری نہیں)۔

(ب) قضا اور تراضی مسلمین:

ان تصریحات سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ وہ ممالک جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور اقتدار اعلیٰ تنہا مسلمانوں کے پاس نہ ہو تو اقتدار اعلیٰ کی طرف سے ایک مسلمان قاضی وحاکم کی تقرری کا مطالبہ کرنا لازمی ہوگا۔اگر غیر مسلم اقتدار اعلیٰ نے کسی مسلمان قاضی کی تقرری کردی اور مسلم رائے عامہ اس پر راضی ہو تو وہ بھی قاضی اور حاکم شرعی مانا جائے گا۔اور اسے فسخ وتفریق کا حق حاصل ہوگا۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

وأما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما منهم (شامی ۴/ ۳۴۲)۔

(وہ ممالک جہاں کفار حاکم ہیں تو وہاں مسلمانوں کے لئے جمعہ اور عیدین کا قیام جائز ہے اور (کافر حاکم، کا مقرر کردہ قاضی) قاضی شرعی مانا جائے گا جبکہ مسلمان اس پر راضی ہوں، تو واجب ہے مسلمانوں پر کہ کافر حکومت سے مسلمان حاکم و قاضی کا مطالبہ کریں)۔

آگے تحریر فرماتے ہیں:

"ولکن إذا ولی الکافر علیهم قاضیا ورضیه المسلمون صحت تولیته بلا شبهة" (۴/۳۴۲)۔

(اور کافر حکومت جب مسلمانوں پر کسی قاضی کو مقرر کردے اور مسلمان اس پر راضی ہوں تو اس کا قاضی بنانا صحیح ہے)۔

مذکورہ بالا فقہی نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ تراضی مسلمین سے "قاضی شرعی" وجود میں نہیں آئے گا، لیکن امیر اور والی کا نصب و تعین تراضی مسلمین سے جائز بلکہ بعض حالات میں واجب ہوتا ہے، وجہ صاف ہے کہ نصب امیر کے ساتھ ساتھ قوتِ نافذہ لازماً ثابت ہوجائے گی جبکہ نصب قاضی سے قوت نافذہ ممکن نہیں کہ حاصل ہو۔

چنانچہ کافر حکومت کا مقرر کردہ قاضی چونکہ اپنی پشت پر قوت نافذہ رکھتا ہے اور پھر مسلمانوں کی رضامندی نے اس کو اور زیادہ قوت عطاء کردی ہے اس لئے فقہاء اسے قاضی شرعی تسلیم کرتے ہیں، فقہاء کرامؒ کے یہاں اس کی صراحت ملتی ہے کہ اگر کسی صوبہ یا کسی شہر میں کوئی حاکم ہو اور وہ کسی اقتدار اعلیٰ کے ماتحت نہ ہو تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنا امیر اور والی منتخب کرلیں ظاہر ہے کہ جب مسلمان کسی کی ولایت و امارت پر متفق ہوجائیں گے تو اس امیر کو قوت نافذہ حاصل ہوجائے گی اور وہ قضاۃ کا تقرر کرسکتا ہے۔ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"ثم إن الظاهر أن البلاد التی لیست تحت حکم سلطان بل لهم أمیر منهم مستقل بالحکم علیهم بالتغلب أو باتفاقهم علیه یکون ذالک الأمیر فی

حکم السلطان فیصح منه تولیة القاضی علیهم" (ردالمحتار ۴/۴۳-۴۲ طبع دیوبند)۔

(وہ بلاد وامصار جو کسی سلطان کے ماتحت نہیں ہے بلکہ انکا مستقل امیر ہے (خواہ) قہرو غلبہ کے ذریعہ (امیر بنا ہو) یا ان لوگوں کی اتفاق رائے سے (امیر بنا ہو) بہر صورت وہ امیر سلطان کے حکم میں ہے اور اسکی طرف سے قاضی کی تقرری صحیح ہوگی) (شامی مکتبہ فیض القرآن دیوبند)۔

معلوم ہوا کہ وہ بلا دوامصار جو کسی اقتدار اعلیٰ کے ماتحت نہ ہو وہاں مسلمانوں کے لئے نصب امیر واجب اور ضروری ہے، کیونکہ وہاں پر امیر کو قوت نافذہ حاصل ہوجائے گی برخلاف ان بلادو امصار کے جو اقتدار اعلیٰ کے ماتحت ہیں، جمہوری پارلیمنٹ کے ماتحت ہیں جیسے ہندوستان کے وہاں پر انتخاب امیر جائز نہیں ہے کیونکہ قوت نافذہ کا حصول ناممکن ہے۔لہٰذا ان جگہوں پر تقرر قاضی بدرجہ اولیٰ درست نہیں معلوم ہوتا۔ایسی جگہوں پر صرف دو متبادل موجود ہیں: (۱) جمہوری حکومت سے مسلم قاضی کی تقرری کرائی جائے یا پھر (۲) امام مالکؒ کے مذہب کے مطابق شرعی پنچایت قائم کرکے اپنے مسائل حل کئے جائیں۔

غیر مسلم عدالتیں وحکام اور مسلمان:

مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ اور مسلمان حاکم وامیر کی اطاعت وفرمانبرداری انکا دینی ومذہبی فریضہ ہے قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"یا أیها الذین اٰمنوا أطیعوا الله واطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم"

(سورہ نساء)۔

(اے ایمان والو! اللہ کی پیروی کرو اور رسولؐ کی پیروی کرو، اور اپنے میں سے اہل اختیار (حاکم) کی پیروی کرو)۔

قرآن کریم کے نزدیک انسانی زندگی کے مسائل میں فیصل اور حاکمیت کی حیثیت نہ

فرد کو حاصل ہے نہ جماعت کو بلکہ اللہ کو حاصل ہے: إن الحکم الا للّٰہ (حکم دینا صرف اللہ کا حق ہے) اس کے بعد اللہ کے بھیجے ہوئے اس رسول کو حاصل ہے جن کی اطاعت اور پیروی خود اللہ کی اطاعت ہے۔ وما أرسلنک إلا لیطاع بإذن اللہ۔

اس کے بعد ان لوگوں کی اطاعت فرض ہے جو خدا اور اس کے رسول کے قانون، اور امر و نواہی کو نافذ کرنے کی غرض سے حکومت الٰہیہ کے سربراہ مقرر کئے گئے ہوں۔ جن کو قرآن نے اپنی اصطلاح میں ''أولوالأمر'' کہا ہے۔

اولوالامر کی تنصیب، خلافت و امارت کا قیام ہے یہ مسلمانوں کا شرعی فریضہ اور مذہبی ذمہ داری ہے، قرآن کریم نے اسی کو اقامت دین سے تعبیر کیا ہے: "أقیموا الدین ولا تتفرقوا" (شوریٰ)۔ اسی لئے فقہائے کرام نے امارت وخلافت کے قیام کو مسلمانوں کا اجتماعی فریضہ قرار دیا ہے۔

روئے زمین کا وہ خطہ جہاں مسلمانوں کو اقتدار حاصل ہے حکومت الٰہیہ قائم ہے وہ بہت خوش نصیب خطہ ہے، اسے ''دارالاسلام'' کہتے ہیں اور وہ خطہ جہاں مسلمان حاکم نہیں محکوم ہیں، غالب نہیں بلکہ مغلوب اور مجبور ہیں۔ ایسا خطہ دو طرح کا ہے یا تو وہاں غیر مسلموں کے ساتھ معاہدہ ہو گیا ہو جس کے تحت انہیں مذہبی آزادی حاصل ہوئی ہے تو اسے ''دارالامان'' (موجودہ دور کی سیکولر جمہوری حکومتیں بہر حال دارالامان نہیں، کیوں کہ اس طرح کی حکومتوں میں تمام اقلیتوں بشمول مسلم اقلیت کو مذہبی آزادی حاصل ہوتی ہے، اپنے ملی تشخصات، دینی روایات، اور مذہب و ثقافت پر عمل کرنے نیز ان کی حفاظت اور تبلیغ و اشاعت کی اجازت ہوتی ہے) کہتے ہیں (قاموس الفقہ ۱/۴۸۶)، اور اگر معاہدہ نہ ہو سکے، مذہبی آزادی نہ مل سکے تو اسے ''دارالحرب'' کہتے ہیں۔ ایسی جگہوں سے ہجرت فرض ہو جاتی ہے۔

دارالاسلام میں چونکہ مسلمانوں کو اقتدار حاصل ہے، حکومت الٰہیہ قائم ہے، اس لئے

اطاعت الٰہی، اطاعت رسول اور اطاعت اولوالامر تینوں پر بخوبی قدرت حاصل ہے۔

دارالامان میں جہاں مسلمان تنہا اقتدار کے مالک نہیں ہیں بلکہ معاہدہ کے تحت اقتدار میں شریک ہیں وہاں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں کوئی دشواری نہیں ہوگی، کیونکہ ان کو مذہبی آزادی حاصل ہے،لیکن اطاعت اولوالامر کے فریضہ پر عمل ممکن نہیں ہوگا کیونکہ وہاں حکام غیر مسلم ہوں گے، عدالتیں غیر مسلم ہوں گی تو وہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ عدالتیں و حکام کس حدتک مسلمانوں کے معاملات میں فیصلے کر سکتے ہیں یا مسلمان کس حد تک ان کے فیصلوں کا اعتبار کر سکتے ہیں۔

اس طرح کی صورتحال صرف اور صرف دارالامان میں پیش آئے گی، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ دارالامان سے متعلق تمام ضروری مباحث اور بنیادی اصولوں پر روشنی ڈالی جائے اور اس سے متعلق جزئیات وفروعات کو سامنے لایا جائے تاکہ جمہوری ممالک کی مسلم اقلیت کو درپیش حالات میں رہنمائی حاصل ہو سکے۔

دارالأمان اور قرآن کریم:

ان ممالک میں جہاں مسلمان اقتدار اعلی سے محروم ہیں اسلامی شریعت حکم دیتی ہے کہ ''بر'' اور ''قسط'' کی بنیاد پر غیروں کے ساتھ معاہدہ کریں اور جمہوری اداروں کے ساتھ اشتراک و تعاون کریں، اور پوری ایمانداری کے ساتھ اس کے تقاضوں پر عمل کریں، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

''لاینهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم، إن الله يحب المقسطين، إنما ينهاكم الله عن الذين قاتلوكم في الدين وأخرجوكم من دياركم وظاهروا على إخراجكم أن تولوهم ومن يتولهم فاولئك هم الظلمون'' (سورہ ممتحنہ آیت ۹-۸، پارہ ۲۸)۔

(اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑتے ہوں (خواہ بالفعل یا بالعزم) اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو، اور نکالا بھی نہ ہو لیکن تم کو نکالنے میں نکالنے والوں کی مدد کی ہو، اور جو شخص ایسوں سے دوستی کرے گا سو وہ ظالم ہیں)۔

یہ آیتیں صرف ان غیر مسلموں کے ساتھ صلح و آشتی کا ہاتھ بڑھانے سے روک رہی ہیں جو:

(الف) مسلمانوں سے دین کی بنیاد پر جنگ کریں۔
(ب) مسلمانوں کو ان کے وطن سے نکالیں۔
(ج) مسلمانوں کو ان کے وطن سے نکالنے میں امداد کریں۔

ان تین قسموں کے علاوہ تمام غیر مسلموں کے ساتھ اجازت دے رہی ہیں کہ ''بر'' اور ''قسط'' کے اصولوں پر ان سے معاہدہ کریں، ان کے ساتھ ملکی نظم و نسق میں تعاون اور نظام زندگی میں اشتراک اور امداد باہمی عمل میں لائیں۔

اسلامی حکومت اور سیکولر حکومت:

اس موقعہ پر یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ وہ حکومت جس کا دستور اساسی کتاب اللہ ہے، آپ اس کو خلافت راشدہ کہیں یا اسلامی حکومت کہیں وہ عملی طور پر سیکولر اور غیر فرقہ وارانہ حکومت ہوگی کیونکہ اسلامی حکومت میں:

۱) غیر مسلموں کی جان، مال، عزت و آبرو اسی طرح محفوظ ہوگی جس طرح مسلمانوں کی۔

۲) غیر مسلموں کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی، وہ اپنے ضمیر، اپنی رائے اور مذہب پر عمل کریں گے اور اپنی عبادت گاہوں کی حفاظت بھی کریں گے۔

۳) ملک اور اہل ملک کی حفاظت مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہوگا، غیر مسلموں کو جبرا فوج اور پولس میں بھرتی نہیں کرسکیں گے۔

۴) کاروبار میں غیر مسلموں کو مسلمانوں سے زیادہ آزادی حاصل ہوگی، مثلاً شراب، خون، مردار وغیرہ کی تجارت مسلمان ہرگز نہیں کرسکتے جبکہ غیر مسلموں کو اس کی اجازت ہوگی، اسی طرح یہ لوگ بیرونی تجارت میں بھی آزاد ہوں گے البتہ "سود" عام طور پر قانوناً حرام ہوگا۔

۵) جس طرح کسی مسلمان کو ستانا نقصان پہنچانا حرام ہے، اسی طرح غیر مسلموں پر بھی کسی طرح کا ظلم حرام ہوگا۔ فقہاء کرام کا فیصلہ ہے:

"**ظلم الذمی اشد من المسلم**" (شامی ۵/۲۹۶)۔

(ذمی پر ظلم کرنا مسلمان پر ظلم کرنے کی بہ نسبت بہت سخت برا ہے)۔

خود حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

"**لاتسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدواً بغیر علم**"۔

(برا مت کہو ان لوگوں کو جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو پوجتے ہیں۔ ورنہ دشمنی میں وہ لوگ بغیر علم کے اللہ کو برا کہنے لگیں گے)۔

بلا شبہ غیر مسلموں کو دعوت حق دیں گے مگر نہایت خوش اسلوبی اور نرمی کے ساتھ جبر و اکراہ، اور دل خراشی ہرگز جائز نہیں۔

دار الأمان اور مسلمان:

مسائل شرعیہ تین طرح کے ہیں: (ا) وہ مسائل جو اسلامی حکومت اقتدار سے متعلق

ہیں (۲) وہ مسائل جو دارالأمان سے متعلق ہیں (۳) وہ مسائل جو دارالحرب میں جاری ہوتے ہیں۔

(۱) دارالامان میں مسلمانوں کوصرف مذہبی آزادی حاصل ہوگی، حکومت واقتدار اعلیٰ کلی طور پر حاصل نہیں ہوگا، لہٰذا دارالاسلام سے متعلق احکامات نافذ کرنے کے لئے مسلمان مکلف نہیں ہوں گے۔" **لایکلف اللہ نفسا إلا وسعها**" ۔اللہ تعالیٰ لوگوں کو طاقت کے مطابق ہی مکلف بناتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ اس کے لئے اسلامی حکومت واقتدار شرط ہے۔مثلاً اسلامی حدود وتعزیرات یعنی قتل عمد، قتل خطاء، زنا، تہمت، چوری ڈکیتی شراب نوشی کی وہ مخصوص سزائیں جو اسلام نے مقرر کی ہیں اسلامی نظام حکومت کے بغیر انکا نفاذ شرعاً واجب نہیں ہے۔

اسلام ان جرائم کوانسانیت کے لئے زہر قاتل اور لعنت قرار دیتا ہے، وہ ایک لمحہ بھی مہذب سماج میں ان جرائم کا ادنی سا شائبہ برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، اس لئے ان جرام کی سزائیں اتنی سخت اور عبرتناک مقرر کی ہیں کہ اگر صحیح طور پر اس کا نفاذ ہوجائے تو دل ودماغ ان جرائم کے تصور سے مدتوں لرزتے رہیں گے۔دوسری قوموں کے نافذ العمل قوانین میں ان کی سزائیں اتنی سخت نہیں ہیں لیکن ان جرائم کی قباحت کو ہر مذہب اور ہر قانون تسلیم کرتا ہے اور صالح معاشرہ کے لئے ان کا انسداد ضروری سمجھتا ہے، لہٰذا اگر کوئی غیر مسلم حکومت ان جرائم کے انسداد کے لئے قانون بنائے تو باوجودے کہ ہمارے عقیدہ کے لحاظ سے وہ قانون عدل وانصاف کے اعلیٰ معیار سے کمتر ہوگا مگر چونکہ مقصد بہتر ہوگا لہٰذا تعاون واشتراک میں مضائقہ نہیں ارشاد ہے:

"**وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان**" (مائدہ:۲)۔

(ایک دوسرے کی مدد نیکی اور تقوی میں کرتے رہو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو)۔

اگر ان جرائم کا ارتکاب کسی مسلمان سے ہو تو غیر مسلم عدالتیں و حکام کا فیصلہ مسلمان کے لئے قابل تسلیم ہوگا۔

۲- معاملات یعنی خرید و فروخت، لین دین، اجرت، شرکت، ملازمت چونکہ افراد سے متعلق ہیں ان کے لئے حکومت وشوکت کی ضرورت نہیں، لہٰذا ان کے احکام میں کوئی خاص فرق نہیں ہوگا۔ مثلاً شراب، خنزیر، مردار وغیرہ کی خرید و فروخت جس طرح دارالاسلام میں مسلمان کے لئے حرام ہے اسی طرح دارالامان بلکہ دارالحرب میں بھی حرام رہے گی۔ قمار، جوا، سٹہ وغیرہ کی حرمت بدستور رہے گی۔ یہ شیطانی اعمال ہیں ان کی خباثت اور شیطنت کسی ملک یا کسی دار کے ساتھ مخصوص نہیں؛ ارشاد الٰہی ہے:

"إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطن فاجتنبوه"۔

(شراب، جوا، بت اور تیروں سے فال نکالنا گناہ ہے شیطان کا کام ہے لہٰذا تم اس سے پرہیز کرو)۔

دھوکا فریب، بلیک مارکیٹنگ صرف معاملات کے لحاظ سے ہی جرم نہیں بلکہ اخلاقی جرم بھی ہیں وہ ہر حالت میں اور ہر جگہ ممنوع رہیں گے۔

اسی طرح ان امور سے اجتناب لازم ہوگا جن کا ارتکاب معصیت اور گناہ ہے مثلاً عصمت فروشی، رقص، سرود، سحر، کہانت، نجوم، جیوتش وغیرہ یہ تمام کام ہر جگہ اور ہر حال میں حرام ہے، با معاوضہ ہوں یا بلا معاوضہ، اسی طرح وہ سارے معاملات بھی ممنوع اور حرام ہوں گے جن سے جرائم کی پرورش ہوتی ہے اور معصیت پروان چڑھتی ہے، مثلاً مورتیوں اور تصاویر کی خرید و فروخت، آلات لہو ولعب وغیرہ۔

یہ تمام وہ امور ہیں جن کی شریعت مطہرہ نے شدت کے ساتھ ممانعت کی ہے، ان کی

حرمت اسلامی اقتدار وحکومت پر موقوف نہیں ہے اور نہ ہی دارالاسلام کی حدود میں محدود ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ دارالاسلام میں ان کی ممانعت اور حرمت کے لئے قانون ہوگا، دارالحرب یا دارالامان میں مسلمانوں کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہوگی کہ قانوناً ممنوع کر سکیں اور ان جرائم کو اسلامی حدود وتعزیرات کے دائرہ میں لاسکیں مگر مذہبی نقطۂ نظر سے ان کی حرمت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

اگر دارالامان میں ان امور کو جرم قرار دے کر قانوناً ممانعت کردی جائے ان کے ارتکاب کرنے والے کو قابل سزا قرار دیا جائے تو مسلمان ان معاملات میں غیر مسلم عدالتوں اور غیر مسلم حکام کے بہر حال پابند ہوں گے۔

۳۔ رہ گئے وہ تمام مسائل جو عبادات اور اخلاقیات سے متعلق ہیں چونکہ ہر مسلمان بحیثیت مسلمان ان احکامات کا مکلّف ہے، لہٰذا ملک اور سیاسی حالات کی تبدیلیوں کا ان پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، ہر حالت اور ہر جگہ مسلمان ان احکامات کے مکلّف ہوں گے۔ سچائی، دیانت داری، رحم، انصاف، سخاوت و مروت جیسے اخلاق جمیلہ مسلمانوں پر ایسے ہی فرض ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ۔ جھوٹ، فریب، ظلم، بخل، خیانت وغیرہ ایسے ہی ممنوع ہوں گے جیسے کفر و شرک، اصنام پرستی، بدعات وغیرہ، لہٰذا ان کے احکامات میں اختلاف دار سے کوئی تفاوت نہیں ہوگا۔ اخلاق وعبادات سے متعلق احکامات مذہبی احکام ہیں جو مذہبی آزادی کے تحت ہیں۔ لہٰذا غیر مسلم عدالتیں اور حکام کو اس سلسلہ میں مداخلت کا دستوری اعتبار سے کوئی حق نہیں، بصورت دیگر مذہب میں مداخلت متصور ہوگا، مسلمان بہر صورت معاملے میں غیر مسلم عدالتوں و حکام کے پابند نہیں ہو سکتے۔

☆☆☆

غیر مسلم ملکوں میں عدالت کے ذریعہ حاصل کئے گئے طلاق کا شرعی حکم

مولانا محمد شاہ جہاں ندوی☆

بلا شبہ اصل یہ ہے کہ مسلمان اپنے فیصلہ طلب امور میں صرف مسلم قاضی یا اس کے قائم مقام کی طرف رجوع کریں، کیونکہ غیر مسلم مسلمانوں کے معاملات میں فیصلہ کرنے کی اہلیت نہ قاضی کی حیثیت سے رکھتا ہے، اور نہ ہی حکم کی حیثیت سے، ارشاد الٰہی ہے:

”ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلاً“ (النساء:۱۴۱)۔

(اور اللہ کافروں کو مومنوں پر کوئی راہ نہ دے گا)۔

شاطبی تحریر کرتے ہیں: ”إن حمل علی أنه إخبار، لم یستمر مخبره، لوقوع سبیل الکافر علی المؤمن کثیرا، بأسره وإذلاله، فلا یمکن أن یکون المعنی إلا علی ما یصدقه الواقع، ویطرد علیه، وهو تقریر الحکم الشرعي؛ فعلیه یجب أن یحمل“ (الموافقات للشاطبی: إبراہیم بن موسیٰ (۷۹۰ھ)، المقدمۃ الثالثۃ عشرۃ ۱/۱۵۶، ط: دار ابن عفان، السعودیۃ، الطبعۃ الأولیٰ ۱۴۱۷ھ ۱۹۹۷م)۔

(اگر اس کلام الٰہی کو خبر پر محمول کیا جائے، تو جس چیز کی خبر دی گئی ہے اس میں استمرار نہیں رہے گا، کیونکہ کافر کو مومن پر قید اور ذلیل کرنے کے ذریعہ بہت دفعہ راہ مل جاتی ہے، لہٰذا

☆ جامعہ اسلامیہ، شانتاپورم، مالاپورم، کیرالا۔

وہی معنی مراد ہوں گے، جس کی حقیقت حال تصدیق کرتی ہو، اور اس میں تسلسل ہو، اور وہ حکم شرعی کو ثابت کرتا ہے، لہٰذا اسی پر محمول کیا جانا چاہئے)۔

یعنی آیت خبر کی صورت میں وارد ہے، اور اس سے مراد امر ہے، اور مطلب یہ ہے کہ شرعی اعتبار سے یہ درست نہیں کہ کافر کو مسلمانوں پر قانونی تسلط حاصل ہو، لہٰذا کافر میں مسلمانوں کے تعلق سے شہادت اور فیصلہ کی اہلیت نہیں ہے، چنانچہ اس پر اتفاق ہے کہ غیر مسلم سے مسلمانوں کے معاملات میں فیصلہ کرنے کی اہلیت مسلوب ہے۔

لیکن اس وقت دنیا کے بہت سے ممالک میں مسلمان اقلیت کی حیثیت سے رہتے ہیں، جہاں ان کو اسلامی عدالت قائم کرنے کی اجازت نہیں ہے، کہ وہ اس کے سامنے اپنا مقدمہ لے جاسکیں، جس کی بنا پر ان کے مقدمات پوری طرح اس ملک کے جج کے قوانین کے تابع ہیں، جہاں وہ رہتے ہیں، چنانچہ ان کے حالات ''ضرورت'' کے دائرہ میں آتے ہیں، جس کے مخصوص احکام ہیں، اور جو مصلحت کو حکم کا معیار بناتی ہے، اور امکان واستطاعت کو مکلف بنانے کی اساس قرار دیتی ہے، اس لیے کہ ارشاد الٰہی ہے: ''**فاتقوا الله مااستطعتم**'' (التغابن:۱۶) (سو اللہ سے ڈرتے رہو، جہاں تک ہو سکے) چنانچہ اس پس منظر میں غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ دی جانے والی طلاق پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اس تمہید کے بعد ہم سوالات کے جوابات تحریر کرتے ہیں:

۱- شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دے کہ میں اپنے رشتۂ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہوں، لہٰذا میرے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کر دیا جائے، تو اس درخواست کو تفویض مطلق یا توکیل نہیں مان سکتے ہیں کیونکہ تفویض مطلق مجلس کے ساتھ مقید ہوتی ہے، الدر المختار میں ہے:

''**والفرق بينهما في خمسة أحكام: ففي التمليك لايرجع، ولايعزل،**

ولایبطل بجنون الزوج، ویتقید بمجلس، لابعقل، فیصح تفویضه بمجنون، وصبي لایعقل، بخلاف التوکیل" (الدر المختار ۴/۵۵۵-۵۵۶، ۱۴۱۵ھ)۔

(او ر دونوں یعنی تملیک اور توکیل کے درمیان فرق پانچ احکام میں ہے، چنانچہ تملیک میں (۱) رجوع نہیں کرسکتا ہے۔ (۲) اور معزول نہیں کرسکتا ہے (۳) اور تملیک شوہر کے مجنون ہونے سے باطل نہیں ہوتی ہے۔ (۴) اور تملیک مجلس کے ساتھ مقید ہوتی ہے (۵) عقل کے ساتھ مقید نہیں ہوتی ہے، لہٰذا مجنون کو طلاق کی تفویض صحیح ہے، اور ایسے بچہ کو طلاق کی تفویض صحیح ہے جو عقل والا نہ ہو، برخلاف پانچوں مسائل میں توکیل کے) اور اس درخواست کو توکیل بھی نہیں قرار دے سکتے ہیں، کیونکہ عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد طلاق وفرقت کے فیصلہ میں خودمختار ہوتی ہے، جبکہ وکیل موکل کی چاہت کے مطابق کام کرتا ہے۔

ردالمحتار میں ہے: "**والوکیل مطلوب منه الفعل شاء أو لم یشاء**" (ردالمحتار لابن عابدین محمد امین (۱۲۵۲ھ) کتاب الطلاق، باب تفویض الطلاق ۴/۵۵۵، ط: دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولی ۱۴۱۵ھ-۱۹۹۴م)۔

(وکیل سے فعل مطلوب ہوتی ہے، چاہے یا نہ چاہے)۔

اور اس درخواست کو تحکیم بھی نہیں مان سکتے ہیں، کیونکہ حکم کا مسلم ہونا شرط ہے۔

البحر الرائق میں ہے: "**ومن جهة الحکم۔ بالفتح۔ صلاحیته للقضاء، بکونه أهلا للشهادة، فلو حکما عبداً، أو صبیا أو ذمیا أو محدوداً في قذف لم یصح، وتشترط الأهلیة وقته، ووقت الحکم جمیعا، فلو حکما عبداً، فعتق، أو صبیا، فبلغ، أو ذمیا فأسلم، ثم حکم لم ینفذ، کما في المقلد**" (البحر الرائق لابن نجیم المصری، زین الدین بن ابراہیم (۹۷۰ھ)، کتاب الحوالة، باب التحکیم ۷/۴۱، ط: الہند)۔

(تحکیم کی شرط محکم (کاف کے فتح کے ساتھ) کے لحاظ سے اس کے اندر قضاء کی صلاحیت ہونا ہے، اس طرح کہ وہ شہادت کی اہلیت رکھتا ہو، سو اگر غلام یا بچہ یا ذمی کافر، یا تہمت

زنا لگانے کی وجہ سے سزا یافتہ کو حکم بنایا، تو صحیح نہیں، اور اہلیت کی شرط تحکیم اور فیصلہ دونوں کے وقت ہے، تو اگر فریقین نے غلام کو حکم بنایا، پھر وہ آزاد ہوگیا، یا بچہ کو حکم بنایا اور وہ بالغ ہوگیا، یا ذمی کافر کو حکم بنایا، پھر وہ اسلام لے آیا، اور اس نے فیصلہ کیا، تو فیصلہ نافذ نہ ہوگا، جیسا کہ قاضی میں بھی یہی شرط ہے)۔

ہاں البتہ اس کو تفویض مقید جو کہ مجلس کے ساتھ مقید نہیں ہوتی ہے، مان سکتے ہیں گویا درخواست دینے والا شوہر غیر مسلم جج کو عدالتی کارروائی مکمل کرکے طلاق دینے کا مالک بنا رہا ہے، البحر الرائق میں ہے:

"وتمسک ابن المنذر لمن لم يشترطه بقوله – عليه السلام – لعائشة رضى الله عنها: "لا تعجلى، حتى تستأمرى أبويک، ضعيف؛ لأن اختارت نفسها، طلقها بدليل قوله تعالى:"فتعالين أمتعكن وأسرحكن سراحا جميلا" (الأحزاب:۲۸) **وأجاب فى المعراج بأنه – عليه السلام۔ جعل لها الخيار، إلى غاية استشارة أبويها، لامطلقاً، وكلامنا فى المطلق"** (البحر الرائق، کتاب الطلاق، باب تفویض الطلاق ۳/۵۳۹)۔

(ابن منذر کا ان لوگوں کے لیے جنہوں نے مجلس کے ساتھ تفویض کے مقید ہونے کی شرط نہیں لگائی ہے، حضرت عائشہؓ سے نبی کریم ﷺ کے قول "جلدی نہ کرنا، یہاں تک کہ اپنے والدین سے مشورہ کرلینا" سے استدلال کمزور ہے، کیونکہ یہ تخییر اس مسئلہ سے نہیں، جس میں اختلاف ہے، اور وہ یہ کہ عورت خود سے طلاق واقع کرے، بلکہ وہ اس پر محمول ہے کہ اگر وہ اپنے آپ کو اختیار کرتی ہیں، تو نبی کریم ﷺ ان کو طلاق دے دیں گے، اس دلیل سے کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے: (تو آؤ، میں تمہیں دے دلا کر عمدگی و خوبی اور خوبصورتی کے ساتھ، رخصت کردوں)، اور "المعراج" میں جواب دیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو اپنے والدین سے مشورہ کرنے تک اختیار دیا تھا، مطلق اختیار نہیں دیا تھا، اور ہماری گفتگو مطلق اختیار دینے کے

بارے میں ہے)۔اور یہ تملیک صریحی انداز میں ہی ہے،لہٰذا اس حدیث سے اعتراض نہیں وارد ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:"الثیب تعرب عن نفسھا" (سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب استئمار البکر والثیب، حدیث نمبر ۱۸۷۲)**عن عدی بن عمیرة، وقال البوصیری فی الزوائد: فیہ انقطاع، ولکن الحدیث لہ شواھد صحیحة)۔**

پھر بھی احتیاط اس میں ہے کہ عدالت کے طلاق وفرقت کے فیصلہ کے بعد خود سے بھی شوہر طلاق دے دے۔

۲- عورت کی طرف سے عدالت میں درخواست آئے کہ میرا رشتۂ نکاح ختم کردیا جائے، اور عدالت شوہر کو بلاکر اس سے دستخط لے کہ جو فیصلہ ہو، وہ تم کو منظور ہوگا، تو ایسی صورت میں شوہر کی دستخط کی حیثیت صرف یہ ہوگی کہ حاکم کا فیصلہ بہ حیثیت ماموراسے منظور ہے، اسے تفویض نہیں کہیں گے، پھر اگر عدالت کارروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ کردے، تو اگر غیر مسلم جج کا فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق صحیح ہو، پھر بھی وہ نافذ نہیں، لیکن غیر مسلم اقلیتوں کے احوال کو دیکھتے ہوئے، جو حد ضرورت میں داخل ہیں، اس فیصلہ کی تنفیذ لازم ہوگی، وہ اس طرح کہ شوہر بیوی کو خود طلاق دے دے، تاکہ بیوی معصیت پر برقرار نہ رہے۔

اور اگر غیر مسلم جج کا فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق صحیح نہ ہو، اور عورت شوہر کے ساتھ رہنے پر کسی حال میں تیار نہ ہو، اور نہ خلع پر تیار ہو تو مسلم اقلیتوں کے احوال کو دیکھتے ہوئے شوہر پر لازم ہوگا کہ وہ خود طلاق دے دے، اور اگر ایسا نہ کرے تو اسلامی پنچایت یا اسلامی مرکز اس کی طرف سے طلاق کا فیصلہ کردے، ابن حمی اللہ ''مجموع النوازل الموریتانیة'' کی نظم میں کہتے ہیں:

ولا یحل ترک ناشز علی
عصیانھا، والزوج حتماً قبلا
فداء ھا بما أحب ممکنا
إلا یطلقھا علیہ الأمناء

(الخلاصة في فقه الأقليات۔ جمع وإعداد:- علي بن نايف الشحود، صناعة الفتوى وفقه الأقليات ۳۶/۳، من المكتبة الشاملة) (شوہر کی نافرمانی کرنے والی عورت کو اس کی نافرمانی پر چھوڑنا، حلال نہیں ہے، اور شوہر کو ممکن طریقہ سے اپنی پسند کے مطابق اس عورت سے لازماً فدیہ قبول کرنا ہے، ورنہ عدول کی جماعت اس کی بیوی کو طلاق دے دے گی) اور مجبوری کے تحت مالکیہ کے مذہب کو اختیار کیا جائے گا، جیسا کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے "الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة" میں اختیار کیا ہے۔

۳- اگر عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں نہ آئے یا آئے، مگر دستخط وتفویض پر تیار نہ ہو، اور عدالت حالات کا جائزہ لے کر تفریق کا فیصلہ کردے، اور عدالت کا فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق ہو، تو بھی شرعاً یہ فیصلہ نافذ نہیں ہے، لیکن مسلم اقلیتوں کے احوال کو دیکھتے ہوئے جو "حدِ ضرورت" میں داخل ہیں، اس تفریق کی تنفیذ لازم ہوگی، اور وہ اس طرح کہ شوہر پر بیوی کی تطلیق کو لازم قرار دیا جائے، تاکہ عورت نافرمان بن کر معصیت پر برقرار نہ رہے، اور اگر شوہر طلاق نہ دے تو مسلم پنچایت یا اسلامی مرکز جس میں علماء بھی ہوں، وہ لازماً اس طلاق کا فیصلہ کردیں، تاکہ بیوی معصیت پر نہ رہے، کیونکہ اسی میں فساد کو دور کرنا ہے، اور اسی میں رفع حرج ہے، اور اسی میں قواعد شریعت کی پابندی ہے جو کہ تخفیف، تیسیر، دفع ضرر اور دفع فساد پر مبنی ہیں، اور اسلامی عدالت نہ ہونے کی صورت میں، مسلم قاضی کے قائم مقام مسلمانوں کی جماعت ہے، اور عدالت کے فیصلہ کی تنفیذ خواہ غیر اسلامی عدالت ہو، مصالح کی خاطر اور مفاسد کو دور کرنے اور انارکی ختم کرنے کے لیے جائز ہے، اور یہ مالکیہ کا مذہب ہے، اور مجبوری کے تحت میں اسی کو اختیار کیا جائے گا، جیسا کہ گزرا۔

عز بن عبد السلام تحریر کرتے ہیں: "ولو استولى الكفار على إقليم عظيم، فولوا القضاء لمن يقوم بمصالح المسلمين العامة، فالذي يظهر إنفاذ ذلك

كله، جلبا للمصالح العامة، ودفعا للمفاسد الشاملة، إذ يبعد عن رحمة الشارع، ورعايته لمصالح عباده، تعطيل المصالح العامة، وتحمل المفاسد الشاملة لفوات الكمال فيمن يتعاطى توليتها، لمن هو أهل لها، وفي ذلك احتمال بعيد"۔ (قواعد الأحكام في مصالح الأنام، لأبي محمد عز الدين عبد العزیز بن عبد السلام (۶۶۰ھ)، فصل في معاملة من أكثر مالهم حرام ۱/۷۳، ط: دار المعارف بیروت)

(اور اگر کفار کا وسیع خطہ پر تسلط ہو جائے، اور وہ قضاء کی ذمہ داری ایسے شخص کے سپرد کردیں، جو مسلمانوں کی عمومی مصلحتوں کو انجام دے، تو جو بات سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ ان سب کو نافذ کیا جائے گا، عمومی مصلحت حاصل کرنے، اور ہمہ گیر مفسدہ کو دور کرنے کی خاطر، کیونکہ شارع کی رحمت اور اپنے بندوں کے مصالح کی رعایت سے بعید ہے کہ عمومی مصالح معطل ہو جائیں، اور ہمہ گیر مفاسد کو انگیز کیا جائے، اس شخص کے اندر کمال کے فوت ہونے کی وجہ سے، جو اہل کو عہدہ سپرد کرتا ہے، اور یہ امکان سے بعید تر ہے)۔

بلاشبہ اقلیتوں کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے، مسلمانوں کی جماعت کو قاضی کے قائم مقام درجہ دیا جاسکتا ہے، کیونکہ شریعت اسلامی نے لوگوں کے معاملات کی بنیاد حکمت اور مصلحت پر رکھی ہے، اور ذمہ داریوں کی تعیین کردی ہے، اور ان کو مخصوص اداروں کے حوالہ کیا ہے، یقیناً یہ شرعی نظام ہے، اور ان شرعی نظاموں میں سے ایک نظام عدالت ہے، جس کی ذمہ داری قضاۃ سنبھالتے ہیں، جن کا تقرر خلیفہ یا اس کا نائب یا سلطان مشہور صفات کی بنیاد پر کرتا ہے، جن میں علم و دیانت اہم ہیں، چونکہ غیر مسلم ممالک میں شرعی قضاۃ موجود نہیں ہیں، لہٰذا اسلامی پنچایت یا اسلامی مراکز کو بعض تنازعات کے حل کے لیے شرعی درجہ دے سکتے ہیں، فقہاء اس کا نام "عدول" یا مسلمانوں کی جماعت رکھتے ہیں، جو قاضی کی نیابت کرتی ہے، کیونکہ امام اصل میں جماعت کا نائب ہے تو جب امام کا وجود دشوار ہو، تو بعید نہیں کہ اس کی عدم موجودگی میں جماعت اس کے قائم

مقام ہوجائے، کیونکہ حضرت ابن مسعود کے اثر میں ہے:

"ما رآه المسلمون حسنا، فهو عند الله حسن" (المستدرک للحاکم، حدیث نمبر ۴۴۳۹، حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے اور ذہبی نے حاکم کی موافقت کی ہے، نیز "المعجم الکبیر" للطبرانی، حدیث نمبر ۸۵۰۴، و"مسند احمد" حدیث نمبر ۳۶۰۰، اور شعیب ارنؤط کا کہنا ہے کہ اس کی اسناد حسن ہے)۔

(جسے مسلمان اچھا سمجھیں، تو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے)۔

اور فقہ مالکی میں جابجا اس کی صراحت ملتی ہے کہ قاضی کی عدم موجودگی میں مسلمانوں کی جماعت قاضی کے قائم مقام ہوجائے گی، اور بعض نادر حالات میں قاضی کی موجودگی میں بھی قاضی کے قائم مقام ہوسکتی ہے، مفقود کی بیوی کے احکام کے باب میں خلیل مالکی تحریر کرتے ہیں:

"ولزوجة المفقود الرفع للقاضي والوالي، ووالي الماء، والا فلجماعة المسلمين" (مختصر خلیل ۱/۱۳۶، من المکتبۃ الشاملۃ)۔

(اور مفقود کی بیوی قاضی، والی اور پانی کے والی کے پاس معاملہ لے جائے، ورنہ مسلمانوں کی جماعت کے پاس معاملہ لے جائے)۔

اور خطاب مالکی تحریر کرتے ہیں: "وأما جماعة المسلمين، فظاهر كلامه، أنه لايصح ضربهم الأجل أى لزوجة المفقود، إلا عند فقد من ذكر القاضي – الوالي – ووالي الماء" (مواہب الجلیل فی شرح مختصر الشیخ خلیل، فصل لزوجۃ المفقو دالرفع للقاضی ۱۱/۴۵۹، من المکتبۃ الشاملۃ)۔

(رہا مسلمانوں کی جماعت، تو مصنف کے کلام سے بظاہر یہ بات نکلتی ہے کہ ان کے لئے مدت مقرر کرنا درست نہیں ہے، مگر جبکہ قاضی، والی اور پانی کا والی موجود نہ ہو)۔

اور "التاج والاکلیل" میں ہے: "لو كانت المرأة في موضع، لاسلطان فيه، رفعت أمرها إلى صالحي جيرانها، ليكشفوا عن خبر زوجها، ويضربوا لها

أربعة أعوام، ثم عدة الوفاة، وتحل للأزواج؟ لأن فعل الجماعة في عدم الإمام كحكم الإمام" (التاج والإکلیل لمختصر خلیل، فصل في زوجۃ المفقود ۲۲۸/۶، من المکتبۃ الشاملۃ)۔

(اگر عورت ایسی جگہ ہو، جہاں سلطان نہ ہو، تو وہ اپنے نیک پڑوسیوں کے پاس معاملہ لے جائے، تاکہ وہ اس کے شوہر کا پتہ لگائیں، اور اس کے لیے چار سال کی مدت مقرر کردیں، پھر عدت وفات گزارے، اور مردوں کے لیے وہ حلال ہوجائے گی، کیونکہ جماعت کا فعل امام کی عدم موجودگی میں امام کے حکم کی طرح ہے)۔

اور زرقانی مالکی مصنف کے قول "**فلجماعة المسلمين**" کی شرح میں تحریر کرتے ہیں: "**من صالحي جيرانها، وغيرهم العدول من معظم البلد؛ لأنهم كالإمام الواحد**" (الخلاصۃ فی فقہ الأقلیات ۳۲/۳)۔

(اپنے نیک پڑوسیوں یا ملک کے دوسرے عدول کے پاس لے جائے، کیونکہ وہ امام واحد کی طرح ہیں)۔

صاوی مالکی تحریر کرتے ہیں: "**إن رفعت أمرها للحاكم، إن كان ثم حاكم شرعي "أو لجماعة المسلمين عند عدمه" ولو حكما، كما في زمننا بمصر، إذلاحاكم فيها شرعي، ويكفي الواحد من جماعة المسلمين، إن كان عدلا، معروفا شأنه، أن يرجع إليه في مهمات الأمور بين الناس، لامطلق واحد، وهو محمل كلام العلامة الأجهوري، وهو ظاهر، لاخفاء به، والاعتراض عليه تعسف**" (حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر، الزوج المفقود فی دار الإسلام ۶۹/۲، من المکتبۃ الشاملۃ)۔

(اگر وہ اپنا معاملہ حاکم کے پاس لے جاتی ہے، اگر وہاں حاکم شرعی ہو، یا حاکم کی عدم موجودگی میں مسلمانوں کی جماعت کے پاس اپنا معاملہ لے جاتی ہے، اگرچہ حکمی اعتبار سے ہو، جیسا کہ ہمارے زمانہ میں مصر کا حال ہے، کیونکہ یہاں کوئی حاکم شرعی نہیں ہے، اور مسلمانوں کی

جماعت سے ایک بھی کافی ہے، اگر عادل ہو، اس کا مرتبہ معروف ہو کہ اس کی طرف لوگوں کے درمیان پیش آنے والے اہم معاملات میں رجوع کیا جائے، مطلق ایک کا اعتبار نہیں ہے، اور یہی علامہ اجہوری کے کلام کا مصداق ہے، اور یہ بالکل ظاہر ہے، اس میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے، اوران پر اعتراض بے جا ہے)۔

واضح رہے کہ صاوی نے اپنے آخری کلام کے ذریعہ بنانی کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ ایک شخص قاضی کا قائم مقام کیسے ہوسکتا ہے؟ اور ابوعمران مالکی کا قول ہے کہ:

"أن المكاتب إذا بعث لسيده بكتابته، فلم يقبلها، لايخرج عن الرق، حتى يقضي عليه القاضي، بذلك، إلا أن يكون ببلد لاحاكم فيه، فليشهد، ويكون ذلك كالحكم" (مواہب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، فرع: الرأة تغیب عنہا زوجہا، ۱۲/ ۴۷، جلد اور صفحہ نمبر مکتبہ شاملہ کے مطابق ہے)۔

(اگر اپنے آقا کو بدلِ کتابت بھیجے، اور اس نے قبول نہیں کیا، تو وہ غلامی سے نہیں نکلے گا، یہاں تک کہ اس کا فیصلہ قاضی کرے، مگر یہ کہ ایسے شہر میں ہو، جہاں حاکم نہ ہو، تو گواہ بنالے، اور یہ قاضی کے فیصلہ کی طرح ہوگا)۔

چنانچہ یہ بالکل واضح ہے کہ ابوعمران نے گواہ بنانے کو فیصلہ کے قائم مقام قرار دیا ہے، اور یہی حکم بیع فاسد کے فسخ کرنے، محارب اور قصاص و دیت کے بارہ میں ہے، اور اگر مرنے والا بیٹی اور عصبہ چھوڑے، اور دونوں میں اختلاف ہوجائے، اور امام نہ ہو، تو یہی حکم ہے، اور ابن یونس نے کتاب الحمالۃ میں ذکر کیا ہے کہ عدول کی جماعت امام کے قائم مقام ہوجاتی ہے۔(مرجع سابق ۱۲/ ۴۷)۔

اور "مواہب الجلیل" میں ایک دوسری جگہ ہے: **"إذا تحرج الناس لعدم القضاة، أو لكونهم غير عدول، فجماعتهم كافية في الحكم في جميع**

ماوصفته، وفي جميع الأشياء، فيجتمع أهل الدين والفضل، فيقومون مقام القاضي في ضرب الآجال، والطلاق وغير ذلك" (مصدر سابق ۱۲/۷۵)۔

(قاضیوں کے نہ ہونے سے لوگوں کو حرج ہو، یا اس وجہ سے کہ وہ عادل نہ ہوں، تو مسلمانوں کی جماعت ان تمام باتوں میں فیصلہ کے لیے کافی ہے، جو تم نے بیان کیا، اور تمام چیزوں میں، چنانچہ اہل دین وفضل جمع ہو کر مدت مقرر کرنے اور طلاق وغیرہ کے سلسلہ میں قاضی کی نیابت کریں گے)۔

اور "التاج" میں ہے: "وأما إن رفعت إلى عدول بلدها، والثقات من جيرانها، ولم ترفع أمرها إلى السلطان، فإحدى الروايتين أن ذلك ليس بشيء، وعلى هذه الرواية العمل، وبها الفتيا، وصوب الشيخ أبو الحسن الرواية الأخرى، وأن رفعها إلى الجيران كرفعها إلى السلطان، وكثير من النساء لاترضى الرفع للسلطان، وتراه معرة وفسادا مع زوجها، إن قدم، ابن عرفة: الذي استمر عليه عمل قضاة بلدنا أن الرفع إلى العدول كالرفع إلى السلطان، والرفع للجيران لغو" (التاج والاکلیل لمختصر خلیل، من أسباب الحقيقة النکاح ۶/۳۰۷)۔

(رہا اگر عورت اپنے شہر کے عدول اور اپنے معتبر پڑوسیوں کے پاس معاملہ لے جائے، اور معاملہ سلطان کے پاس نہ لے جائے، تو ایک روایت کے مطابق اس کا اعتبار نہیں ہے، اور اسی روایت پر عمل ہے، اور اسی پر فتوی ہے، اور شیخ ابو الحسن نے دوسری روایت کو صحیح قرار دیا ہے کہ پڑوسیوں کے پاس معاملہ لے جانا بادشاہ کے پاس معاملہ لے جانے کی طرح ہے، اور بہت سی عورتیں سلطان کے پاس معاملہ لے جانا پسند نہیں کرتی ہیں، اور اسے عار تصور کرتی ہیں، اور اپنے شوہر کے ساتھ بگاڑ کا ذریعہ سمجھتی ہیں، اگر شوہر آ جائے، اور ابن عرفہ کہتے ہیں کہ جس پر ہمارے شہر کے قاضیوں کا عمل جاری ہے، وہ یہ ہے کہ عدول کے پاس مقدمہ لے جانا سلطان کے

پاس معاملہ لے جانے کی طرح ہے،اور پڑوسیوں کے پاس معاملہ لے جانا لغو ہے)۔

اور ابن فرحون مالکی تحریر کرتے ہیں:"**تنعقد ولاية القضاء بإجماع ذوى الرأى، وأهل العلم والمعرفة والعدالة لرجل منهم، كملت فيه شروط القضاء، وهذا حيث لايمكنهم مطالعة الإمام في ذلك ولا أن يستدعوا منه ولايته ويكون عقدهم له نيابة عن عقد الإمام الأعظم، أو نيابة عمن جعل الإمام له ذلك، للضرورة الداعية إلى ذلك**" (تبصرۃ الحکام فی اُصول الأقضیۃ، ومناہج الأحکام،فصل القضاء ینعقد بأحد وجہین ۱/۱۴۱،جلداور صفحہ نمبر مکتبہ شاملہ کے مطابق ہے)

(قضاء کی ولایت اہل علم وعدل اوراصحاب رائے کے اتفاق سے منعقد ہوجاتی ہے، ان ہی میں سے کسی ایسے شخص کے لیے جن میں قضا کی شرطیں کامل درجہ میں ہوں،اور یہ وہاں ہوگا، جہاں امام سے رجوع ممکن نہ ہو، اور نہ ہی اس سے ولایت کا مطالبہ ممکن ہو،اوران کا اس شخص کوعہدۂ قضاء پر تقرر کرنا،امام اعظم کی نیابت یا اس شخص کی نیابت میں ہوگا،جس کی ذمہ داری میں قاضی کاتقرر کرنا بھی شامل ہو، کیونکہ ضرورت موجود ہے جواس کی محرک ہے)۔

اگر شہر میں قاضی نہ ہو،توشہر کے صالحین ان کا نکاح کردیں گے، جونکاح کرنا چاہیں، اور ابوجعفر احمد بن نصر داودی سے اس عورت کے بارہ میں پوچھا گیا جونکاح کرنا چاہے،اور وہ ثیبہ ہو،اور شہر میں حاکم نہ ہو، اور اس کے اولیاء بھی غائب ہوں، کیا وہ اپنا معاملہ شہر کے فقہاء کے پاس لے جائے، کہ وہ کسی کوحکم دیں، جواس کا نکاح کردے،اوراس صورت کا کیا حکم ہے کہ شہر میں نہ عالم ہو، اور نہ قاضی، اپنا معاملہ باکرہ اور ثیبہ دونوں صورت میں شہر کے عدول کے پاس لے جائے؟ توانہوں نے جواب دیا کہ شہر میں قاضی نہ ہو،توشہر کے صالحین جمع ہوکر اس کے نکاح کرانے کا حکم دیں، اوران سے ملک ''مصامدہ'' کے بارہ میں پوچھا گیا کہ بسا اوقات ان کا سلطان نہیں ہوتا ہے، اور چوروں اور شراب نوشوں اور دیگر اہل فساد پر حد واجب ہوتی ہے،توکیا

اس جگہ کے عدول اور فقہا حدود قائم کر سکتے ہیں، جبکہ سلطان نہ ہو، اور کیا وہ یتیموں اور غیر موجود لوگوں اور کم عقلوں کے اموال کی نگرانی کر سکتے ہیں؟

تو انہوں نے یہ کہتے ہوئے جواب دیا کہ ان کو یہ حق حاصل ہے، اور ہر ملک جس میں سلطان نہ ہو، یا سلطان ہو جو حدود ضائع کرتا ہو، یا سلطان غیر عادل ہو، تو اس جگہ کے عادل اور اہل علم ان تمام امور میں سلطان کے قائم مقام ہو جائیں گے۔

اور ان سے ایسے ملک کے بارہ میں پوچھا گیا، جہاں نہ قاضی ہو، اور نہ سلطان تو کیا وہاں کے عدول خرید و فروخت اور نکاح کے بارہ میں فیصلہ انجام دے سکتے ہیں؟

تو انہوں نے جواب دیا کہ عدول قاضی اور والی کے قائم مقام ہو جائیں گے، اس جگہ میں جہاں امام اور قاضی نہ ہو، اور ابو عمران فاسی کہتے ہیں کہ جماعت کے فیصلے، جس کے سر سلطان کے عدم موجودگی میں معاملات کی ذمہ داری آجائے، ان میں سے ہر وہ معاملہ نافذ ہے، جو صحت کے ساتھ ہو، ہر ایسے معاملات میں، جن میں سلطان کا فیصلہ نافذ ہوتا ہے، اور ایسے ہی ہر وہ معاملہ نافذ ہے، جو گھروں کے عمال و ذمہ دار صحت کے ساتھ انجام دیں، کیونکہ ان کو فیصلہ کا اختیار رہے) (المعیار المعرب لأحمد بن یحیی الونشریسی (۹۱۴ھ) مبحث: إذا لم یکن بالبلد قاض، ۱۰/ ۱۰۲-۱۰۳، ط: دار الغرب الإسلامی، بیروت)۔

جبکہ دیگر مذاہب فقہیہ میں صرف اشارہ پائے جاتے ہیں:

علامہ شامی تحریر کرتے ہیں: "**فلو الولاة کفاراً، یجوز للمسلمین إقامة الجمعة، ویصیر القاضي قاضیا بتراضي المسلمین، ویجب علیهم أن یلتمسوا والیا مسلما**" (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مطلب في جواز استنابة الخطیب ۳/ ۱۴) (سو اگر حکام کفار ہوں، تو مسلمانوں کے لیے جمعہ قائم کرنا جائز ہے، اور قاضی مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے قاضی ہو جائے گا، اور ان پر لازم ہے کہ مسلم حاکم طلب کریں)۔

اور علامہ شامی محقق ابن ہمام کا حوالہ دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:"وفي الفتح: **وإذا لم يكن سلطان، ولامن يجوز التقلد منه، كما هو في بعض بلاد المسلمين، غلب عليهم الكفار، كقرطبة الآن، يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم، يجعلونه واليا، فيولي قاضيا، أو يكون هو الذى يقضي بينهم، وكذا ينصبوا إما ما يصلي بهم، وهذا هو الذى تطمئن النفس إليه، فليعتمد، نصر**" (ردالمحتار، کتاب القضاء، مطلب فی حکم تولیۃ القضاء فی بلاد تغلب علیہا الکفار ۸/ ۴۳)۔

(''فتح القدیر'' میں ہے کہ اگر کسی ملک میں کوئی مسلمان سلطان نہ ہو، اور نہ کوئی ایسا حاکم ہو جس کی طرف سے قاضی کا تقرر درست ہو، جیسا کہ آج بعض مسلم ممالک مثلاً قرطبہ وغیرہ کا حال ہے، جہاں غیر مسلموں کا تسلط واقتدار ہے، ایسی صورت میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی شخص کو اپنے اتفاق ورضامندی سے اپناوالی وامیر مقرر کرلیں، جو ان کے لیے قاضی مقرر کردے، یا خود وہ والی ہی ان کے مقدمات کا فیصلہ کیا کرے، ابن ہمام کا کلام ختم ہوا، اور اسی پر نفس کو اطمینان ہوتا ہے، تو اسی پر اعتماد کیا جائے ''النہر الفائق'' میں ایسا ہی مذکور ہے)۔

اور علامہ ابو یعلی فراء حنبلی تحریر کرتے ہیں:"ولو أن أهل بلد، قد خلا من قاض، **أجمعوا على أن قلدوا عليهم قاضيا، نظرت، فإن كان الإمام موجوداً، بطل التقليد، وإن كان مفقوداً، صح، ونفذت أحكامه عليهم**" (الأحکام السلطانیۃ لأبی یعلی محمد بن الحسین الفراء الحنبلی (۴۵۸ھ)، ص ۷۳، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۲۱ھ-۲۰۰۰م)۔

(اور اگر کسی ایسے شہر کے باشندگان، جو قاضی سے خالی ہو جائے، کسی کو قاضی بنانے پر اتفاق کرلیں، تو غور کیا جائے گا، سو اگر امام موجود ہو، تو عہدۂ قضا پر تقرر کرنا باطل ہے، اور اگر مفقود ہو تو تقرری صحیح ہے، اور اس کے فیصلے ان پر نافذ ہوں گے)۔

اور اگر غیر مسلم عدالت کا فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق نہ ہو، اور عورت کسی بھی حال

میں شوہر کے ساتھ رہنے پر راضی نہ ہو، اور نہ خلع پر راضی ہو، تو غیر مسلم ممالک میں رہنے والی مسلم اقلیت کے حالات کے پیشِ نظر جو حدِ ضرورت میں داخل ہیں، اس فیصلہ کی تنفیذ لازم ہوگی، وہ اس طرح کہ شوہر خود طلاق دے دے، ورنہ اسلامی پنچایت یا اسلامی مرکز اس کی جانب سے طلاق کا فیصلہ کردے، تاکہ عورت معصیت پر برقرار نہ رہے۔ جیسا کہ گزرا۔

غیر مسلم حکومت وغیر مسلم عدالت کے مسلم جج کو مسلم حاکم و قاضی کی حیثیت نہیں دے سکتے ہیں، کیونکہ اس کا تقرر مسلم قاضی کی حیثیت سے نہیں کیا گیا ہے، اور کافر حاکم کا کسی مسلمان کو مسلمانوں کے معاملات میں فیصلہ کرنے کے لیے قاضی کی حیثیت سے تقرر کرنا، اگرچہ صحیح ہے، علامہ شامی تحریر کرتے ہیں: **"في التاتارخانية: الإسلام ليس بشرط فيه: أي في السلطان الذي يقلد"** (ردالمحتار، کتاب القضاء، مبحث: یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر، ولو کافرا، ۸/ ۴۳)۔

(تاتارخانیہ میں ہے کہ جو بادشاہ قاضی کا تقرر کرتا ہے، اس کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے)۔ اور دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں: **"والإشارة بقوله: "وهذا" إلى ما أفاده كلام الفتح من عدم صحة تقلد القضاء من كافر، على خلاف مامر عن التاتارخانية، ولكن إذا ولي الكافر عليهم قاضيا"** (۸/ ۴۴)۔

(اور اسی پر نفس کو اطمینان ہوتا ہے، اس کے ذریعہ اشارہ، اس بات کی طرف ہے، جو "فتح القدیر" کی گفتگو سے نکلتی ہے، یعنی کافر کی طرف سے عہدۂ قضا پر تقرری درست نہیں ہے، اور یہ اس کلام کے برخلاف ہے جو تاتارخانیہ سے منقول ہو کر گزرا، لیکن اگر کافر مسلمانوں کا قاضی کسی کو بنادے، اور مسلمان اس پر راضی ہو جائیں، تو بلاشبہ اس کی تقرری درست ہوگی، اور "البحر الرائق" میں ہے: **"وأطلق في الجائر، فشمل المسلم والكافر، كما ذكره مسكين معزيا إلى الأصل، وظاهره صحة سلطنة الكافر على المسلمين، وصحة توليته للقضاة"** (البحر الرائق، کتاب القضاء، فصل في التقليد ۶/ ۴۶۱)۔

(اور ظالم سلطان کو مطلق رکھا ہے، تو یہ مسلمان اور کافر دونوں کو شامل ہے، جیسا کہ ملا مسکین نے ''مبسوط'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے، اور اس سے بہ ظاہر یہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں پر کافر کی سلطنت صحیح ہے، اور اس کا قاضی کا تقرر کرنا بھی صحیح ہے)۔

ان عبارتوں سے پتہ چلا کہ کافر سلطان اگر مسلمان جج کا تقرر عمومی معاملات کے لیے کرے، تو اسے مسلم قاضی کی حیثیت نہیں دی جاسکتی ہے۔

البتہ اگر مسلم جج اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت مسلم میاں بیوی کے درمیان فیصلۂ فرقت کرے، اور وہ فیصلہ اسلامی قانون کے لحاظ سے درست ہو، تو ''رفع ضیق'' اور ''درء مفسدہ'' کے تحت اس کا اعتبار کیا جاسکتا ہے، تا کہ مسلمان عورت معصیت پر نہ رہے۔

لیکن بہتر یہ ہے کہ اس فیصلہ کی تنفیذ اسلامی پنچایت یا اسلامی مرکز کے ذریعہ ہو۔

۵-معاملات تین طرح کے ہیں: (۱) دیوانی معاملات (۲) تعزیری معاملات (۳) خانگی معاملات۔

اور قاضی کا مسلمان ہونا ان سارے معاملات میں شرط ہے، کیونکہ غیر مسلم کو مسلم پر ولایت حاصل نہیں ہے، اور اس لیے بھی کہ قانون اسلامی کی روح کو وہی پہچان سکتا ہے، جو اس پر ایمان بھی رکھتا ہو، نیز شریعت کے مقاصد واہداف کا ادراک وہی کرسکتا ہے جو اس پر عقیدہ رکھتا ہو، اور اس کی تطبیق کا خواہاں ہو، چنانچہ غیر مسلم جج اگر چہ اسلامی قانون کا علم رکھتا ہو، وہ اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کے لیے وہ ذہنی سرگرمی صرف نہیں کرسکتا ہے، جو کہ مطلوب ہے۔

تنویر الأبصار میں ہے: "وأهله أهل الشهادة" (تنویر الأبصار ۸/ ۲۳) (اور قضا کی اہلیت وہی رکھتا ہے، جو مسلمانوں کے خلاف شہادت کی ادائیگی کی اہلیت رکھتا ہے)۔

اور ردالمحتار میں ہے: "وحاصله: أن شروط الشهادة من الإسلام والعقل والبلوغ والحرية، وعدم العمى، والحد في القذف، شروط لصحة توليته، ولصحة حكمه بعدها، ومقتضاه أن تقليد الكافر لايصح" (ردالمحتار ۸/ ۲۳-۲۴)

(حاصل کلام یہ کہ شہادت کی شرطیں یعنی اسلام، عقل، بلوغ، آزادی، اندھاپن نہ ہونا، اور تہمت زنا میں سزا یافتہ نہ ہونا، قاضی بنائے جانے کی صحت کی، اور اس کے بعد اس کے فیصلہ کے صحیح ہونے کی شرطیں ہیں، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ کافر کو قاضی بنانا صحیح نہیں ہے)۔

اور ''البحر'' کے حوالہ سے تحریر کرتے ہیں: "قال: في البحر: وبه علم أن تقليد الكافر صحيح، وإن لم يصح قضاؤه على المسلم، حال كفره" (ردالمحتار، کتاب القضاء ۸/۲۴) ''البحر الرائق'' میں لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ کافر کو قاضی بنانا صحیح ہے، اگرچہ کفر کی حالت میں مسلمان کے حق میں اس کا فیصلہ صحیح نہیں ہے)۔

اور ایک جگہ تحریر کرتے ہیں: "ظهر من كلامهم حكم القاضي المنصوب في بلاد الدروز في القطر الشامي، ويكون درزيا، ويكون نصرانيا، فكل منهما، لايصح حكمه على المسلمين، فإن الدرزي لاملة له، كالمنافق والزنديق، وإن سمى نفسه مسلما، وقد أفتى في الخيرية بأنه لاتقبل شهادته على المسلم، والظاهر أنه يصح حكم الدرزي على النصرااني، وبالعكس تأمل" (ردالمحتار، کتاب القضاء ۸/۲۴)۔

(فقہاء کے کلام سے اس قاضی کا حکم ظاہر ہو گیا جو ملک شام کے دروز علاقے میں مقرر ہے، جو درزی ہوتا ہے اور نصرانی ہوتا ہے، تو دونوں میں سے ہر ایک کا فیصلہ مسلمانوں کے معاملات میں درست نہیں ہے، کیونکہ درزی کا کوئی مذہب نہیں ہے، جیسے منافق اور زندیق کا حال ہے، اگرچہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہیں اور ''الخیریہ'' میں فتوی دیا ہے کہ درزی کی شہادت مسلمان کے خلاف قبول نہیں ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ نصرانی پر درزی کا فیصلہ اور برعکس صحیح ہے، غور کرو)۔

جہاں تک کہ غیر مسلم عدالت کے فیصلہ کے اعتبار کا تعلق ہے، تو اصل یہ ہے کہ ایک مسلمان غیر مسلم عدالت کی طرف رجوع نہ کرے، کیونکہ ایسی عدالت کی طرف مقدمہ لے جانا،

جو غیر الٰہی قانون کے مطابق فیصلہ کرے، طاغوت کی طرف مقدمہ لے جانا ہے، جس کے انکار کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

"ألم تر إلى الذين يزعمون أنهم آمنوا بما أنزل إليک ، وما أنزل من قبلک، يريدون أن يتحاكموا إلى الطاغوت، وقد أمروا أن يكفروا به، ويريد الشيطان أن يضلهم ضلالاً بعيداً" (النساء:۶۰)۔

(کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں کی، جو دعوی رکھتے ہیں کہ وہ اس (کتاب) پر ایمان لے آئے ہیں، جو آپ پر نازل کی گئی ہے، اور جو آپ سے قبل نازل ہو چکی ہے (لیکن) چاہتے یہ ہیں کہ اپنے مقدمات طاغوت کے پاس لے جائیں، حالانکہ انہیں حکم مل چکا کہ وہ اس کا انکار کریں، اور شیطان تو چاہتا ہی یہ ہے کہ انہیں دور دراز کی گمراہی میں ڈال دے)۔

لیکن جو شخص غیر اسلامی عدالت میں جانے پر مجبور کر دیا گیا ہو، اس طرح کہ اس کے خلاف دعوی قائم کر دیا گیا ہو، تو وہ مکرہ و مجبور کے حکم میں ہے، اور اس پر گناہ نہیں ہے، ارشاد الٰہی ہے: "إلا من أكره، وقلبه مطمئن بالإيمان" (النحل:۱۰۶) (سوائے اس کے جس پر جبر کیا گیا ہو، اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو)۔

بہتر یہ ہے کہ مسلمان آپس میں ہی صلح کر لیں یا کسی عالم دین یا اسلامی مرکز کے ذریعہ اپنے معاملات حل کر لیں، البتہ چونکہ سارے وضعی قوانین اسلامی شریعت کے مخالف نہیں ہیں، لہٰذا اگر کسی کا حق ہو، یا وہ ظلم کا شکار ہو، اور حق کی وصولیابی یا ظلم کو دور کرنا قانونی عدالت میں مقدمہ لے جائے بغیر ممکن نہ ہو، تو اس کو اپنا حق وصول کرنے اور ظلم کو دور کرنے کے لیے غیر مسلم عدالت میں مقدمہ لے جانا درست ہوگا: "لأن الضرورات تبيح المحظورات" (ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں)۔

اور اگر غیر مسلم عدالت کا فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق ہو، تو مالی معاملات میں اس کا

اعتبار ہوگا،عز بن عبدالسلام تحریر کرتے ہیں:

"بل لو تعذرت العدالة في جميع الناس، لما جاز تعطيل المصالح المذكورة، بل قدمنا أمثل الفسقة فأمثلهم، وأصلحهم للقيام بذلک، فأصلحهم، بناء على انا إذا أمرنا بأمر أتينا منه بما قدرنا عليه، ويسقط عنا ما عجزنا عنه، ولاشک أن حفظ البعض أولى من تضييع الكل وقد قال شعيب۔ عليه السلام : "إن أريد إلا الإصلاح مااستطعت" (ہود:۸۸)وقال الله : "فاتقوا الله مااستطعتم" (التغابن:۱۶)." فعلق تحصيل مصالح التقوى على الاستطاعة، فكذلک المصالح كلها" (قواعد الأحکام،فصل فیما یقدح فی الظنون من .... ۲/۳۷،ط: دارالمعارف،بیروت)۔

(بلکہ اگر عدالت تمام لوگوں میں متعذر ہوجائے ،پھر بھی ذکر کردہ مصالح کو معطل کرنا درست نہ ہوگا، بلکہ فاسقوں میں سے بہتر کو مقدم کریں گے، پھر جو اس کے بعد بہتر ہو،اور شہادت کو انجام دینے کے لیے جو زیادہ لائق ہو، پھر اس کے بعد جو زیادہ لائق ہو،اس بنیاد پر کہ ہمیں جب کسی کام کا حکم دیا جائے،تو ہم اس میں سے اس کو انجام دیں گے،جس پر ہمیں قدرت ہوگی، اور ہم سے وہ چیز ساقط ہوجائے گی ،جس سے ہم عاجز ہوں گے،اور اس میں شک نہیں کہ بعض کی حفاظت کل کو ضائع کرنے سے بہتر ہے،اور شعیب–علیہ السلام–نے فرمایا:"میں تو صرف اپنی قدرت بھر اصلاح کرنا چاہتا ہوں"،اور اللہ تعالی نے فرمایا:"سو جہاں تک تمہارے بس میں ہو، اللہ سے ڈرتے رہو"تو اللہ تعالی نے تقوی کے مصالح کی تحصیل کو استطاعت پر معلق کیا ہے،تو ایسے ہی سارے مصالح کا حکم ہوگا)۔

اور عبد اللہ شنقیطی تحریر کرتے ہیں:"شهادة اللفيف، حيث وجد المستورون، أما إذا كان أهل البلد كلهم فساقاً، فقد نقل القرافي في الذخيرة

عن ابن أبي زيد، إن لم يوجد في جهة إلا غير العدول، أقيم أصلحهم، وأقلهم فجوراً للشهادة عليهم، ويلزم مثل ذلک في القضاة وغيرهم، لكيلا تضيع المصالح، قال: وما أظن أنه يخالف أحد في هذا، فإن التكليف مشروط بالإمكان، وفي المذهب لابن رشد أن الموضع إذا لم يكن فيه عدل، قبلت شهادة أفضلهم، ومثل هذا عن أحمد بن نصر" (طرد الضوال والہمل عن الکروع فی حیاض العمل لعبداللہ العقیلی ص ۲۵)۔

(مجموعہ کی گواہی وہاں ہوگی، جہاں مستور الحال لوگ پائے جاتے ہوں، رہا جبکہ شہر کے سارے لوگ فاسق ہوں، توقرافی نے ''ذخیرہ'' میں ابن ابی زید سے نقل کیا ہے کہ اگر اس خطہ میں صرف غیر عادل پائے جائیں، تو زیادہ لائق اور کم برائی والے کو ان پر گواہی کے لئے کھڑا کیا جائے گا اور اسی کی مانند قضاۃ میں بھی لازم ہے، تاکہ مصالح ضائع نہ ہوں، اور انہوں نے کہا کہ میں نہیں سمجھتا کہ اس میں کوئی مخالفت کرے گا، کیونکہ تکلیف امکان کے ساتھ مشروط ہے، اور ابن رشد کی ''المذہب'' میں ہے کہ اگر وہاں عادل نہ ہوں، تو ان میں سے جو افضل ہو، اس کی گواہی قبول ہوگی، اور ایسا ہی احمد بن نصر سے منقول ہے)۔

اور خلیل مالکی لکھتے ہیں: ''وقبل للتعذر غير عدول، وإن مشركين" (مختصر خلیل ۷۷۶ھ، باب الخیار، التنازع أسباب رد المبیع ۱/۱۵۶، ط: دارالحدیث، القاہرۃ، الطبعۃ الأولی ۱۴۲۶ھ-۲۰۰۵م)۔

(اور دشواری کی وجہ سے غیر عدول کی شہادت قبول کی گئی، اگرچہ وہ مشرک ہوں)۔

خرشی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: ''يعني أن المتبايعين إذا تنازعا في عيب في المبيع، فإنه يقبل في معرفته غير العدول، وإن مشركين" (شرح مختصر خلیل للخرشی، فصل فی بیع الخیار ۵/۱۴۹، جلد اور صفحہ مکتبہ شاملہ کے مطابق ہے)۔

(یعنی اگر بائع اور مشتری میں مبیع کے اندر پائے جانے والے عیب میں اختلاف

ہوجائے، تو اس کی معرفت میں غیر عادل کا قول قبول کیا جائے گا، اگر چہ وہ مشرک ہوں)۔

اور کافر کی گواہی مسلمان کے خلاف وصیت میں امام احمد کے نزدیک قبول ہے، ارشاد الٰہی ہے: "أو آخران من غيركم" (المائدۃ:۱۰۶) (یا دو دوسرے تمہارے غیروں میں سے، اگر تم سفر میں ہو)۔

ابن کثیر تحریر کرتے ہیں: "**وهذان شرطان لجواز استشهاد الذميين عند فقد المؤمنين، أن يكون ذلك في سفر، وأن يكون في وصية، كما صرح بذلك شريح القاضي ...... وقد روى نحوه عن الإمام أحمد بن حنبل – رحمه الله تعالى – وهذه المسألة من أفراده، وخالفه الثلاثة، فقالوا: لاتجوز شهادة أهل الذمة على المسلمين، وأجاز أبو حنيفة فيما بين بعضهم بعضا**" (تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر إسماعیل بن عمر (۷۷۴ھ) ۲/ ۷۹۰-۸۹۱، ط: مؤسسۃ الریان، بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۲۸ھ-۲۰۰۷م)۔

(اور یہ دو شرطیں ہیں مسلمانوں کے عدم موجودگی میں ذمی کافر کو گواہ بنانے کے جواز کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ سفر میں ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ وصیت میں ہو، جیسا کہ شریح قاضی نے اس کی صراحت کی ہے...... اور اسی کی مانند امام احمد سے مروی ہے، اور یہ مسئلہ ان کے تفردات میں سے ہے، اور ائمہ ثلاثہ نے ان کی مخالفت کی ہے، اور کہا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف ذمی کافروں کی شہادت جائز نہیں ہے، اور امام ابوحنیفہ نے ذمیوں کی شہادت ایک دوسرے کے خلاف جائز قرار دیا ہے)۔

ان عبارتوں سے پتہ چلا کہ مجبوری میں کافروں کی شہادت انگیز کی جاسکتی ہے، لہٰذا مسلم اقلیت کے حالات کے پیش نظر مالی معاملات میں غیر مسلم عدالت کے فیصلہ کا اعتبار ہوگا، اگر وہ فیصلہ اسلامی قانون سے ہم آہنگ ہو۔

خلاصۂ بحث:

۱- شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دے کہ میرے رشتۂ ازدواج کے انقطاع کا فیصلہ کردیا جائے، تو اسے تفویض مقید جو مجلس کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتی ہے، مان سکتے ہیں، پھر بھی احتیاط یہ ہے کہ عدالت کے فیصلہ کے بعد شوہر خود بھی طلاق دے دے۔

۲- شوہر کی دستخط تفویض طلاق نہیں ہے، اور عدالت کا فیصلہ شرعاً غیر معتبر ہے، یا تو شوہر خود طلاق دے دے، یا اسلامی پنچایت یا اسلامی مرکز اس کی طرف سے طلاق کا فیصلہ کرے۔

۳- اس صورت میں بھی عدالت کا فیصلہ غیر معتبر ہے، اگر عورت شوہر کے ساتھ کسی قیمت پر رہنا نہ چاہے اور نہ ہی خلع کے لیے تیار ہو، تو عورت کو معصیت پر برقرار رہنے سے بچانے کے لیے شوہر پر لازم ہے کہ خود طلاق دے دے، ورنہ اسلامی مرکز اس کی طرف سے طلاق دے دے۔

۴- مسلم جج کو مسلم قاضی کی حیثیت نہیں دی جاسکتی ہے، البتہ اس کا فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق ہو، تو اس کا اعتبار ہوسکتا ہے۔

۵- اصولی اعتبار سے غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے معاملات کا فیصلہ کرنے کی اہلیت مسلوب ہے، البتہ اگر اس کا فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق صحیح ہے، تو ضرورت کے تحت مالی معاملات میں اس کا اعتبار ہوگا۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کا فیصلہ

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی ☆

جن امور میں قاضی کی ضرورت ہے اس قاضی سے ”شرعی قاضی“ مراد ہے جس کے لیے (۱) عاقل (۲) بالغ (۳) آزاد (۴) مسلمان (۵) سمیع (۶) بصیر (۷) قادر الکلام ہونے پر اتفاق ہے، البتہ عدالت، ذکوریت اور اجتہاد بھی ضروری ہے یا نہیں حنفیہ کے یہاں ضروری نہیں جب کہ دوسرے فقہاء ان کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں۔ (دیکھئے: بدائع الصنائع ۵/ ۴۳۹ کتاب آداب القاضی، مطبوعہ زکریا دیوبند ۱۴۱۹ھ، الاقناع للخطیب ۴/ ۳۱۸، مطبوعہ مصر ۱۳۷۰ھ، فتح المعین ۲۸۳ مطبوعہ مکتبۃ الباز ۱۴۲۴ھ باب القضاء)۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء کی رائے ہے کہ جو ممالک دار الحرب کے زمرے میں ہیں وہاں حدود اور ان کے ملحقات لعان وغیرہ کا نفاذ نہیں ہوگا۔

البتہ کچھ وہ احکام جن کا تعلق عقود وفسوخ یا ادائے طاعات سے ہے اور بعض اوقات قاضی وحاکم کے فقدان سے بہت سے مصالح متاثر ہوتے ہیں ایسے مسائل کے بارے میں متعدد علماء کی تصریح اس طرح ملتی ہے کہ اس حد تک خصوصی دار القضاء یا شرعی پنچایت سے استفادہ کر کے فیصلہ کرایا جاسکتا ہے، البحر الرائق میں ہے:

”وإذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقليد منه كما هو في بعض بلاد

☆ خادم مدرسہ حسینیہ کائم کلم کیرالا۔

المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة في بلاد المغرب الآن وبلنسية وبلاد الحبشة وأقروا المسلمين عندهم على مال يؤخذ منهم يجب عليهم أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه والياً فيولي قاضياً أو يكون هو الذى يقضي بينهم'' (البحر الرائق ۶/۲۷۴،کتاب القضاء،مطبوعہ کوئٹہ پاکستان)۔

(جب کسی ملک میں نہ سلطان ہو اور نہ ایسا حاکم ہو جس کی طرف سے قاضی کا مقرر کیا جانا درست ہو جیسا کہ بعض بلادِ اسلامیہ ہیں جن پر کافروں کا غلبہ ہو چکا ہے جیسے کہ قرطبہ، بلنسیہ اور حبشہ ہیں کہ مسلمانوں سے کچھ خراج وصول کرکے یہاں کے حکمرانوں نے یہاں کے قیام کو باقی رکھا تو ایسی صورت میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے ہی میں سے بہ اتفاق رائے والی مقرر کرلیں اور وہ والی یا تو خود مسلمانوں کے تنازعات کا فیصلہ کرے یا اس کام کے لیے کسی اور کو قاضی مقرر کرے)۔

نیز لکھتے ہیں:

''وأما في بلاد عليها ولاة الكفارة فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين ويجب عليهم طلب والٍ مسلم'' (حوالہ بالا ۶/۲۷۴)۔

(وہ ممالک جہاں حکمراں کفار ہیں مسلمانوں کے لیے جمعہ وعیدین کی اقامت درست ہے اور وہاں مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے مقرر ہونے والا قاضی، قاضی متصور ہوگا نیز مسلمانوں پر واجب ہے کہ کسی مسلمان والی کا مطالبہ کریں)۔

کچھ اسی طرح کی بات فتاوی بزازیہ میں بھی موجود ہے (دیکھئے: فتاوی بزازیہ علی الہندیہ، کتاب السیر، الفصل الثالث فی الحظر والاباحۃ ۶/۳۱۱ مطبوعہ بیروت لبنان ۱۴۰۰ھ)۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جس وقت ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تو اس وقت انہوں نے قاضیوں کے باب میں بھی ایک معتدل اور مؤثر فتوی جاری کیا جو حسب ذیل ہے:

''اگر دار الحرب میں کفار کی طرف سے مسلمانوں کے لیے کوئی والی مقرر ہو تو اس کی اجازت سے جمعہ قائم کرنا درست ہے، ورنہ مسلمانوں کو چاہئے کہ ایک شخص کو جو امین اور دیانت دار ہو اپنا سردار قرار دے لیں کہ اسی کی اجازت سے جمعہ وعیدین کا قیام، ایسے نابالغ بچوں کا نکاح جن کا کوئی ولی نہ ہو، یتیموں کے مال کی حفاظت، نزاعی مقدمات میں شریعت کے متعین کردہ حصے کے مطابق وراثت کی تقسیم وغیرہ عمل میں آئے، نیز امور سلطنت میں کوئی مداخلت اور خلل اندازی بھی نہ کی جائے۔ (فتاوی عزیزیہ ۱/۳۲ بحوالہ جدید فقہی مسائل مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ۳/۲۲۸)۔

اگر دار القضاء کا نظام قائم نہیں ہوسکتا ہے تو ایسے وقت میں ''شرعی پنچایت'' جو فقہائے مالکیہ کی اصطلاح میں ''جماعۃ المسلمین'' سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ پیش آمدہ مسائل: نکاح وطلاق وغیرہ کو حل کرسکتی ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بڑی تفصیل سے اس نقطہ پر بحث کیا ہے، حضرت ''شرعی پنچایت'' کے شرائط وقیود کو ذکر فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

(۱) کم از کم تین آدمیوں کی جماعت ہو، ایک یا دو آدمی فیصلہ کریں تو وہ معتبر نہیں۔

(۲) اس جماعت کے تمام ارکان کا عادل ہونا شرط ہے اور عادل وہ شخص ہے جو تمام کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اور صغائر پر مصر نہ ہو، اور اگر کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہو تو فوراً توبہ کرلیتا ہو، لہٰذا سود خور، اور رشوت لینے والا، داڑھی منڈانے والا، جھوٹ بولنے والا، اور بے نمازی اس جماعت کا رکن نہیں بن سکتا۔

اگر بد قسمتی سے کسی جگہ کے بااثر لوگ دین دار نہ ہوں تو یہ تدبیر کرلی جائے کہ وہ بااثر اشخاص چند دین داروں کو اختیار دیدیں تاکہ شرعاً فیصلہ کی نسبت دین دار جماعت کی طرف ہو، اور ان بااثر اشخاص کو کوشش کا ثواب حاصل ہوجائے۔

فیصلہ میں علماء کی شرکت لازم اور شرط ہے، صرف عوام کی جماعت کا فیصلہ حکم قاضی کے قائم مقام نہیں ہوسکتا، اس لیے اولاً تو یہ چاہیے کہ جماعت کے سب ارکان اہل علم ہوں، اور

اگر یہ میسر نہ ہو تو کم از کم ایک معاملہ فہم عالم کو ضرور جماعت کا رکن بنائیں اور دوسرے ارکان معاملہ کے تمام پہلوؤں کو ان عالم سے خوب سمجھ کر رائے قائم کریں، اور اگر کسی جگہ یہ بھی ممکن نہ ہو تو یہ چاہیے کہ جماعت کے سب ارکان اہل علم ہوں، اور اگر کسی جگہ یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر یہ لازم ہے کہ جماعت کے ارکان معاملہ کی روئداد مکمل کر کے علمائے محققین سے ہر ہر جزئیہ کا حکم دریافت کر لیں، اور جو ان کا فتوی ہو اس کے موافق فیصلہ کیا جائے، اگر ایسا نہ کیا بلکہ عوام نے محض اپنی رائے سے فیصلہ کر دیا تو وہ حکم نافذ نہ ہوگا، اور فیصلہ بالکل بے کار اور غیر معتبر رہے گا، اگر چہ وہ فیصلہ شریعت کے موافق بھی ہو۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ جماعتِ مسلمین کے سب ارکان متفقہ فیصلہ دیں، اگر رائے مختلف رہے اور کثرتِ رائے کی بنا پر فیصلہ کرنا چاہیں تو وہ فیصلہ معتبر نہ ہوگا، پس اگر ارکان میں اختلاف رہے تو مقدمہ خارج کر دیا جائے (دیکھئے: الحیلۃ الناجزہ ۷۳-۷۶)۔

ا- غیر شرعی عدالت میں فیصلۂ طلاق کا حکم:

غیر مسلم عدالت میں شوہر کا درخواست پیش کرنا تفویض و تحکیم تو نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ تفویض کا تعلق زوجین سے ہوتا ہے الا یہ کہ اجنبی کو اس کی مشیت پر چھوڑ دیا جائے، اور تحکیم میں قاضی کے شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، جبکہ قاضی اور جج بصورت مذکورہ میں کافر ہے، ہاں اس کو توکیل مانا جا سکتا ہے، توکیل کے لیے اسلام شرط نہیں ہے بصرف ذی عقل ہونا، اور صحیح التصرف ہونا کافی ہے علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

”وکذا ردة الوکیل لاتمنع صحة الوکالة فتجوز وکالة المرتد بأن وکل مسلم مرتداً، لأن وقوف تصرفات المرتد لوقوف ملکه والوکیل یتصرف فی ملک المؤکل وانه نافذ التصرفات“ (بدائع الصنائع: ۵/ ۱۶ کتاب الوکالۃ مطبوعہ: زکریا دیوبند)۔

(اسی طرح وکیل کا مرتد ہونا وکالت کی صحت کے لیے مانع نہیں ہے، لہٰذا مرتد کی وکالت صحیح ہے۔ بایں طور کہ کوئی مسلمان کسی مرتد کو وکیل بنادے، اس لیے کہ مرتد کے تصرفات کا (اس کے عود الی الاسلام پر) موقوف ہونا اس کی ملکیت کے موقوف ہونے کی وجہ کر ہے، لیکن (زیر بحث مسئلہ میں) وکیل مؤکل کے ملک میں تصرف کررہا ہے، نیز وکیل جائز التصرف ہے)۔

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

"مایرجع إلي الوكيل فالعقل فلا يصح توكيل مجنون وصبي لايعقل، لا البلوغ والحرية وعدم الردة فيصح توكيل المرتد ولايتوقف" (البحر ۷/۱۴۰ کتاب الوکالۃ مطبوعہ: پاکستان)۔

(وکیل کے لیے جو چیزیں ضروری ہیں ان میں سے عقل ہے، لہٰذا پاگل اور غیر ممیز بچے کو وکیل بنانا جائز نہیں، نفس بلوغ حریت، اور عدم ارتداد شرط نہیں ہے، لہٰذا مرتد کو وکیل بنانا صحیح ہے، یہ (اس کے عود الی الاسلام پر) موقوف بھی نہیں ہے)۔

اس لیے غیر مسلم جج کے فیصلہ کو تصرف وکیل تصور کیا جائے گا، اور اس طرح عورت مطلقہ ہوجائے گی۔

عورت کی طرف سے غیر شرعی عدالت میں درخواست تفریق:

عورت کو طلاق لینے کا حق مستقلاً نہیں ہے، لیکن بعض احوال میں عورت طلاق کا مطالبہ کرسکتی ہے، نیز اس کو حق ہے کہ ان تمام معاملات کا وکیل دوسرے کو بنادے، علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

"ويجوز بالنكاح والخلع والصلح عن دم العمد والكتابة" (بدائع الصنائع ۵/۲۰ کتاب الوکالۃ مطبوعہ: زکریا)۔

(نکاح، خلع، صلح عن دم العمد اور معاملۂ کتابت کی توکیل جائز ہے)۔

لہٰذا عورت اگر غیر شرعی عدالت میں مطالبۂ تفریق کی درخواست پیش کرتی ہے تو اس کو عورت کی طرف سے عدالت کے کافر قاضی کو خلع کا وکیل بنانا متصور ہوگا۔

"والضابط فيه أن كل من يصح أن يتصرف بالخلع لنفسه جاز توكيله، ووكالته ذكراً أو أنثى، مسلماً أو كافراً، محجوراً عليه أو رشيداً، لأن كل واحد منهم يجوز أن يوجب الخلع فصح أن يكون وكيلاً و موكلاً فيه" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۹/ ۲۵۱ مادہ: خلع، مطبوعہ کویت)۔

(ضابطہ یہ ہے کہ جو شخص بھی اپنے لیے خلع کرسکتا ہے تو دوسرے کو اس کے لیے وکیل بنانا، اور دوسرے کے خلع کا وکیل بننا جائز ہے مذکر ہو یا مؤنث، مسلمان ہو یا کافر، ممنوع التصرف ہو یا ماذون التصرف، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے جائز ہے کہ خلع کا ایجاب کرے تو وکیل اور موکل ہونا بھی صحیح ہے)۔

اب سوال یہ ہے کہ جب عورت درخواست دیتی ہے تو عدالت شوہر کو طلب کرتی ہے اور دستخط کا مطالبہ کرتی ہے۔ نیز شوہر دستخط کر بھی دیتا ہے تو شوہر کے اس طرز عمل کی کیا حیثیت ہوگی، کیا اس کی طرف سے بھی توکیل بالطلاق ہوئی؟ پھر اگر توکیل بالطلاق ہے تو کیا قاضی واحد جانبین کا وکیل ہوسکتا ہے؟

اتنی بات تو غالباً متفق علیہ معلوم ہوتی ہے کہ شوہر کا دستخط، توکیل بالطلاق پر دلالت کرتا ہے، جامعین موسوعہ نے مختلف کتابوں کے حوالے سے یہ بات لکھی ہے:

"اتفق الفقهاء على أن الإيجاب في عقد الوكالة يتحقق بالخط أو الكتابة الدالة على ذلك؛ لأن الكتابة فعل يدل على المعنى"۔

"ومثل الحنفية بذلك بما لو أرسل أحد لآخر غائب كتاباً معنوناً و مرسوماً بتوكيله إياهُ بأمرها و قبل الأخر الوكالة انعقدت" (الموسوعۃ: ۴۵/۱۱ مادۃ: وکالۃ، مطبوعہ: کویت)۔

(تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ عقدِ وکالۃ میں ایجاب خط یا اس پر دلالت کرنے والی کتابت کے ذریعہ ہوجاتا ہے، اس لیے کہ کتابت ایک فعل ہے جو معنی پر دلالت کرتا ہے۔

حنفیہ نے اس کی یہ مثال دی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے غائب شخص کو کوئی واضح تحریر اس کی توکیل کی بابت بھیج دے اور دوسرا اس کو قبول کرلے تو وکالت منعقد ہوجاتی ہے)۔

رہا دوسرا مسئلہ کہ شخص واحد جانبین کا وکیل ہوسکتا ہے یا نہیں؟ تو حنفیہ کا عام اصول خلع کے باب میں یہی ہے کہ فرد واحد جانبین کا وکیل نہیں ہوسکتا، غالبًا دوسرے فقہاء کی بھی یہی رائے ہے، البتہ امام محمد رحمہ اللہ خلع کو نکاح پر قیاس کرتے ہوئے فرد واحد کے لیے جانبین کی توکیل کو جائز سمجھتے ہیں، ابن نجیم تحریر فرماتے ہیں:

"والواحد لايصلح في الخلع وكيلاً من الجانبين بأن وكلت رجلاً بالخلع فوكله الزوج أيضاً سواء كان البدل مسمى أولا، وعن محمد: أنه يصح كذا في البزازيه" (البحرالرائق ۴/۱۵۷، کتاب الطلاق، باب الخلع)۔

(شخص واحد خلع میں جانبین کا وکیل نہیں بن سکتا بایں طور کہ عورت ایک شخص کو خلع کا وکیل بنائے بعدہ شوہر بھی اسی کو وکیل بنادے، خواہ عوض مسمی ہو یا نہ، البتہ امام محمد کے نزدیک ایسا صحیح ہے جیسا کہ بزازیہ میں ہے)۔

لہٰذا موجودہ صورتِ حال میں امام محمد کے قول کو اختیار کرکے عدالت کے اس فیصلہ کو خلع ماننا جائز ہونا چاہئے، نیز عورت پر مال بھی لازم نہیں ہوگا، اس لیے کہ بے غیر التزامِ مال عورت پر مال لازم نہیں ہوتا ہے۔

"فإن خالعها أو طلقها بخمر أو خنزير، أو ميتة وقع بائن في الخلع، رجعي في غيره مجاناً" (کنز الدقائق علی ہامش البحر ۴/۷۷ مطبوعہ، پاکستان)۔

(اگر شوہر نے خلع کیا شراب، یا خنزیر، یا مردار کے عوض تو خلع کی صورت میں طلاق

بائن ورنہ طلاق رجعی واقع ہوگی اور مال لازم نہیں ہوگا)۔

”ولو اتفقا على الخلع وقالت: بغير جعل، فالقول لها، لأن صحة الخلع لا تستدعي البدل فتكون منكرة فيكون القول لها“ (البحرالرائق ۴/۷۷، کتاب الخلع، مطبوعہ پاکستان)۔

(اگر میاں بیوی دونوں خلع پر متفق ہو جائیں اور بیوی بغیر عوض کا دعوی کرے تو عورت کے قول کا اعتبار ہے، اس لیے کہ خلع کا صحیح ہونا بدل پر موقوف نہیں، لہذا عورت بدل کی منکر ہوئی اس لیے عورت کے قول کا اعتبار ہوگا)۔

ہاں اگر شوہر دستخط نہ کرے اور اس کی طرف سے عدم آمادگی کا اظہار ہو جائے تو چوں کہ طلاق خالص شوہر اور قاضی یا اس کے قائم مقام کا حق ہے، اس لیے کافر جج کے فیصلہ سے تفریق واقع نہیں ہوگی، اب ایسی صورت میں امام مالک کے مسلک کے مطابق جماعت المسلمین یا شرعی پنچایت بنا کر مسئلہ کو حل کر لیا جائے ایسا شاید کچھ مشکل بھی نہیں ہے۔ آسانی سے تین افراد پر مشتمل جماعت تشکیل پا سکتی ہے جو وقتی مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے میاں بیوی کے باہمی نزاع کو یا تو تفریق کے ذریعہ یا صلح و مصالحت سے حل کر سکتی ہے۔

مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا فتوی اس کی تائید کر رہا ہے جو کفایت المفتی میں ایک سوال کے جواب میں مرقوم ہے۔

سوال: ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۸ء میں ہندوستان میں خاوند نے بیوی پر زنا کی تہمت لگائی جس پر عورت نے عدالت میں مقدمہ دائر کیا اور عدالت کے غیر مسلم جج نے فریقین کے دعوے اور جواب اور شہادتیں سننے کے بعد فسخ نکاح کا حکم صادر فرمایا الخ۔

جواب: ۲۵۸: عورت کو لازم ہے کہ کسی مسلمان مجسٹریٹ کے سامنے اپنا معاملہ پیش کرے خواہ وہ جدید فیصلہ حاصل کر لے یا سابق فیصلہ کی اس سے تنفیذ کرا لے اس

کے بعد نکاح ثانی کر سکے گی الخ (کفایۃ المفتی بحوالہ: اسلامی قانون نکاح وطلاق، مؤلف: حضرت مولانا یعقوب قاسمی، مطبوعہ: شرعی کونسل برطانیہ)۔

غیر مسلم عدالت میں مسلم قاضی:

اصل مسئلہ یہ ہے کہ قاضی کے تقرر کا حق مسلمانوں کو ہے یا سلطانِ وقت کو، اگر شق ثانی اختیار کیا جائے جیسا کہ بزازیہ کی عبارت سے واضح ہو رہا ہے تب تو یوں کہا جائے گا کہ عام حالات میں سلطانِ وقت ہی کو اختیار ہے لیکن بوقت ضرورت جماعت مسلمین بھی اپنا قاضی مقرر کر سکتے ہیں۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

"یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر أی الظالم وهذا ظاهر في اختصاص تولية القضاء بالسلطان ونحوه كالخليفة حتى لو اجتمع أهل بلدة على تولية واحد القضاء لم يصح بخلاف ما لو ولوا سلطاناً بعد موت سلطانهم كما في البزازية۔

قلت: وهذا حيث لا ضرورة وإلا فلهم تولية القضاء أيضاً" (رد المحتار: ۸/۴۱ کتاب القضاء مطلب: أبو حنيفه دعي إلى القضاء ثلاث مرات فابى مطبوعہ دار الکتاب دیوبند)۔

(قضاء قبول کرنا منصف اور ظالم حاکم کی طرف سے جائز ہے اس کا ظاہر یہ ہے کہ قضاء کی سپردگی سلطان اور خلیفہ وغیرہ کے ساتھ خاص ہے۔ حتی کہ اگر پورے اہل شہر کسی کو قاضی بنانے پر متفق ہو جائیں تو صحیح نہیں، ہاں اگر اہل شہر کسی کو حاکم کی موت کے بعد حاکم بنانا چاہیں تو جائز ہے، جیسا کہ بزازیہ میں ہے۔

میرا (علامہ شامی) خیال ہے کہ یہ اس وقت ہے جہاں ضرورت نہیں، ورنہ مسلمانوں کو حق ہے کہ کسی کو قاضی بنا دے)۔

یا یوں کہا جائے گا کہ بنانے والے کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے۔ علامہ حصکفی و

شامی وغیرہ کی تائید بھی اسی رائے کو حاصل ہے۔

"ولو کافراً، في التتارخانية: الإسلام ليس بشرط فيه أي في السلطان الذي يقلد" (ردالمحتار ۸/۴۱ حوالہ بالا)۔

(اگرچہ کافر ہو، تاتارخانیہ میں ہے کہ اس سلطان کے لیے اسلام شرط نہیں ہے جو قاضی بنا رہا ہے)، اور اگر شق اول اختیار کیا جائے کہ اصلاً قاضی بنانا مسلمانوں کا کام ہے، حاکم وقت تو محض مسلمانوں کا نائب ہے۔ اور وہ اس لیے کہ قوتِ تنفیذ اس کے ہاتھ میں ہے تو یہاں کہا جائے گا کہ کافر حکومت کی طرف سے تقرری تولیتِ قضا کے حق کی بنا پر نہیں بلکہ مسلمانوں کے نائب ہونے کی حیثیت کی وجہ کر ہے، علامہ شامی لکھتے ہیں:

"وفي الفتح: وإذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الآن يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه والياً فيولي قاضياً ويكون الذي يقضي بينهم" (ردالمحتار ۸/۴۲ کتاب القضاء، مطلب: في حكم تولية القضاء في بلاد تغلب عليها الكفار مطبوعہ: دارالکتاب دیوبند)۔

(اور جب نہ تو بادشاہ ہو اور نہ ہی ایسا شخص جس کی جانب سے قاضی بننا جائز ہو جیسا کہ بعض مسلم ممالک میں ہے جن پر کفار کا غلبہ ہے، مثلاً اس وقت کا قرطبہ تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے میں سے کسی پر اتفاق کر کے حاکم بنا لے جو قاضی کا تعین کرے، اور وہی قاضی مسلمانوں کے مابین فیصلہ کرے)۔

مذکورہ بالا توضیح سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم عدالت کا مسلمان قاضی یا تو حکومت وقت کا بنایا ہوا ہے اور اس کو یہ حق حاصل ہے یا مسلمانوں کا نائب بن کر قاضی بنایا ہے، یا پھر مسلمانوں کا مخصوص حق تھا جس کو حکومت نے انجام دیا ہے لہٰذا ایسا مسلمان قاضی اگر شریعت کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ نیز حکومتِ وقت کی جانب سے کوئی ممانعت بھی نہیں ہے تو یقیناً وہ قاضی شرعی کا فیصلہ ہوگا۔

غیر مسلم جج کی حیثیت:

قاضی شرعی کے لیے تمام فقہاء، اسلام کی شرط لگاتے ہیں لہٰذا غیر مسلم جج قاضی شرعی نہیں ہوسکتا ہے۔

قاضی شرعی کی عدالت میں چار قسم کے مقدمات آتے ہیں:

۱-خالص حقوق اللہ جیسے حدود وغیرہ۔

۲-خالص حقوق العباد مثلاً مطالبۂ قرض وغیرہ۔

۳-حقوق اللہ وحقوق العباد سے مرکب حق لیکن اللہ کا حق غالب ہو جیسے حد قذف، حد سرقہ وغیرہ۔

۴-حقوق اللہ وحقوق العباد سے مرکب حق لیکن بندے کا حق غالب ہو جیسے قصاص وغیرہ (ردالمحتار:۸/ ۲۲ کتاب القضاء مطلب: الحکم الفعلی مطبوعہ: دار الکتاب دیوبند)۔

لیکن غیر مسلم قاضی، شاہد نہیں ہوسکتا اس میں صرف وکیل کی شان رہ جاتی ہے، لہٰذا ایسے تمام معاملات جن میں توکیل جائز ہے اور قاضی شرعی کی راست ضرورت اس معاملہ کی تنفیذ کے لیے نہیں ہے تو ان تمام امور کی تنفیذ غیر مسلم عدالت سے ہوسکتی ہے۔

لہٰذا وہ حقوق جو خالص اللہ کے ہیں ان میں غیر مسلم جج کا فیصلہ شرعی فیصلہ نہیں ہے، اسی طرح وہ امور جن میں دعوی کی ضرورت ہے جیسے حد سرقہ وحد قذف وغیرہ ان کی بابت کا اختیار غیر مسلم عدالت کو نہیں، ہاں وہ حقوق جو بندے کے ہیں خواہ حقوق اللہ میں سے بھی ہو لیکن دعوی کی راست حاجت نہیں جیسے قرض وغیرہ کی ادائیگی یا قصاص کی تنفیذ وغیرہ، ان امور میں غیر مسلم قاضی فریقین کا وکیل ہوکر معروف طریقے سے فیصلہ کرسکتا ہے۔

شامی میں ہے:

"تسمع الشهادة بدون الدعوى في الحد الخالص والوقف وعتق

الأمة وحريتها الأصلية وفيما تمحض للّٰه تعالى كرمضان وفي الطلاق والإيلاء والظهار سوى حد القذف وكذا حد السرقة لما تقدم في محله أن طلب المسروق منه المال شرط القطع"۔

زاد الحموي ثامنه: وهي اشتراط الإمام لاستيفاء الحدود دون القصاص (ردالمحتار: ۱۰/ ۱۵۳ کتاب الجنایات، فصل فیما یوجب القود وما لا یوجبہ مطبوعہ: دار الکتاب دیوبند)۔

(گواہی بے غیر دعوی کے بھی قبول ہوگی حد خالص، وقف، باندی کی آزادی، اور اس کی ذاتی حریت اور ان احکام میں جو خالص حقوق اللہ میں سے ہیں، جیسے رمضان اور طلاق، ایلاء، ظہار میں سوائے حد قذف، اور حد سرقہ جیسا کہ اپنے مقام پر آ چکا ہے کہ مسروق منہ کا مال طلب کرنا قطع کی شرط ہے۔

حموی نے (حد اور قصاص کے مابین) آٹھواں فرق زیادہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ امام حدود کے لیے شرط ہے، قصاص میں نہیں)۔

ہندیہ میں ہے:

"وإذا قتل الرجل عمداً وله ولي واحد فله أن يقتله قصاصاً قضى القاضي به أولم يقض" (ردالمحتار: ۱۰/ ۱۵۲ کتاب الجنایات، فصل فیما یوجب القود الخ)۔

(اور اگر عمداً ایسا شخص مقتول ہوا جس کا ایک ہی ولی ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ قاتل کو قصاصاً قتل کر دے، قاضی فیصلہ کرے یا نہ کرے)۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مفتی محمد اشرف قاسمی ☆

۱- قاضی شرعی خواہ وہ حکومت اسلامیہ کی طرف سے ہو یا جماعت مسلمین کی طرف سے، اسکے فیصلے شرعاً نافذ ہوں گے، اس لیے کہ اسے ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے۔ البتہ تولیت قضا کے لیے ضروری ہے کہ وہ قاضی مسلمان ہو "ولا تصح ولاية القاضي حتى يجتمع في المولى شرائط الشهادة من الإسلام والتكليف والحرية" (الہندیہ ۳/ ۳۰۷)۔

معلوم ہوا کہ قاضی یا جج کا مسلمان ہونا ضروری ہے ورنہ اس کے فیصلے مسلمانوں کے حق میں نافذ نہیں ہوں گے لہٰذا شوہر اگر غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتا ہے کہ میں اپنے رشتہ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہوں لہٰذا میرے حق میں اس رشتے کے انقطاع کا فیصلہ کر دیا جائے، اور اس کے بعد عدالت ضابطے کی کاروائی کرنے کے بعد طلاق وفرقت کا فیصلہ کر دیتی ہے، اس صورت میں محض جج کے فیصلہ کی وجہ سے وقوع طلاق کا حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے، کیوں کہ شرعاً اسے ولایت حاصل نہیں ہے، البتہ اس صورت میں شوہر نے خود ہی درخواست دے کر ازدواج ختم کرنے کی بات کہی ہے، تو یہ درحقیقت تفویض ہے، اور شوہر کو شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ وہ خود بھی طلاق دے سکتا ہے اور کسی کو طلاق تفویض بھی کر سکتا ہے۔

"إن الزوج كما يملك التطليق بنفسه يملك أن ينيب عنه غيره فيه، فله أن يفوض الطلاق إلىٰ غيره، ويكون التفويض بتعليق أمرالطلاق على

☆ جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ، گجرات۔

مشیئة الأجنبی "(ابوزہرۃ:الا حوال الشخصیہ رص ۳۴۵)۔

(شوہر جس طرح خود طلاق دے سکتا ہے، وہ کسی کو اپنا نائب بھی بنا سکتا ہے لہٰذا اسے غیر کو تفویض طلاق کی اجازت ہے، اور یہ تفویض ایسی ہوگی کہ گویا اس نے اس اجنبی کی مشیت پر طلاق کو معلق کر دیا ہے، یعنی وہ اجنبی اگر چاہے تو طلاق دے اور اگر چاہے تو نہ دے)۔

فقہاء کی عبارات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق کسی کو بھی تفویض کی جاسکتی ہے، یعنی اسلام کی شرط فقہاء نے ذکر نہیں کی ہے، صرف یہ ضروری ہے کہ مفوض الیہ صبی یا مجنون نہ ہو، شامی کی درج ذیل عبارت سے اس کی طرف رہنمائی ہوتی ہے:

"إذا قال لرجل ذالک"أی قال له طلق امرأتی "أراد بالرجل العاقل احترازًا عن الصبی و المجنون " (ابن عابدین: ردالمحتار ۴؍۵۷۷)۔

لہٰذا اس درخواست کو تفویض قرار دیا جاسکتا ہے، چنانچہ اگر غیر مسلم جج طلاق وفرقت کا فیصلہ کر دیتا ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ شوہر کی تفویض پر اس نے اس طلاق کا فیصلہ کیا ہے، لہٰذا شرعًا اس کا اعتبار کرنا درست ہوگا۔

۲- شریعت مطہرہ نے عورت کو طلاق کا حق نہیں دیا ہے، صرف دو صورتوں میں وہ شوہر کی رائے کے خلاف بھی طلاق کی حقدار قرار پاتی ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ خود شوہر نے طلاق تفویض کردی ہو، دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے قاضی شرعی کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا ہو اور قاضی نے بوجوہ شرعیہ تفریق کا فیصلہ کر دیا ہو۔

ظاہر ہے اس صورت میں صرف یہ ہوا ہے کہ عدالت نے شوہر کو بلا کر یہ دستخط لے لیا ہے کہ جو فیصلہ ہوگا تم کو منظور کرنا ہوگا۔ اور اس نے محض عدالت کے دباؤ میں قانونی مجبوریوں کے پیش نظر ایک تحریر دے دی ہے۔ ہمارے فقہاء اس امر میں متفق ہیں کہ جو طلاق جبرًا تحریر کرائی جائے وہ نافذ نہ ہوگی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ تحریری طلاق زبانی کے مقابلے میں ضرورتًا جائز ہے، اور چونکہ یہاں ضرورت نہ تھی اس لیے طلاق جائز نہیں ہے، بہ الفاظ دیگر اگر تحریر ضرورتًا

ہو مثلاً گونگے کی طلاق تو امام ابوحنیفہؒ وصاحبین کے نزدیک واقع ہو جائے گی ۔چنانچہ جب فقہاء کے نزدیک بلاضرورت تحریر سے طلاق کا وقوع نہیں ہوتا تو جو طلاق یا تفویض جبراً تحریر کرائی جائے وہ بدرجہ اولیٰ واقع نہ ہوگی۔

"فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق ،لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا كذا في الخانية "(ابن عابدین:رد المحتار ۴/ ۴۴۰-ابن نجیم :البحر الرائق ۳/ ۴۲۹)۔

اس کا مقتضی یہ ہے کہ عدالت اگر اپنے خصوصی اختیارات کے تحت شوہر کو بلوا کر اس کی رضامندی کے بغیر کوئی تحریر یا دستخط لے لیتی ہے اور شوہر کے لیے اس سے مفر نہ ہو، تو اس صورت میں عدالت کے فیصلے کے باوجود شرعاً طلاق وتفریق کا حکم لگانا صحیح نہ ہوگا،لیکن اگر شوہر کوئی خاص دباؤ میں نہیں تھا اس کے باوجود اس نے ایسی کوئی تحریر دے دی تو اسے تفویض تصور کرتے ہوئے کورٹ کے فیصلے کے بعد شرعاً طلاق واقع ہو جائے گی۔

یہ ساری تفصیلات اس وقت ہیں جب کہ عدالت نے اس سے صرف طلاق کی تحریر جبراً لی ہو۔یا اس سے یہ لکھوایا ہو کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور کرنا ہوگا۔لیکن اگر عدالت نے اسے توکیل طلاق پر مجبور کیا ہو اور اس نے ایسی کوئی تحریر دے دی ہو کہ میں جج کو اپنا حق طلاق تفویض کرتا ہوں، اگر یہ مناسب سمجھیں تو طلاق دے دیں۔اس صورت میں بغیر کسی تفصیل کے طلاق واقع ہو جائے گی۔اس لیے کہ ہمارے یہاں جس طرح مکرہ کی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اسی طرح مکرہ کی طرف سے توکیل بالطلاق بھی معتبر ہوتی ہے۔

"إذا أكره على التوكيل بالطلاق فوكل فطلق الوكيل فإنه يقع ،وفي الخانية: رجل أكرهه السلطان ليوكله بطلاق امرأته فقال الزوج مخافة الحبس والضرب: أنت وكيل، ولم يزد على ذالک وطلق امرأته ثم قال الموكل:لم أوكله بطلاق امرأتي قالوا:لا يسمع منه ويقع الطلاق ،لأنه أخرج الكلام جواباً

لخطاب الأمر والجواب يتضمن إعادة ما في السوال" (ابن نجیم: البحرالرائق ۳/۴۲۸)۔

(اگر کسی شخص کو مجبور کیا گیا ہو کہ وہ طلاق کا وکیل بنائے، اس نے وکیل بنا دیا پھر وکیل نے طلاق دے دی تو طلاق واقع ہوجائے گی، اور فتاویٰ قاضی خاں میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر ایک شخص کو حاکم وقت نے اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اپنی بیوی کو اسے طلاق دینے کا وکیل بنادے، شوہر نے قید وبند اور مارپیٹ کے ڈر سے اتنا کہہ دیا، آپ وکیل ہیں، اور حاکم وقت نے اس کی بیوی کو طلاق دے دیا، پھر شوہر نے کہا: میں نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا وکیل نہیں بنایا تھا، صرف انت وکیل کہا تھا۔ فقہا فرماتے ہیں کہ شوہر کی بات معتبر نہیں ہوگی، اور طلاق واقع ہوجائے گی، اس لیے کہ اس کا یہ کلام حاکم کے امر کے جواب میں واقع ہوا ہے، اور جواب مافی السوال کے اعادہ کو متضمن ہوتا ہے)۔

۳۔ اگر شوہر دستخط وتفویض پر تیار نہیں ہوا اور عدالت نے حالات کا جائزہ لے کر خود ہی تفریق کا فیصلہ کردیا، تو اس صورت میں شرعاً وقوع طلاق کی کوئی وجہ نہیں سمجھ میں آتی، کیونکہ ایک غیر مسلم جج کو از روئے شرع اس طرح کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ دوسری صورت کے ذیل میں یہ بات واضح کی جاچکی ہے کہ جج اگر بہ جبر واکراہ شوہر سے تحریر لے لے تو بھی طلاق واقع نہیں ہوگی، تو اس صورت میں جب کہ شوہر کی طرف سے نہ کوئی آمادگی ہے اور نہ کسی طرح کی تحریر، تو اس صورت میں بہ درجۂ اولیٰ طلاق واقع نہیں ہوگی۔

"**ولا تصح ولاية القاضي حتى يجتمع في المولي شرائط الشهادة من الإسلام والتكليف والحرية**" (الھندیہ ۳/۳۰۷-الکاسانی: بدائع ۹/۸۵)۔

۴- بہ ظاہر اس سے مسئلہ میں کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا، کیوں کہ وہ بہر حال ایک غیر مسلم حکومت کی طرف سے مقرر کردہ جج ہے، وہ اسی غیر مسلم حکومت کے آئین کے دائرے میں رہتے ہوئے فیصلہ کرے گا۔ اسے نہ تو مسلم حکومت نے طے کیا ہے اور نہ جماعت مسلمین، نے اس لیے اسے مسلم حاکم وقاضی کی حیثیت نہیں دی جاسکتی ہے۔ البتہ اگر خود حکومت وقت نے اسے

مسلمانوں کی شریعت کی روشنی میں مسلمانوں کے مسائل حل کرنے کے لیے قاضی مقرر کیا ہو، تو اس کے فیصلے شرعاً نافذ ہوسکتے ہیں، بشرطیکہ وہ جج فقہ اسلامی کے مطابق فیصلہ کرتا ہو۔ اس لیے کہ قضاء قاضی کے معتبر ہونے کے لیے خود قاضی کا مسلمان ہونا شرط ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ جس حاکم نے اسے قاضی بنایا ہے وہ بھی مسلمان ہو۔

"قال ابن الهمام :إذا ولّي الكافر عليهم قاضيًا ورضيه المسلمون صحت توليته بلاشبهة " (ابن الہمام: فتح القدیر ۶/ ۳۶۵)۔

"وفي الهندية: وذكر في الملتقط والإسلام ليس بشرط فيه أى في السلطان الذي يقلد" (الہندیہ ۳/ ۳۰۷......ابن عابدین: ردالمحتار ۸/ ۴۳، زیلعی: تبیین الحقائق ۵/ ۸۱)۔

اسی طرح باغیوں کی طرف سے قاضی بنائے جانے کو ہمارے فقہاء نے صحیح لکھا ہے۔

خصاف کی "ادب القاضی" میں ہے:

"وإن كان القاضي من أهل العدل وقد ولّاه الخوارج جاز ما يقضي به ثم قضاء هذا الذيولّاه الخوارج من أهل العدل، انماينفذ متى قضى بينهم بالحق حتى لو قضىٰ بينهم بغير حق لم ينفذ" (الخصاف: ادب القاضی مع شرحہ ص/ ۳۱۹)۔

(اگر قاضی عادل لوگوں میں سے ہو اور اسے خارجیوں نے قاضی بنایا ہو تو اس کا فیصلہ معتبر ہوگا، البتہ خارجیوں کی طرف سے بنائے گئے اس قاضی کا فیصلہ اسی وقت نافذ ہوگا جب کہ اس کا فیصلہ برحق ہو، اور اگر اس نے ناحق فیصلہ دیا ہے تو وہ نافذ نہیں ہوگا)۔

۵- غیر مسلم ممالک میں حکومت کی طرف سے جو قضاۃ مقرر ہوتے ہیں، ان کے فیصلے کس حد تک مسلمانوں کے لیے قابل اعتبار ہیں! عموماً ہماری کتب فقہ میں مستقلاً اس موضوع سے تعرض نہیں کیا گیا ہے۔ فقہاء احناف نے اس سلسلہ کی جو بعض جزئیات ذکر کی ہیں یا ابن فرحون المالکی نے اس تعلق سے جو فصل قائم کی ہے۔ **فصل :- في المنع من تنفيذ ماحكم به حاكم من أهل الذمة** (۱۲ابن فرحون المالکی: التبصرہ ۱/ ۹۳-۹۴) ان سب کا تعلق اس حاکم اہل ذمہ سے ہے

جسے حکومت اسلامیہ نے عہدۂ قضا تفویض کیا ہو، اور وہ اسلامی حکومت کے زیر اثر ہو، ظاہر ہے یہ ہماری بحث سے خارج ہے ۔جدید مصنفین میں سے شیخ محمد الحسن نے مختصراً اپنی کتاب میں اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے(دیکھئے: محمد الحسن :مخاطبات القضاة في الفقه الإسلامي المبحث السادس ،دار الأندلس الخضراء، جده)۔

غیر مسلم ججوں کے شرعاً غیر معتبر ہونے کی چار وجوہات ہو سکتی ہیں:

۱- کفر:-جمہور علماء کے نزدیک کفر مانع قضاء ہے ۔البتہ احناف نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ اسلامی حکومت کے غیر مسلم شہریوں کا قاضی ،کسی غیر مسلم کو مقرر کیا جا سکتا ہے (ابن عابدین: ردالمحتار ۸/ ۲۳-۲۴)۔

شوافع بھی اس حد تک کے قائل ہیں ،البتہ وہ اسے ریاست وزعامت قرار دیتے ہیں، قاضی بنانا نہیں مانتے (دیکھئے: مغنی المحتاج ۴/ ۳۷۵)۔

۲......کفار کی طرف سے تولیت :-اگر چہ اس بارے میں بھی علماء کی آراء مختلف ہیں، البتہ حافظ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ: "إذا ولّى الكافر عليهم قاضياً ورضيه المسلمون صحت توليته بلا شبهة "(ابن الہمام: فتح القدیر ۶/ ۳۶۵)، اس لیے احناف کے نقطۂ نظر سے خرابی کی یہ وجہ اہون ہے۔

۳......غیر مسلم قاضیوں کے فیصلے غیر شرعی اور کتاب وسنت سے صریح متصادم ہوتے ہیں، وہ انسانوں کے فکر نارسا کے بنائے قوانین کے مطابق فیصلے کرتے ہیں، بسا اوقات مظلوم کی اشک شوئی اور انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

۴......غیر مسلم قضاۃ جن بینات وقرائن اور اثبات کے وسائل پر اعتماد کرتے ہیں، قضاء شرعی کے لیے ان پر اعتماد درست نہیں ہے۔

مندرجہ بالا حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے ،اس مسئلہ کا دقت نظری سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے، اتنی بات مسلم ہے کہ کوئی بھی غیر مسلم یا جمہوری حکومت مسلمانوں کو ملکی قوانین سے

یکلخت علاحدہ ہوکر اسلامی قانون کے مطابق پرسنل لاء، فوجداری معاملات اور دیگر احکام کے اجراء اور نفاذ کی اجازت نہیں دے سکتی ہے۔ بلکہ عموماً حکومتیں فوجداری اور تعزیراتی قوانین میں تمام شہریوں کے ساتھ یکساں معاملہ روا رکھتی ہیں، اس لیے مسلم اقلیتی ممالک میں ہم قضاء قاضی سے متعلق جو بھی گفتگو کر رہے ہیں، اس کا تعلق مسلمانوں کے پرسنل لاء اور بعض ان معاملات سے ہے جن میں اپنے مذہب کے مطابق عمل کی اجازت رہتی ہے۔ اس کے لیے ان ممالک کے مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ آپسی گفت وشنید سے کسی کو اپنا امیر مقرر کرلیں۔ اسی کی زیر نگرانی، تمام اجتماعی امور انجام دیں، اور اسی کی زیر امارت شرعی عدالتیں قائم ہوں، اور مسلمان اس طرح کے مسائل میں اسی دارالقضاء سے رجوع کریں اور حکومت سے پرزور مطالبہ کریں کہ حکومت مسلمانوں کی مذہبی آزادی میں روڑا نہ ڈالے۔ مسلمانوں کی طرف سے مقرر کردہ اس قاضی کا فیصلہ شرعی اعتبار سے نافذ العمل ہوگا۔

لیکن اگر شرعی عدالتیں نہ ہوں، اور ملکی عدالتوں میں مسلمانوں کا کیس پہنچے، اب اگر جج یا قاضی مسلمانوں کے پرسنل لاء سے متعلق شرعی قوانین کی روشنی میں ہی مقدمہ فیصل کرتا ہے اور یہی اس ملک کا آئین ہے، تو بظاہر اس کا فیصلہ قابل قبول ہونا چاہیے، کیونکہ ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر باغیوں (جن کی اہلیت شہادت مفقود ہوجاتی ہے) کا قاضی شریعت کے مطابق کوئی فیصلہ کرے، تو امام کی طرف سے مقرر قاضی اس فیصلے کو درست تسلیم کرلے گا (الخصاف: ادب القاضی ص ۳۱۹)۔

اور کورٹ اگر نکاح وطلاق یا اس جیسے مسائل میں شریعت سے متصادم کوئی فیصلہ دیدے، تو مسلمانوں کے لئے اس کا اتباع جائز نہ ہوگا۔ اور اگر کوئی مسلمان اس صورت حال سے دو چار ہوجائے کہ فیصلے کے مانے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو ماورائے عدالت اس فیصلے کو شرعی قوانین کے دائرے میں لانے کی مقدور بھر کوشش کرے، جیسے کہ برطانوی عدالت نے محض بیوی کی درخواست پر شوہر کی رضامندی کے بغیر طلاق کا فیصلہ کردیا۔ تو شوہر کو چاہیے کہ اسے شرع کے

مطابق باضابطہ طلاق دے ڈالے۔شیخ محمد الحسن کہتے ہیں:

”وأما الأقليات المسلمة في البلدان الكافرة فلا يختلف حكمهم عن حكم سكان البلدان المستعمرة ۔إلا أنهم في عصر نا هذا الذيصخبت فيه أبواق الديمقراطية،يتعين عليهم أن يحاولوا التميز في كيان مختص بهم ليطالبوا بحكم ذاتي إن لم يمسح بالاستقلال–خصوصاً إذا كانوا ذوی عدد معتبر كمسلمي الهند فإنهم يزيدون على مأتي مليون“ (مخاطبات القضاۃ فی الفقہ الاسلامی رص ۴۳۴)۔

(غیر مسلم ممالک میں رہنے والی اقلیتوں کا حکم بھی نو آباد ممالک کے باشندگان کے حکم سے مختلف نہیں ہے البتہ ہمارے اس دور میں کہ جب جمہوریت کا نعرہ زور شور سے لگایا جاتا ہے،ان مسلم اقلیتوں پر ضروری ہے کہ وہ اپنے مخصوص ڈھانچے میں علاحدہ تشخص کے لیے کوشاں رہیں۔ تاکہ اگر انھیں مکمل آزادی نہیں تو کم از کم فیصلوں میں ان کی انفرادیت باقی رہے،خاص کر جب وہ بھاری تعداد میں ہوں،جیسے ہندوستان کہ وہاں بیس کروڑ سے زیادہ مسلمان آباد ہیں)۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق وتفریق

مفتی محمد عارف باللہ القاسمی ☆

نکاح کے ذریعہ جو رشتہ ازدواج پیدا ہوتا ہے اس کو ختم کرنے کے لئے طلاق، خلع اور فسخ کے ابواب شریعت نے رکھے ہیں، تا کہ رشتہ ازدواج کو باقی رکھنے میں نا قابل حل دشواریوں کی صورتوں میں اس رشتہ کو ختم کیا جا سکے اور دشواریوں سے بچا جا سکے، شریعت نے مرد کے مزاج میں موجود تحمل کے پیش نظر اس رشتہ کو ختم کرنے کے لئے طلاق واقع کرنے کا اختیار دیا اور عورت کے مزاج وطبیعت کے پیش نظر اس کو طلاق واقع کرنے کا اختیار نہ دیتے ہوئے خلع کے مطالبہ کا حق دیا، تا کہ نا مساعد حالات میں وہ اس کے ذریعہ خود کو شوہر سے الگ کر سکے، اسی طرح حاکم خواہ وہ قاضی شرعی ہو یا امیر اس کو ولایت عامہ دیتے ہوئے یہ اختیار دیا کہ وہ بھی شوہر کی نیابت کرتے ہوئے زوجین کے نکاح کو فسخ کر کے دونوں کو جدا کر سکتے ہیں، اس لئے جہاں شوہر کے طلاق کی وجہ سے تفریق واقع ہو جاتی ہے، وہیں شوہر کی نیابت میں شریعت کی جانب سے مقرر کردہ صورتوں میں حاکم اور قاضی کے فیصلہ سے بھی تفریق واقع ہو جاتی ہے۔ علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

''القاضي منصوب لإزالة الظلم فيامره أن يوفيها حقها أو يفرقها فإن أبى ناب عنه في ايقاع الطلاق'' (مبسوط، باب الایلاء)۔

☆ مدرسہ اسلامیہ دار العلوم الربانیہ، حیدرآباد۔

(قاضی ظلم کو ختم کرنے پر مامور ہے، اس لئے وہ شوہر کو بیوی کا حق ادا کرنے یا اس کو جدا کردینے کا حکم دے گا، اور اگر شوہر ان باتوں سے انکار کرے، تو طلاق واقع کرنے میں وہ اس کا نائب ہوجائے گا)۔

علامہ زیلعیؒ لکھتے ہیں:

"إن التفريق بتطليق الزوج أو بتفريق القاضي" (تبیین الحقائق: باب الایلاء)۔

(بے شک تفریق شوہر کے طلاق یا قاضی کے تفریق کے ذریعہ ہوتی ہے)۔

ان عبارتوں میں جہاں قاضی کی تفریق کو معتبر مانا گیا ہے وہاں اس سے مراد مسلمان قاضی ہے؛ اس لئے کہ وہ شخص جو قاضی بن سکتا ہے اور جس کا فیصلہ مسلمانوں کے مقدمات میں معتبر اور نافذ ہوگا، اس کے صفات میں سے اس کا مسلمان ہونا ایک بنیادی اور متفق علیہ صفت ہے، جو کہ اس کے قاضی بننے اور اس کے فیصلوں کے نفاذ کے لئے شرط ہے۔ علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

"الصلاحية للقضاء لها شرائط: منها العقل، ومنها البلوغ، ومنها الإسلام، ومنها الحرية، ومنها البصر، ومنها النطق، ومنها السلامة عن حد القذف .... فلا يجوز تقليد المجنون والصبي والكافر والعبد والأعمى والأخرس والمحدود في القذف؛ لأن القضاء من باب الولاية بل هو أعظم الولايات، وهؤلاء ليست لهم أهلية أدنى الولايات وهي الشهادة فلأن لايكون لهم أهلية أعلاها أولى" (بدائع الصنائع ۷/۴)۔

(قضاء کی اہلیت وصلاحیت کے لئے چند شرطیں ہیں: انہیں میں سے عقل ہے اور انہیں میں سے بلوغ، اسلام، حریت، دیکھنے اور بولنے کی صلاحیت اور حد قذف سے بچا رہنا ہے،

پس مجنون، بچہ، کافر، غلام، نابینا اور گونگا کو اور جس پر حد قذف جاری کی جا چکی ہو اس کو قاضی بنانا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ قضاء ولایت کے باب سے ہے، بلکہ یہ سب سے بڑی ولایت ہے، اور یہ لوگ ادنی ولایت: شہادت کے بھی اہل نہیں، تو ان کو اعلی ولایت بدرجہ اولی حاصل نہیں ہوگی)۔

دیگر اوصاف وشرائط میں گرچہ فقہاء کا اختلاف ہے، لیکن اسلام ان شرطوں میں سے ایک ہے جن کا پایا جانا اہلیت قضاء کے لئے تمام فقہاء کے نزدیک ضروری ہے۔ محمد بن احمد دسوقی مالکیؒ لکھتے ہیں:

"أهل القضاء عدل أی مستحقه عدل ...... والعدالة تستلزم الإسلام والبلوغ والعقل والحرية وعدم الفسق" (حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر: باب فی القضاء واحکامہ)۔

(قضاء کی اہلیت والا وہ ہے جو عادل ہو، یعنی اس کا مستحق وہ شخص ہے جو پیکر عدالت ہو، اور عدالت کے لئے اسلام، بلوغ، عقل، حریت، اور فسق کا مرتکب نہ ہونا لازم ہے)۔

علامہ سلیمان بن عمر الشافعیؒ لکھتے ہیں:

وشرط القاضي كونه أهلا للشهادات بأن يكون مسلما مكلفا حرا ذكرا عدلا سميعا بصيرا ناطقا" (حاشیۃ الجمل: کتاب القضاء)۔

(قاضی کی شرط اس کا شہادت کا اہل ہونا ہے، اس طور پر کہ وہ مسلمان ہو، مکلف ہو، آزاد ہو، مرد ہو، عادل ہو، سننے، دیکھنے اور بولنے کی صلاحیت رکھتا ہو)۔

ابو عبد اللہ محمد بن مفلح حنبلیؒ لکھتے ہیں:

"ويشترط كون القاضي بالغا عاقلا ذكرا مسلما عدلا" (الفروع: کتاب القضاء: حکم شروط القاضی)۔

(قاضی کا بالغ، عاقل، مذکر، مسلمان اور عادل ہونا شرط ہے)۔

مذاہب اربعہ کے ان فقہاء کی تصریحات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قاضی کا

مسلمان ہونا اس کی اہلیت قضاء کے لئے ضروری ہے؛ کیوں کہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے:

"ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا" (سورۃ النساء: ۱۴۱)۔

(اور اللہ کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ کی راہ ہرگز نہیں دے گا)۔

بہر حال جب غیر مسلم میں اہلیت قضاء نہ ہونے کی وجہ سے اس کو قاضی بنانا درست نہیں تو اگر کسی جگہ پر حاکم یا قاضی غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں درست نہیں ہوگا اور ایسے قاضی کے شوہر پر ولایت نہ ہونے کی وجہ سے اس کا فیصلہ فرقت معتبر نہ ہوگا۔ علامہ شامی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

"إن شروط الشهادة من الاسلام والعقل والبلوغ والحرية وعدم العمى والحد فى القذف شرط لصحة توليته ولصحة حكمه بعدها" (رد المحتار: ۵/ ۴۵۳)۔

(بے شک شہادت کی شرطیں: یعنی مسلمان ہونا، عاقل و بالغ ہونا، آزاد ہونا، نابینا اور محدود فی القذف نہ ہونا، اس کے قاضی بنائے جانے کے لئے اور قاضی بنائے جانے کے بعد اس کے فیصلہ کے درست ہونے کے لئے شرط ہیں)۔

علامہ شامی کی عبارت ولصحۃ حکمہ بعدہا سے واضح ہوتا ہے کہ ایسے قاضی کے فیصلے درست اور نافذ نہیں ہوں گے جن میں معتبر لازمی اوصاف موجود نہ ہوں، اسی طرح علامہ ابن ہمامؒ، علامہ محمود البخاریؒ، علامہ شیخی زادہؒ وغیرہ کی عبارتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر مقدمات دائر کرنے کے وقت یا فیصلہ سنانے کے وقت قاضی اہلیت قضا کا حامل نہیں مثلاً مسلمان نہیں ہے تو اس کا فیصلہ مسلمانوں کے مقدمات میں نافذ نہیں ہوگا (فتح القدیر: کتاب القضاء، باب التحکیم، المحیط البرہانی: ۸۶/۴، مجمع الانہر: ۲۴۱/۳)۔ اس لئے غیر مسلم عدالت اور اس کے قاضی کے فیصلے سے نکاح ختم نہیں ہوگا اور زوجین کے درمیان تفریق واقع نہیں ہوگی۔ فتاوی دار العلوم میں مذکور ہے:

حاکم وقت کافر کا حکم اور قضاء درباب فسخ نکاح معتبر نہیں .... سرکار کے کسی ملازم کا

حکم قضائے قاضی نہیں کہا جاسکتا، اس لئے اگر سرکاری جج کافر ہیں تو وہ دارالاسلام میں بھی قاضی نہیں ہوسکتا (فتاوی دارالعلوم دیوبند:۸/ ۱۵۲)۔

ہاں اس حکم عام سے وکالت وتفویض کی صورتیں مستثنیٰ ضرور ہوں گی؛ کیونکہ ان صورتوں میں تفریق قاضی کی ولایت عامہ کی وجہ سے نہیں بلکہ شوہر کی جانب سے دیئے گئے اختیار کی وجہ سے ہوگی، جیسا کہ اگلی سطور میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔

شوہر کی درخواست طلاق کے بعد غیر مسلم عدالت کے فیصلہ سے فرقت:

اگر شوہر غیر مسلم عدالت میں رشتہ نکاح کو ختم کرنے کی درخواست دے، کہ میرے حق میں اس نکاح کو ختم کردیا جائے اور اس کے بعد عدالت ضابطہ کی کارروائی کرکے نکاح کے ختم ہونے کا فیصلہ سنائے، تو اس سے رشتہ نکاح ختم ہوجائے گا، اور اس صورت میں غیر مسلم قاضی کا فیصلہ درحقیقت شوہر کے وکیل بالطلاق ہونے کی وجہ سے معتبر ہوگا، کیونکہ شوہر کی درخواست توکیل طلاق کے درجہ میں ہے، اور عدالت کا فیصلہ شوہر کی جانب سے دیئے گئے اختیار کو نافذ کرنے کے درجہ میں ہے۔علامہ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں:

’’وان قال لوجل: طلق امرأتي فله أن يطلقها في المجلس وبعده‘‘ (فتح القدیر: کتاب الطلاق: فصل فی المشیۃ)۔

(جب شوہر نے کسی سے کہا کہ میری بیوی کو طلاق دے دو تو اسے یہ اختیار ہے کہ وہ اس پر مجلس کے بعد بھی طلاق واقع کردے)۔

علامہ ابویحییٰ زکریا بن محمد زکریا انصاری شافعیؒ لکھتے ہیں:

’’ويصح توكيل كافر في نكاح كتابية ولو لمسلم؛ لأنه يملك نكاحها لنفسه وكذا في طلاق مسلمة‘‘ (اسنی المطالب: کتاب الوکالۃ، الباب الاول)۔

(کتابیہ کے نکاح کے سلسلہ میں اگرچہ نکاح مسلمان سے ہو کافر کو وکیل بنانا درست

ہے؛اس لئے کہ وہ (مؤکل)اس سے اپنا نکاح کرنے کا مالک ہے،اسی طرح مسلم عورت کوطلاق دینے کا بھی کافر کووکیل بنانا درست ہے؛اس لئے کہ وہ (مؤکل)اس کوطلاق دینے کا مالک ہے)۔

غیرمسلم عدالت کے فیصلہ کوقبول کرنے پر شوہر کے دستخط کا حکم:

بعض دفعہ عورت غیرمسلم عدالت میں جا کر رشتۂ نکاح کے ختم کرنے کا مطالبہ کرتی ہے، عدالت شوہر کو بلا کر اس سے اس بات پر دستخط لیتی ہے کہ عدالت کا جو فیصلہ ہوگا وہ اسے منظور اور قبول ہوگا۔پھر عدالت کارروائی کے بعد تفریق کا فیصلہ کرتی ہے،اس صورت میں بھی عدالت کا فیصلہ نافذ مانا جائے گا اور رشتۂ نکاح ختم ہوجائے گا؛ کیونکہ یہ صورت درحقیقت تفویض طلاق پر اکراہ کی ہے؛اس لئے کہ عدالت کا کسی سے کسی چیز کا مطالبہ ایسا لازمی امر ہوتا ہے جس سے انکار کی گنجائش نہیں ہوتی،اور انکار کی صورت میں اس کے منفی نتائج ہوتے ہیں،اور اکراہ کی صورت میں بھی تفویض طلاق درست ہوتی ہے اور تفویض سے حاصل ہونے والے اختیار کو نافذ کرنے سے طلاق بھی واقع ہوجاتی ہے۔علامہ سرخسی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

”لو أکرہ بوعید تلف حتی یحصل عتق عبدہ في یدھذ الرجل أو طلاق امراتہ ولم یدخل بھا ففعلہ فطلق ذلک الرجل المرأۃ أو أعتق العبد وقع الطلاق و العتاق؛ لأن الإکراہ لایمنع صحة الإعتاق و الطلاق“ (مبسوط: کتاب الاکراہ: باب الاکراہ علی مایجب بہ عتق أوطلاق)۔

(اگرکسی عضو کوتلف کردینے کی دھمکی دے کر مجبور کیا تا کہ اس کے غلام کو آزاد کرنے یا اس کی غیرمدخول بہا بیوی کوطلاق دینے کا اختیار اسے حاصل ہوجائے،چنانچہ اس نے اختیار دے دیا،اور اس مرد نے عورت کو طلاق دے دی،یا غلام کو آزاد کردیا تو طلاق اور آزادی واقع ہوجائے گی؛اس لئے کہ اکراہ آزادی اور طلاق کے واقع ہونے میں مانع نہیں ہے)۔

شوہر کے دستخط کے بغیر یا شوہر کی غیر حاضری میں غیر مسلم عدالت کا فیصلہ:

ہاں اگر عدالت میں عورت کی درخواست کے بعد عدالت کی جانب سے شوہر سے دستخط کے مطالبہ پر شوہر دستخط سے انکار کردے، یا شوہر عدالت میں حاضر ہی نہ ہو، اور پھر عدالت عورت کی تفریق کا فیصلہ سنادے، تو اس صورت میں تفریق کا فیصلہ معتبر ہوگا یا نہیں؟

اس صورت مسئلہ میں تھوڑی تفصیل ہے، یوروپی ممالک میں جہاں نکاح کے امور عدالت کی زیر نگرانی انجام دیے جاتے ہیں، یا شرعی طور پر ایجاب وقبول کے بعد قانونی کارروائی عدالت میں انجام دینا ضروری ہوتا ہے، وہاں بوقت نکاح یا بوقت کارروائی شوہر کی جانب سے حاکم وقاضی کو طلاق کی تفویض بھی کرنی ہوتی ہے، کہ عدالت کو یہ اختیار رہوگا کہ وہ ہم دونوں کے مابین تفریق کردے۔لبنان کے سابق قاضی شرعی فیصل مولوی اپنے ایک فتوی میں لکھتے ہیں:

یوروپی قوانین اجمالی طور پر قاضی کو طلاق دینے کا اختیار دیتے ہیں، پس جب مسلمان یوروپی قانون کے مطابق عقد نکاح کرتا ہے تو گویا وہ قاضی کو طلاق دینے کے اختیار کے قانون کو ماننے کا صراحۃً اقرار کرتا ہے (فتوی:۱۰۲۷، www.mawlawi.net)۔

اور اگر صراحۃً اس کو تسلیم کرنے کا اقرار نہ کرے پھر بھی قاعدہ المعروف بالعرف کالمشروط شرطاً (قواعد الفقہ لمحمد عمیم الاحسان المجددی البرکتی :۳۳۴)۔کے تحت یورپی معاشرہ اور یوروپی عدالتوں میں اس قانون کے معروف ومشروط ہونے کی وجہ سے عدالت کی زیر نگرانی عقد نکاح انجام دینے کی صورت میں وہ اس کو تسلیم کرنے والا قرار دیا جائے گا۔

پس اگر زوجین ان ممالک کے رہنے والے ہوں یا ان میں کا کوئی ایک ان ممالک کا رہنے والا ہو اور وہاں کے قانون کے مطابق عقد نکاح کو انجام دیا گیا ہو، یا شرعی طور پر ایجاب و قبول کے بعد عدالتی طور پر نکاح کی کارروائی انجام دی گئی ہو، پھر عورت کی درخواست پر عدالت تفریق کا فیصلہ شوہر کی حاضری کے بغیر کرتی ہے تو اس فیصلہ سے تفریق واقع ہوجائے گی؛ کیونکہ

عدالت کو شوہر کی جانب سے تفویض طلاق کی وجہ سے بحیثیت وکیل تفریق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہے؛ کیونکہ اس صورت میں عدالت کی حیثیت وکیل کی ہے، اور یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ غیر مسلم وکیل کی تفریق بھی شریعت میں معتبر ہوتی ہے۔

لیکن عدالت کی جانب سے جو فیصلہ ہوگا اس کو تسلیم کرنے پر دستخط کرنے سے عدالت کے سامنے انکار کی صورت میں عدالت کی جانب سے تفریق کا فیصلہ معتبر نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ اس مسئلہ میں غیر مسلم عدالت کی حیثیت ایک وکیل سے زیادہ نہیں ہے، اور کسی کو طلاق واقع کرنے کا وکیل بنانے کے بعد اس کی وکالت کو ختم کرنے کا شوہر کو اختیار رہتا ہے۔

"ان للمؤكل أن يعزل وكيل الطلاق (البحر الرائق: کتاب الطلاق، فصل فی المعیۃ)۔

چونکہ اس صورت میں شوہر فیصلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر رہا ہے، جب کہ وہ اس کو پہلے وکیل بنا چکا ہے، تو گویا دستخط سے انکار اس معنی میں ہے کہ اگر عدالت تفریق کا فیصلہ کرتی ہے تو وہ ہمیں تسلیم نہیں، اس طرح وہ تفریق واقع کرنے کے اس اختیار کو سلب کر لے رہا ہے جو اس نے پہلے بحیثیت وکیل عدالت کو دیا تھا، اور اگر فیصلہ کے بعد دستخط سے انکار کی صورت پیش آئی تو چونکہ تفریق واقع کرنے کے وقت عدالت کی وکالت باقی تھی، اس لئے یہ تفریق معتبر ہونی چاہئے۔

ہاں اگر عدالت کو ایسے الفاظ میں طلاق تفویض کی گئی ہے جس میں شوہر کو رجوع کا اختیار باقی نہیں رہتا (اور عموماً ایسا ہی ہوتا ہے) تو پھر اس صورت میں اس کا دستخط سے انکار کرنا عدالت کی وکالت کو ختم نہیں کر سکتا، اور اس صورت میں دستخط سے انکار کے باوجود تفریق کا فیصلہ معتبر ہوگا۔ مثلاً شوہر کی جانب سے تفویض ان الفاظ میں ہو کہ اگر عدالت میری بیوی کو مجھ سے جدا کرنا چاہے تو اسے یہ اختیار ہے، یا میری بیوی کو عدالت جب بھی مجھ سے جدا کرنا چاہے کر سکتی ہے، تو پھر اس صورت میں اسے رجوع کا اختیار نہیں ہوگا، کیونکہ یہ توکیل کے بجائے تملیک ہے،

علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

"فإن قيده بالمشيئة بأن قال له: طلق امرأتي إن شئت، فهذا تمليك عند أصحابنا الثلاثة" (بدائع الصنائع: ۳/ ۱۲۳)۔

(اگر طلاق واقع کرنے کے اختیار کو مشیت کے ساتھ مقید کردیا، اور اس سے اس طرح کہا: اگر تو چاہے تو میری بیوی کو طلاق دے دے، تو یہ ہمارے تینوں اصحاب (امام ابوحنیفہ اور صاحبین) کے نزدیک تملیک ہوگی)۔

اور وکیل کی وکالت ختم کرنے کے اختیار کی طرح تملیک کو ختم کرنے کا اختیار نہیں ہوتا، علامہ محمود البخاریؒ لکھتے ہیں:

"وهذا النوع من التمليک لايقبل الرجوع" (المحیط البرہانی)۔

(اس طرح کی تملیک رجوع کو قبول نہیں کرتی)۔

یہ تفصیل تو ان ممالک کے پس منظر میں ہے جن میں عقد نکاح کو عدالت کی نگرانی میں کرنا یا اس کی عدالتی کارروائی کرنا ضروری ہوتا ہے، اور عقد نکاح کی کارروائی کے ضمن میں شوہر کی جانب سے عدالت کو طلاق کی تفویض قانونی طور پر کرنی ہوتی ہے، لیکن اگر زوجین یا ان میں کا کوئی ایک ان ممالک کے رہنے والے ہوں جن ممالک میں نکاح کے لئے عدالت کی نگرانی ضروری نہیں، یا جہاں عدالت کو تفویض طلاق کا قانون نہیں ہے، اور ان کا نکاح تفویض طلاق کے قانون کو ماننے بغیر ہوا ہے، پھر ایسی صورت میں عورت ان ہی ممالک کے غیر مسلم عدالت سے طلاق وتفریق کا مطالبہ کرے، یا کسی دوسرے ملک (جہاں تفویض طلاق کا قانون ہے) کے غیر مسلم عدالت سے طلاق کا مطالبہ کرے، جبکہ ان کا نکاح اس ملک میں نہیں ہوا ہے یا اس کی کارروائی اس ملک میں نہیں ہوئی ہے، اور عدالت شوہر کے جانب سے فیصلہ کو قبول کرنے کے دستخط کے بغیر یا اس کی حاضری کے بغیر عورت کے حق میں فیصلہ کردے اور تفریق کا فیصلہ صادر

کردے، تو اس صورت میں غیر مسلم عدالت کا فیصلہ تفریق معتبر نہیں ہوسکتا، کیونکہ غیر مسلم عدالت اور اس کے غیر مسلم قاضی کو شوہر پر ایسی ولایت حاصل نہیں ہے جس سے اسے تفریق کا حق ہو، جیسا کہ یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ غیر مسلم حاکم و قاضی کو مسلمان شوہر کی نیابت میں تفریق کا حق حاصل نہیں، اور تفویض طلاق کے نہ ہونے یا عدالت کے فیصلہ کو قبول کرنے پر شوہر کے رضامند نہ ہونے کی وجہ سے اس غیر مسلم عدالت کی حیثیت وکیل کی بھی نہیں ہے، اس لئے اس صورت میں تفریق واقع نہیں ہوگی۔

غیر مسلم ممالک اور غیر مسلم عدالتوں میں مسلم جج کی حیثیت:

غیر مسلم حکومت کی عدالت میں اگر کوئی مسلمان جج کے عہدے پر فائز ہو اور وہ اپنے عمومی فرائض کے تحت زوجین کے مابین تفریق سے متعلق مقدمات کی ساعت بھی کرتا ہو اور پھر تفریق کا فیصلہ بھی صادر کرتا ہو تو اس صورت میں اس کی حیثیت مسلم حاکم و قاضی کی ہوسکتی ہے، بشرطیکہ غیر مسلم حکومت اور اس کی عدالت کے اصول اور قوانین اس کو اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کرنے اور حق کے اظہار کی اجازت دیتی ہو، اور اسلامی قانون کے مغائر فیصلوں اور ناحق فیصلوں پر اس کو مجبور نہ کرتی ہو، اور وہ اپنے فیصلوں کے صادر کرنے میں بااختیار رہو، کیونکہ اس کا غیر مسلم حکمراں کی عدالت میں جج بننا اور اس عہدہ کو قبول کرنا درست ہے اور اس کے مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کے فیصلے مسلمانوں پر نافذ ہوں گے۔ علامہ حصکفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

"ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کان کافرا إلا اذا کان یمنعه عن القضاء بالحق فیحرم" (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۵/ ۳۶۷، مجمع الانہر ۳/ ۲۱۸)۔

(قضاء کو عادل اور ظالم سلطان سے اگرچہ کہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو قبول کرنا جائز ہے، لیکن اگر وہ اسے حق فیصلہ سے روکتا ہو تو حرام ہے)۔

فتاویٰ دار العلوم میں ہے:

حاکم جو گورنمنٹ کی طرف سے مقرر ہے اگر وہ مسلمان ہے تو وہ قائم مقام قاضی ہو جاتا ہے (فتاوی دارالعلوم دیوبند:۸/۱۴۸)۔

ایک دوسرے فتوی کے جواب میں مذکور ہے:

حاکم عدالت جو کہ مسلمان ذی اختیار ہو جیسے جج وغیرہ ان کو بھی حکم قضاۃ کا اس بارے میں دیا گیا ہے کہ ان کا فیصلہ معتبر ہے (حوالہ سابق)۔

اوپر کی تحریروں میں مسلم جج کو قاضی شرعی کا درجہ دینے میں یہ شرط ملحوظ ہے کہ وہ بااختیار ہو، وہ محض اس غیر مسلم عدالت کا ترجمان نہ ہو، چنانچہ اگر وہ بااختیار نہ ہو، بلکہ وہ اسی عدالت کی ترجمانی کا حق رکھتا ہو، تو پھر اس کے فیصلوں کا بھی وہی حکم ہونا چاہئے جو کہ اس غیر مسلم عدالت کے فیصلوں کا ہے، کیونکہ ایسا مسلم جج اپنے فیصلوں میں کسی بھی درجہ میں اسلامی اصول وضوابط کا پابند نہیں ہوگا، بلکہ وہ اس عدالت کے اصول وضوابط کی پیروی کرے گا، حتی کہ وہ غیر مسلم عدالت کے ان اصولوں کا بھی پابند ہوگا اور انہیں اختیار کرے گا جو صراحۃ اسلام کے معارض ہوں گے، اس لئے اس مسلم جج کی حیثیت عدالت کے ترجمان کی سی ہوگی، اس لئے اس کے فیصلوں کا حکم اس عدالت کے فیصلوں کے حکم سے مختلف نہیں ہونا چاہئے، حالانکہ ایسے حالات میں جب کہ وہ حق کے اظہار کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اور عدالت کے بعض ظالمانہ قوانین کو نافذ کرنے پر مجبور ہو تو خود اس کے لئے اس عہدہ کو قبول کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ درمختار کی عبارت میں یہ بات ماقبل میں ذکر کی گئی ہے۔

میرے خیال سے موجودہ دور میں عام طور پر مسلم ججوں کی حالت تقریبا یہی ہے کہ وہ کسی بھی درجہ میں اس بات کا حق نہیں رکھتے کہ وہ ان صورتوں میں جن میں عدالت کے اصولوں کے تقاضے شرعی اصولوں کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہ ہوں، وہ ان صورتوں میں شرعی اصولوں کے مطابق مقدمات کی سماعت کریں اور شرعی تقاضوں کے مطابق فیصلے صادر کردیں، مثلاً:

(۱) زنا کا ارتکاب زوجین کے مابین تفریق کے اسباب میں سے ایک ہے، مروج غیر مسلم عدالتی نظام میں کسی مسلم جج کے سامنے اگر شوہر بیوی کے زنا کے ارتکاب کی وجہ سے تفریق کے مطالبہ کا مقدمہ پیش کرے، تو یہ مسلم جج تفریق کا فیصلہ اسی صورت میں کرے گا، جب کہ بیوی اپنے جرم کا اقرار کرلے یا شوہر اس کے ارتکاب زنا پر گواہ پیش کردے۔ لیکن اگر بیوی اقرار نہ کرے اور شوہر کے پاس گواہ بھی نہ ہو تو اس صورت میں وہ مسلم جج تفریق کا فیصلہ نہیں کرے گا، جبکہ اسلامی اصول کے مطابق اس صورت میں لعان واجب ہے اور لعان کے بعد قاضی تفریق کا فیصلہ کردے گا، اور لعان کے بعد تفریق کرنا لعان کے حکم واجبی میں سے ہے۔ (بدائع الصنائع: باب اللعان)۔

(۲) مروج انگریزی غیر مسلم عدالتوں میں زوجین کو طلب طلاق کا یکساں حق دیا جاتا ہے، چنانچہ اگر عورت طلاق لیتی ہے تو اس صورت میں مرد کو یہ حق نہیں ہوتا کہ وہ اس کے بدلے میں مال طلب کرے، یا دی گئی مہر کی واپسی کا مطالبہ کرے۔ ظاہر ہے کہ ایسے کسی مقدمہ میں غیر مسلم عدالت کا مسلم جج یہ فیصلہ نہیں کرسکتا کہ عورت مہر میں دی گئی رقم کو واپس کرکے یا خلع کے بدلے میں مال دے کر خلع لے لے، جب کہ ایسی صورت میں اسلامی قانون شوہر کو خلع کے بدلے میں مہر کی واپسی یا کسی دوسرے مال کے مطالبہ کا حق دیتا ہے (بدائع الصنائع: کتاب الطلاق، فصل فی حکم الخلع)۔

(۳) تفریق واقع ہونے کی صورت میں غیر مسلم عدالت کا مسلم جج اس عدالت کے قانون کے مطابق عدت کے بعد بھی عورت کا نفقہ اس پر متعین کرتا ہے، جبکہ اسلامی قانون میں عورت نفقہ کی حقدار صرف عدت کے گزرنے تک ہوتی ہے (بدائع: فصل فی سبب وجوب ہذہ النفقۃ)۔

(۴) تفریق کی صورت میں غیر مسلم عدالت کا مسلم جج بھی جائیداد میں عموماً نصف نصف کی تقسیم نافذ کرتا ہے۔ جب کہ اسلامی اصول حقیقی ملکیت کا اعتبار کرتی ہے اور حقیقی مالک کو اس کا مال دیتی ہے۔

یہ چند مثالیں ہیں جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عموماً غیر مسلم عدالت کے مسلم جج کی حقیقت اس غیر مسلم عدالت کے ترجمان کی ہے، اور وہ اسی غیر مسلم عدالت کے قانون کو نافذ کرنے کی اہلیت رکھتا ہے، اور اسی کے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہے، اس لئے اس کا فیصلہ حاکم شرعی یا قاضی شرعی کے فیصلہ کی طرح معتبر نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اس کا فیصلہ اسی عدالت کے فیصلہ کے حکم میں ہونا چاہئے، جس کا یہ قاضی ہے، اور غیر مسلم عدالت کے فیصلہ سے جن صورتوں میں تفریق واقع نہیں ہوتی ان صورتوں میں اس مسلم جج کے فیصلہ سے بھی تفریق واقع نہیں ہونی چاہئے، ہاں اگر وہ بااختیار ہے تو پھر اس کو قاضی شرعی کے قائم مقام ماننے کی شرعاً اجازت ہے۔

خلاصہ:

ایسا قاضی جس کے فیصلے مسلمان کے مقدمات میں شرعاً معتبر ہوں اور اسے مسلمانوں کے نکاح کو فسخ کرنے کی ولایت حاصل ہو، اس کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہے، اس لئے غیر مسلم جج کے فیصلہ تفریق سے فرقت واقع نہیں ہوگی، البتہ اگر وہ جج شوہر کی طرف سے وکیل بن جائے اور کسی طرح چاہے عقد نکاح کے وقت یا بعد میں شوہر اس کو فرقت واقع کرنے کا وکیل بنانے کو منظور کرلے اور پھر وہ اپنی حق وکالت کو استعمال کرتے ہوئے فرقت کا فیصلہ صادر کرے تو اس کے اس فیصلہ سے فرقت واقع ہوجائے گی۔ البتہ غیر مسلم عدالت وحکومت میں اگر کوئی جج مسلمان ہو اور وہ اپنے عمومی فرائض کے ساتھ فسخ وتفریق کے مقدمات کی سماعت کرتا ہو تو اس کی حیثیت قاضی شرعی کی ہے اور اسکا فیصلہ فرقت معتبر ہے، اور اس سے فرقت واقع ہوجائے گی، بشرطیکہ وہ بااختیار جج ہو، اور اس کی حیثیت محض اس غیر مسلم عدالت کے ترجمان کی نہ ہو۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ حاصل کئے گئے طلاق کا شرعی حکم

مفتی محمد عثمان بستوی ☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق دینے اور طلاق حاصل کرنے کی چند صورتیں بنتی ہیں:

۱-شوہر اپنی رضا سے غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق دلوائے، ۲-زوجین اپنا معاملہ کسی غیر مسلم عدالت کے سپرد کردیں کہ عدالت اپنی صواب دید کے مطابق جو فیصلہ چاہے کرے، ۳-شوہر طلاق دینے پر راضی نہ ہو اور بیوی عدالت میں مقدمہ دائر کرکے شوہر کی مرضی کے خلاف غیر مسلم عدالت سے فیصلہ کروالے، اور سوال میں غیر مسلم عدالت سے طلاق دلوانے کی جو صورتیں مذکور ہیں وہ اسی مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی میں داخل ہوجاتی ہیں۔ اس لئے ہم اب ان مذکورہ بالا صور ثلثہ کے مطابق تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں۔

شوہر کا بذریعہ عدالت اپنی رضا سے طلاق دلوانا:

عدالت یا کسی غیر کے واسطہ سے اگر طلاق دلوائی جائے تو اس کی کل تین صورتیں بنتی ہیں: ۱-تفویض، ۲-توکیل، ۳-رسالۃ۔

☆ مدرسہ ریاض العلوم گوریني، جونپور۔

"في الدر ما يوقعهٗ غيرهٗ بإذنه أنواعهٗ ثلثة: تفويض، توكيل، رسالة" (در مختار ج۴،ص ۵۵۲ م-ز)۔

تفویض:

عدالت یا کسی غیر کوطلاق کا اختیار اس طرح دینا کہ خود اس کو اس کی مرضی اور مشیت کا پابند بنادیا جائے اور وہ شوہر کے امر کو ملحوظ رکھنے کا پابند نہ ہو تو اس کو شرعاً تفویض اور تملیک کہتے ہیں اور خود بیوی کو اختیار دینا بہر صورت تفویض اور تملیک ہے۔

"ذكر في الفتح في فصل المشية أن صاحب الهداية جعل مناط الفرق بين التمليك والتوكيل مرة بأن المالك يعمل برأي نفسه، بخلاف التوكيل، ومرة بأنه عامل لنفسه بخلافه ......إلى أن قال بعد ما بحث في الأولين أن الفرق الثالث أصوب، (شامیہ ج۴،ص ۵۵۲ م-ز)۔ وفي البدائع وجه الفرق بين المطلق والمقيد وهو أن الأجنبي في المطلق يتصرف برأي الغير وتدبيره ومشيته فكان توكيلاً لا تمليكاً، أما المقيد فإنما يتصرف عن رأي نفسه وتدبير نفسه ومشيته وهذا معنى المالكية وهو التصرف عن مشيته وهذا فرق واضح بحمد الله، قوله لامرأته: طلق، نفسک لا يمكن أن يجعل توكيلاً الخ (بدائع ج۳،ص ۱۹۴)۔

تفویض کے احکام:

۱-اگر طلاق دینے کا مالک کسی غیر کو بنائے اور اس کے ساتھ اس کی وضاحت بھی کردے کہ وہ جب چاہے میرے سپرد کردہ اختیار کی بنا پر طلاق دے سکتا ہے تو ایسے شخص کو طلاق دینے کا عمومی اختیار حاصل ہوجاتا ہے، لیکن اگر مطلق اختیار دے اور اسکے عموم کی وضاحت نہ کرے تو اس وقت صرف اسی مجلس میں طلاق دینے کا اختیار ہوگا، مجلس کے بعد طلاق دینے کا اختیار باقی نہ رہے گا۔

۲-جس کو طلاق کا اختیار سپرد کردیا جائے تو پھر اس سے اسکے اختیار کو باطل کرنے کا اور اپنے سپرد کردہ اختیار کو واپس لینے کا حق نہ رہے گا۔

۳-مجنون اور صبی لایعقل کو بھی طلاق کا مالک بنایا جاسکتا ہے۔**فی الدر المختار :**

"ففی التملیک لایرجع ولا یعزل ولا یبطل بجنون الزوج ویتقید بمجلس (إلا إذا زادت متی شئت أو متی ماشئت أو إذا شئت أو إذا ماشئت فلا یتقید بالمجلس) ولا (یتقید) بعقل فیصح تفویضہ لمجنون، و صبی لایعقل

(الدر المختار ج۴، ص ۵۴-۵۵)۔

غیر مسلم کو طلاق کی تفویض:

اس مسئلہ کو سمجھنے سے پہلے چند باتیں لکھی جاتی ہیں:

(ا) تفویض میں دو معنی پائے جاتے ہیں: ایک تملیک کا معنی، دوسرے تعلیق کا معنی، یعنی شوہر اپنی بیوی سے یہ کہتا ہے کہ اگر فلاں نے تم سے "**أنت طالق**" کہا تو تم کو طلاق، اس معنی تعلیق کی وجہ سے مجنون وغیرہ کو بھی طلاق سپرد (تفویض) کرنا صحیح ہے، اور اس معنی کی بناء پر اگر کسی عاقل کو طلاق سپرد کیا پھر وہ مجنون ہو گیا تو جس شرط پر تفویض کیا تھا وہ شرط (صفت عقل) تعلیق کے فوت ہونے کی وجہ سے تعلیق باطل ہو جائے گی اور عاقل کا مجنون ہونے کے بعد طلاقِ مفوض دینا بھی صحیح نہیں ہوگا۔

"وبیانہ ما فی البحر عن المحیط: لو جعل أمرھا بید صبی لایعقل أو مجنون فذلک إلیہ مادام فی المجلس، لأن ھذا تملیک فی ضمنہ تعلیق، فإن لم یصح باعتبار التملیک یصح باعتبار معنی التعلیق فصححناہ باعتبار التعلیق، فکأنہ قال، إن قال لک المجنون: أنت طالق فأنت طالق .... وفی تفویض الطلاق وإن کان لاعھدۃ أصلا، لکن الزوج حین التفویض لم یعلق إلا

علی کلام عاقل، فإذا طلق وھو مجنون لم یوجد الشرط بخلاف ما إذا فوض إلی مجنون ابتدأ وإن لم یعقل أصلاً، فإنہ یصح باعتبار معنی التعلیق“ (شامی ۵۵۶/۴)۔

مذکورہ بالا توضیحات وتشریحات سے معلوم ہوگیا کہ غیر مسلم کو طلاق کا مالک بنانا صحیح اور درست ہے اور اس پر تفویض کے تمام احکام جاری ہوں گے، یعنی اگر تفویض مطلق ہے تو اختیار مجلس کے ساتھ خاص رہے گا اور اگر تفویض عام ہے تو اس صورت میں مجلس کے ساتھ تخصیص نہ ہوگی بلکہ اس کو عام اختیار حاصل ہوگا۔

توکیل:

بیوی کے علاوہ کسی دوسرے کو طلاق دینے کا مجاز اُمر آمر کا لحاظ رکھتے ہوئے بنایا جائے خود اس کو اس میں اپنی مرضی ومشیت شامل کرنے کا اختیار نہ ہو، اس وجہ سے کہ اگر اس کو اپنی مرضی ومشیت استعمال کرنے کا اختیار ہو تو یہ توکیل نہیں بلکہ تفویض وتملیک بن جائے گی۔

”لو أضاف الأمر بالتطلیق إلی الأجنبی ولم یقیدہ بالمشیۃ کان توکیلا بالإجماع“ (بدائع ۱۹۴/۳)۔

”طلقی ضرتک أو قولہٗ لأجنبی: طلق امرأتی یصح رجوعہٗ، لأنہ توکیل محض، إلا إذا علقہ بالمشیۃ فیصیر تملیکا لا توکیلاً“ (درمختار ۵۵۵/۴)۔

توکیل کے احکام:

۱- جس کو طلاق دینے کا وکیل بنایا جائے تو اس کو اختیار رہوگا کہ جب چاہے طلاق دے دے، البتہ اگر اس اختیار کو کسی وقت اور زمانے کے ساتھ مخصوص کردے تو اس وقت کے علاوہ کسی دوسرے وقت طلاق دینے کا اختیار نہیں رہے گا۔

۲- جس کو طلاق دینے کا وکیل بنایا گیا ہے مؤکل جب چاہے اس کو معزول کردے اور

اپنے سپرد کردہ اختیار کو واپس لے لے۔

۳-وکیل اگر توکیل کے بعد مجنون ہوجائے تو اس کی وکالت باطل ہوجائے گی اور اس کا کوئی تصرف نافذ نہ ہوگا بخلاف اس کے کہ اگر کسی ایسے مجنون کو وکیل بنائے جو سپرد کئے گئے معاملہ کو سمجھتا ہو اور وہ اس کے بعد اس معاملہ کو انجام دے تو اس کا تصرف نافذ و صحیح ہوگا۔ اس وجہ سے کہ اگر توکیل کے بعد جنون طاری ہو تو اس میں چونکہ مؤکل نے ذمہ داری وکیل کے سپرد کی تھی اور جنون کے بعد وکیل ان ذمہ داریوں کا اہل نہیں رہ گیا، اس لئے اس کی وکالت باطل ہوجائے گی بخلاف اس کے کہ اگر اسکو حالتِ جنون (مذکورہ) میں وکیل بنایا جائے تو اس صورت میں مؤکل ساری ذمہ داری اپنے ذمہ باقی رکھتا ہے اور وکیل مجنون کو صرف قاصد و پیغامبر کا درجہ دیتا ہے، اس لئے وکیل مجنون جو تصرف کرے گا وہ درحقیقت مؤکل کا تصرف بن کر صحیح و نافذ ہوگا۔

غیر مسلم کو طلاق کی توکیل:

اس کو سمجھنے سے پہلے چند امور تحریر کئے جاتے ہیں:

۱-باب طلاق میں وکیل من وجہ قاصد اور رسول ہوتا ہے۔

"وفي كل عقد لابد من إضافته إلى مؤكله كنكاح وخلع وكتابة تتعلق بمؤكله لابد لكونه فيها سفيرا محضاً. ولو أخرج الكلام في الطلاق مخرج الوكالة بأن أضافه إلى نفسه صح إلا في النكاح، والفرق أنه في الطلاق أضافه إلى الموكل معنى" (شامی ۲۴۶/۸)۔

۲-وکیل طلاق دینے میں اپنے موکل کا من وجہ نائب بھی ہوتا ہے، اس لئے اس کے اندر نیابت کی اہلیت کا ہونا بھی شرط ہے۔ (دلیل ۳ کے ذیل میں ملاحظہ ہو)۔

۳-اس میں (توکیل میں) بھی تعلیق کے معنی پائے جاتے ہیں گویا کہ مؤکل کہتا ہے

کہ میں نے تیرے طلاق کو اپنے وکیل کے انت طالق کہنے پر معلق کردیا ہے، یعنی اگر میرا وکیل تجھ سے انت طالق کہے تو تجھے طلاق، اسی لئے اگر کسی عاقل کو طلاق دینے کا وکیل بنایا پھر وہ وکیل مدہوش (جنون کی ایک قسم ہے) ہوگیا اور پھر اسی مدہوشی کی حالت میں طلاق دے تو طلاق پڑجائے گی۔

"نقل فی البحر بعد ذلک عن البزازية: التوكيل بالطلاق تعليق الطلاق بلفظ الوكيل ولذا يقع منه حال سكره إلا أن يقال إن هذا لاينافي اشتراط العقل لصحة التوكيل ابتدأ لكن مقتضى التعليق بلفظ الوكيل عدم اشتراط عقله لوجود المعلق عليه بالتطليق وعليه فلا فرق بين التمليک والتوكيل فی ذلک فليتامل" (شامی ۴/۵۷۷)۔وفي تقريرات الرافعي قد يقال: إن التوكيل بالطلاق فيه شبهان: شبه الانابة وشبه التعليق فنظرالاول اشترطوا عقل الوكيل ولو وكل مجنونا أو صبيا لايعقل وتلفظ بصيغة الطلاق لايقع وإذا سكر بعدهٔ وطلق يقع نظرا للثاني" (تقریرات رافعی ۴/۲۲۱)۔

۴-مذکورہ بالا امور ثلثہ میں سے کسی میں بھی اسلام کی شرط نہیں۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ واضح ہوگیا کہ غیر مسلم کو طلاق کا وکیل بنانا صحیح ہے اور اس پر توکیل کے احکام نافذ ہوں گے، یعنی اگر وکالت بالطلاق کو مشیت وکیل کے ساتھ مقید کیا جائے، تو یہ اختیار تفویض ہوکر مجلس کے ساتھ خاص ہوگا، البتہ اگر مشیت کے ساتھ بھی اس کو عمومی اختیار دے دیا جائے تو پھر تفویض کی طرح سے یہ اختیار بھی مجلس کے ساتھ خاص نہ ہوگا۔ بلکہ اس کو عمومی اختیار حاصل ہوجائے گا۔

رسالۃ:

اپنی بیوی کے پاس کسی واسطہ اور ذریعہ سے خواہ تحریراً ہو یا لفظاً طلاق وغیرہ کا پیغام بھیجنے کا نام رسالۃ ہے۔

"وأما الرسالة فهي أن يبعث الزوج طلاق إمرأته الغائبة علی يد انسان فيذهب الرسول إليها ويبلغها الرسالة علی وجهها فيقع عليها الطلاق، لأن الرسول ينقل كلام المرسل فكان كلامهٗ ككلامه" (بدائع الصنائع ۱۹۹/۳)۔

حکم:

تحریری یا زبانی طور پر اگر اپنی بیوی کو پیغام پہونچائے تو طلاق پڑ جائے گی اور بیوی کو شوہر کے ساتھ رہنا سہنا طلاق بائن ومغلظ کی صورت میں جائز نہ ہوگا۔ "ومنها عدم الشک من الزوج في الطلاق وهو شرط الحكم بوقوع الطلاق حتی لو شک فيه لايحكم بوقوعه الخ" (بدائع الصنائع ۱۹۹/۳)۔

تحریر کے چند احکام:

۱۔تحریر لکھنے یا تحریر پر مضمون سے واقف ہونے کے بعد دستخط کرنے کا اختیار صرف اسی صورت میں ہوگا جبکہ اس نے تحریر اور دستخط سب اپنی رضا سے کیا ہو لہٰذا اگر بلا رضا کے اکراہ کی بنا پر خواہ اکراہ ملجی ہو یا غیر ملجی ہو تحریر لکھے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

"رجل أكره بالضرب والحبس علی أن يكتب طلاق إمرأته فكتب لاتطلق إمرأته لأن الكتاب أقيم مقام العبارة باعتبار الحاجة ولاحاجة هنا" (خانیہ ۳۵/۲)۔

۲۔تحریر خود نہ لکھے بلکہ کسی سے لکھوائے یا کسی نے از خود لکھا ہو کہ یہ تحریر فلاں کی ہے تو اس تحریر کو اس کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا ہے جب تک کہ اس نے اس کو پڑھکر اس پر دستخط نہ کردیا ہو، لہٰذا بغیر پڑھے اور اسکے مضمون پر واقف ہوئے بغیر دستخط کردیا ہو تو شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔

۳۔مضمون تحریر دوسرے سے لکھوانے کے بعد اس کو پڑھ کر یا اس سے واقف ہونے

کے بعد دستخط کر دیا ہو لیکن بعد میں وہ اپنی تحریر ہونے سے انکار کر دے تو جب تک شہادت یا اقرار سے اس کی تحریر ہونا ثابت نہ ہو جائے اس سے کوئی حکم متعلق نہیں ہوگا۔

''كل كتاب لم يكتبه بخطه، ولم يمله بنفسه، لايقع به الطلاق إذا لم يقر أنه كتابهٗ'' (الہندیہ ۱/۳۷۹)۔

''وإن لم يقر أنه كتابه ولم تقم بينة لاتطلق قضاء ولا ديانة'' (شامی ۴/۴۵۶)۔

تحکیم:

نزاع کرنے والے فریقین کا اپنے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے ایک یا ایک سے زائد لوگوں کو اختیار دیدینے کا نام شریعت میں تحکیم ہے۔ اس کا ثبوت قرآن وحدیث، عمل صحابہ، اجماع امت، سب سے ہے اس کی شرطیں وہی ہیں جو قضاء کی شرطیں ہیں، البتہ حدود وقصاص میں تحکیم صحیح نہیں۔

''التحكيم شرعا تولية الفريقين المتخاصمين حاكماً واحدا أو أكثر يحكم بينهما، دلت الآية القرآنية على مشروعية التحكيم، والتحكيم جائز أيضاً بالسنة، وقد دلت آثارٌ كثيرة على مشروعية التحكيم وعمل به الصحابة، وأجمع عليه المسلمون ويشترط في الحكم أن يكون أهلاً للشهادة وأن تتوافر في هذه الأهلية وقت الحكم، وأن يكون الموضوع في غير الحدود والقصاص فيصح التحكيم في القضايا المالية وفي الأحوال الشخصية من زواج وطلاق'' (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ۳/ ۱۶۲-۱۶۳، الفقہ الاسلامی ۸/ ۶۲۵۱)۔

حکم:

حکم کے فیصلہ کر دینے کے بعد فریقین کے لئے ان کے فیصلہ کے مطابق عمل کرنا واجب ہے، البتہ حکم کے فیصلہ کرنے سے پہلے فریقین میں سے ہر ایک کو اختیار رہتا ہے کہ وہ تحکیم

سے رجوع کر لے۔

"وينفرد بأحد المحكمين برد الحكم وفسخه قبل وقوعه فإن حكم لزمهما ولا يبطل حكمهٗ بعزلهما لصدوره عن ولاية شرعية وهو لازم للمحكمين فقط فلا يتعدى إلى غيرهما" (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ۳/ ۱۶۳)۔

"ويلتزم المتحاكمان بقرار المحكم عند الحنفية والحنبلية ولكل واحد الرجوع عن التحكيم قبل إصدار الحكم عند الحنفية" (الفقہ الاسلامی ۸/ ۶۲۵۱)۔

قضاء:

قضاء: شریعت میں لوگوں کے درمیان پیش آنے والے نزاعی مسئلوں اور مقدمات کا فیصلہ کرنے کا نام ہے۔"القضاء شرعاً: فصل الخصومات وقطع المنازعات بين الناس" (الفقہ الحنفی ۳/ ۱۳۷)۔

شرائط:

قاضی کا عاقل و بالغ ہونا، آزاد ہونا، مسلمان ہونا، شنوائی، بینائی اور قدرت کلام کا موجود ہونا، اوراحکام شرعیہ سے واقف ہونا، حاصل یہ کہ شہادت کی تمام شرائط کا قاضی کے اندر پایا جانا ضروری ہے، لہٰذا جو شخص شاہد بن سکتا ہے وہ قاضی بھی بن سکتا ہے (الفقہ الاسلامی ۸/ ۶۲۴۳، الفقہ الحنفی ۳/ ۱۳۰)۔

غیر مسلم جج کا مسلمانوں کے معاملات میں فیصلہ کرنا:

ضابطہ ۱:

جو شخص شاہد (گواہ) بن سکتا ہے وہ قاضی اور حکم (ثالث) بھی بن سکتا ہے، "وأهله أهل الشهادة" (کنز الدقائق)۔

ضابطہ ۲:

شہادت کے لئے ولایت شرط ہے: "وإنما شرط شرائط الشهادة في القضاء لأن القضاء ولاية كالشهادة بل القضاء ولاية عامة" (حاشیہ چلپی علی تبیین الحقائق ۸۱/۵)۔ والشهادة من باب الولاية الخ (تبیین الحقائق ۱۸۴/۵)۔

ضابطہ ۳:

غیر مسلم کو اہل اسلام پر باب دیانات ومذہبی امور (حلت، حرمت، نجاست، طہارت، نکاح، طلاق، تفریق وغیرہ) میں ولایت حاصل نہیں (دلیل ضابطہ ۴ کے تحت ملاحظہ فرمائیں)۔

ضابطہ ۴:

غیر مسلم کو اہل اسلام کے دنیوی معاملات (بیع، شراء، امانت، وکالت، وصیت) وغیرہ میں ولایت حاصل ہوتی ہے۔

"قال الله تعالى: يا أيها الذين اٰمنوا شهادة بينكم إذا حضر أحدكم الموت" الآية (المائدہ ۱۰۶)۔ "فهذا نص على أن شهادة الكافر مقبولة في وصية المسلم، وفي وصية الكافر أولىٰ ثم انتساخه في حق المسلم لأجل أن ولايتهم على المسلمين انتسخت لايدل على انتساخه في حق الكافر لبقاء ولاية بعضهم على بعض لقوله تعالىٰ: "والذين كفروا بعضهم أولياء بعض" (الأنفال ۷۳)۔ والمراد به الولاية دون الموالاة، لأنه معطوف على قوله تعالى: "مالكم من ولايتهم من شيء" الآية (الأنفال ۷۲)۔

(سورۂ مائدہ کی آیت ۱۰۶ مسلمان کی وصیت میں کافر کی شہادت کے قبول کئے جانے کی دلیل ہے، لہٰذا کافر کی وصیت میں بدرجۂ اولی شہادت کے مقبول ہونے کی دلیل ہے، پھر اس کا مسلمان کے حق میں اس بنیاد پر منسوخ ہونا کہ ان کی ولایت مسلمانوں پر منسوخ ہوچکی ہے،

اس کے کافر کے حق میں منسوخ ہونے پر دلیل نہیں ہے، کیونکہ انہیں ایک دوسرے پر اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''والذین کفروا'' کی وجہ سے ولایت حاصل ہے، آیت کریمہ میں ولایت ہی مراد ہے نہ کہ موالات، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''مالکم من ولایتھم الخ'' پر معطوف ہے)۔

فإذا بقیت ولایة بعضهم علی بعض بقیت الشهادة أیضاً، لأنها نوع ولایة لما فیها من إلزام الغیر، فدل ذلک علی أن الاٰیة غیر منسوخة فی حقهم، وکیف یقال ذالک وقد عمل بها بعض الصحابة فی حق المسلمین أیضاً فإن أبا موسیٰ الأشعری رضی الله عنه (أمضی شهادة الکافرین فی وصیة المسلم) فیما رواه أبو داؤد والدار قطني وقالت عائشة رضی الله تعالیٰ عنها لجبیر بن نفیر (هل تقرأ سورة المائدة) قال: نعم قالت: فإنها اٰخر سورة أنزلت فما وجدتم فیها من حلال فأحلوه وما وجدتم فیها من حرام فحرموه (رواه أحمد) فهذا یدلک علی أنها لیست بمنسوخة فی حق المسلم أیضاً، والفسق من حیث الاعتقاد لایمنع القبول لأنه یمتنع عن محظور دینه أشد الامتناع والکذب محظور فی الأدیان کلها والرضا ثبت فی حق الکافر فی حق المعاملات بصفة الأمانة، لأن الله تعالیٰ وصفهم بذالک فقال: "ومن أهل الکتاب من إن تامنه بقنطار یؤده إلیک" (آل عمران:۷۵)۔ فخرجت الآیة مخرج الوصف لهم بالامانة، والأمانة مرضیة وإن لم یکن الکافر مرضیا لکفره، ولما کان مؤتمنا فی المعاملات کان مؤتمنا فی الشهادة، لأنها من أداء الأمانة'' (تبیین الحقائق ۵/ ۱۸۳-۱۸۴)۔

(جب ان کی ایک دوسرے پر ولایت باقی ہے تو شہادت بھی باقی رہے گی، کیونکہ شہادت بھی الزام غیر کی وجہ سے ایک طرح کی ولایت ہی ہے، لہٰذا یہ اس پر دال ہے کہ آیت کفار

کے حق میں منسوخ نہیں ہے، یہ کیسے کہا جاسکتا ہے جبکہ کچھ صحابہؓ نے مسلمانوں کے حق میں اس پر عمل کیا ہے، چنانچہ حضرت ابوموسی اشعریؓ نے مسلمان کی وصیت میں کفار کی وصیت کو نافذ کیا ہے جیسا کہ کتبِ احادیث میں مروی ہے، حضرت عائشہؓ نے حضرت جبیر بن نفیر سے فرمایا: کیا آپ نے سورۂ مائدہ پڑھی ہے؟ انہوں نے کہا: جی! اس پر حضرت عائشہؓ نے کہا کہ یہ سب سے آخری نازل شدہ سورت ہے، لہٰذا اس میں جسے حلال پاؤ اسے حلال سمجھو، اور جسے حرام پاؤ اسے حرام، یہ فرمان اس بات پر دال ہے کہ آیت مذکورہ مسلمان کے حق میں منسوخ نہیں، رہی بات اعتقاد کے اعتبار سے فسق کی تو وہ قبولیت سے مانع نہیں ہے کیونکہ اعتقادمذہب کے ممنوعات سے پورے طور پر مانع ہوا کرتا ہے اور کذب تو تمام مذاہب میں ممنوع ہے اور رضا صفتِ امانت کے ساتھ معاملات میں کافر کے حق میں ثابت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں صفتِ امانت کے ساتھ متصف کیا ہے، چنانچہ فرمایا: "ومن أهل الكتاب الخ" یہ آیت کفار کے امانت کے ساتھ متصف ہونے کو بیان کررہی ہے اور امانت ایک شئ محبوب ہے اگرچہ کافر کفر کے سبب محبوب نہیں ہے جب وہ معاملات میں قابل اطمینان ہے تو شہادت میں بھی ہوگا کیونکہ شہادت ادائے امانت ہی کا نام ہے)۔

ضابطہ ۵:

غیر مسلم کی خبر باب معاملات میں معتبر ہے، البتہ دیانات میں معتبر نہیں۔ اور خبر شہادت کی طرح ہے علاوہ چند امور کے۔

"وأصل ما ذكر من ثبوت الحل والحرمة أن خبر الكافر مقبول بالإجماع في المعاملات لا في الديانات" (البحر الرائق ۵/۳۳۶)۔

"الإخبارات ثلاثة: إما بحق للغير على آخر وهو الشهادة" (البحر الرائق ۳/۱۴۹)۔

ضابطہ ٦:

غیر مسلم کی شہادت مسلم کے خلاف اصالۃً معتبر نہیں لیکن تبعاً معتبر ہے، جیسے اس کافر غلام کے خلاف جس کا مالک مسلمان ہو یا آزاد کافر وکیل کے خلاف جس کا مؤکل مسلمان ہو، اور اس مردہ ذمی کے خلاف جس کا وصی مسلمان ہو۔ اسی طرح کافر کی شہادت مسلم کے خلاف ضرورۃً بھی مقبول ہے، مثلاً وصیت میں اور نسب میں۔

"تقبل من كافر على عبد كافر مولاهٗ مسلم أو على وكيل حر كافر موكلهٗ مسلم وتقبل على ذمي ميت وصية مسلم، ولا تقبل شهادة كافر على مسلم إلا تبعاً أو ضرورة في مسألتين: في الإيصاء شهد كافران على كافر أنه أوصى إلى كافر واحضر مسلما عليه حق للميت: وفي النسب: شهد أن النصراني ابن الميت فادعى على مسلم بحق، وهذا استحسان ووجهه الضرورة لعدم حضور المسلمين موتهم لا نكاحهم" (درمختار مع الشامیۃ ۸/۱۹۱-۱۹۲)۔

مذکورہ بالا ضوابط سے یہ معلوم ہوا کہ موجودہ زمانہ میں غیر مسلم ججوں کے ذریعہ سے اپنے دنیوی معاملات میں مقدمات کا فیصلہ کراسکتے ہیں۔ اسی طرح سے کسی غیر مسلم کو اپنے دنیوی معاملات میں کسی غیر مسلم کو حکم (ثالث) بنانا یا غیر مسلم جج کے پاس مقدمہ لیجانا جائز نہیں۔ اور دینی معاملات میں انکا فیصلہ بھی غیر معتبر ہوگا۔

"الشرط الثالث للقضاء الإسلام: لأن القضاء ولاية، ولا ولاية لغير المسلم على المسلم فلا تقبل شهادتهٗ عليه، لقوله تعالیٰ :"ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا" وأجاز أبو حنيفة تقليد غير المسلم القضاء بين أهل دينه" (الفقه الإسلامي و في حاشيته) مايجرى عليه العمل الآن من تولية الذميين منصب القضاء حتى بين المسلمين ماخوذ مما قررته لجنة مجلة

الأحكام العدلية عملاً بقبول شهادته على المسلم للضرورة" (الفقہ الاسلامی ۶۲۳۷/۸)۔

خلاصہ:

۱- مذکورہ صورت میں عدالت کو شوہر کی درخواست کے بعد اپنے حسب منشاء طلاق دینے اور نہ دینے دونوں کا اختیار رہتا ہے، اس لئے یہ صورت تفویض کی ہے، اور تفویض تعلیق کی ایک قسم ہے (یعنی شوہر نے طلاق کو عدالت کے فیصلۂ طلاق پر معلق کر دیا ہے) لہٰذا غیر مسلم جج کا فیصلۂ طلاق معتبر ہوگا "لأن هذا تمليك في ضمنه تعليق .... فيصح باعتبار معنى التعليق" (شامی ج۴، ص۵۵۶ م-ز)۔

۲- دوسری صورت میں چونکہ بیوی اور شوہر دونوں اپنا اپنا اختیار عدالت کے سپرد کر دیتے ہیں، اس لئے یہ تحکیم کی صورت بنتی ہے، اور امور دیانات (نکاح، طلاق، حلت، حرمت وغیرہ) میں حکم اور ثالث کیلئے مسلم ہونا شرط ہے، لہٰذا غیر مسلم جج کا فیصلہ طلاق غیر معتبر ہوگا۔

"وشرطهٔ من جهة الحكم صلاحيتهٔ للقضاء .... فلو حكم عبداً أو ذمياً فأسلم ثم حكم لاينفذ" (درمختار مع شامی ج۸، ص۱۲۶)۔

۳- باب دیانات میں غیر مسلم کو مسلم پر کسی قسم کی ولایت حاصل نہیں ہوتی ہے، اس لئے غیر مسلم جج کو تفریق بین المسلمین کا اختیار نہ ہوگا۔

"أهلهٔ أهل الشهادة أى أدائها على المسلمين، وحاصلهٔ أن شروط الشهادة من الاسلام الخ" (شامی ج۸، ص۲۳، م-ز)۔

۴- مسلم کو چونکہ مسلم پر ہر قسم کی ولایت حاصل ہے، اس لئے غیر مسلم عدالت کے مسلم جج کا فیصلہ اہل اسلام کے تمام امور میں خواہ از قبیل دیانات ہوں یا معاملات --- نافذ اور معتبر ہوگا۔

"یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولوکان کافراً"

(الحیلۃ الناجزۃ ۴۵، الدرالمختار ۸/ ۴۳)۔

۵- خبر، شہادت اور قضا کے اعتبار سے معاملات کی کل دو قسمیں ہیں: (ا) دینی ومذہبی امور مثلاً نجاست، طہارت، حلت، حرمت، نکاح، طلاق وغیرہ اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں کافر کی شہادت وقضاء بالکل مقبول نہیں۔ دنیوی معاملات اس کی کل تین قسمیں ہیں: ا- جس میں بالکل الزام نہ ہو جیسے وکالت، مضاربت وغیرہ اس میں ہر ایک کی خبر شہادت قضاء وغیرہ معتبر ہے اگرچہ وہ غیر مسلم ہی ہو۔ ۲- وہ معاملات جن میں من وجہ دوسروں پر الزام ہوتا ہے مثلاً عزل وکیل وغیرہ۔ ۳- وہ معاملات جن میں من کل الوجوہ الزام ہوتا ہے ان دونوں میں غیر مسلم کی شہادت و قضاء مختلف فیہ ہے۔ جو حضرات غیر مسلم کی ولایت باب معاملات میں تسلیم کرتے ہیں ان کے نزدیک ان امور میں شہادت وقضاء کو بھی صحیح مانتے ہیں۔ اور جو حضرات ان امور میں بھی ان کی ولایت کو تسلیم نہیں کرتے ہیں ان کے نزدیک اس میں بھی ان کی شہادت وقضاء معتبر نہیں، لیکن معاملات جو امور دنیا سے متعلق ہوتے ہیں تحقیق وتفکر کے بعد یہ واضح ہوتا ہے کہ ان میں غیر مسلم کی شہادت وقضاء معتبر ہونی چاہئے، کیونکہ ان کی شہادت کا سقوط حقیقت میں عداوت کی وجہ سے ہے، لہٰذا اگر عدم عداوت پر اطمینان کامل ہو تو مقبول ہونا چاہئے۔ **التفصیل فی الزیلعی والفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید والفقہ الإسلامی وأدلتہ۔**

☆☆☆

غیر مسلم عدالتی فیصلہ اسلامی تناظر میں

مولانا سلمان پالن پوری☆

اسلامی تعلیم یہ ہے کہ جب بھی مسلمانوں کے درمیان کسی قسم کا تنازع پیش آئے یا آپس میں حق تلفی کی نوبت آئے تو ہر فریق کو چاہئے کہ وہ شریعت کی طرف رجوع کرے، اور متنازعہ معاملہ میں شریعت کا جو حکم ہو اسے دونوں فریق بخوشی تسلیم کرلیں اور تنازعہ ختم کردیں، معاملہ خواہ مالی ہو یا سماجی اور معاشرتی ہو، ہر موقع پر یہی اصول پیش نظر رکھنا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

"فإن تنازعتم في شئ فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر ذلك خير وأحسن تأويلا" (سورۂ نساء ۵۹)۔

(پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے اور رسول کے، اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر، یہ بات اچھی ہے اور بہت بہتر ہے اس کا انجام)۔

اسکے برخلاف جو لوگ اپنے تنازعات شریعت کی روشنی میں حل کرانے کے بجائے غیر شرعی قوانین وغیرہ کے ذریعہ حل کرانے پر مطمئن ہوں ان کی قرآن پاک میں سخت مذمت کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

"ألم تر إلى الذين يزعمون أنهم آمنوا بما أنزل إليك وما أنزل من

☆ مدرسہ خلیلیہ، ماہی شمالی گجرات۔

قبلک یریدون أن یتحاکموا إلی الطاغوت وقد أمروا أن یکفروا به ویرید الشیطان أن یضلهم ضلالا بعیدا" (سورۂ نساء:۶۰)۔

(کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جو دعوی کرتے ہیں کہ ایمان لائے ہیں اس پر جو اترا تیری طرف اور جو اترا تجھ سے پہلے چاہتے ہیں کہ قضیہ لے جائیں شیطان کی طرف اور حکم ہو چکا ہے ان کو کہ اس کو نہ مانیں، اور چاہتا ہے شیطان کہ ان کو بہکا کر دور لے جا ڈالے)۔

اسی بنا پر تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ کسی غیر مسلم جج کا کوئی فیصلہ کسی مسلمان کے خلاف شرعاً معتبر نہیں ہے، حتی کہ اگر اسلامی حکومت میں مسلمان حاکم کی طرف سے کسی غیر مسلم جج کو فیصلہ کے لئے مقرر کیا جائے تو اس کے فیصلے صرف غیر مسلم ذمیوں تک ہی محدود رہیں گے۔ مسلمانوں کے درمیان اسے فیصلہ کا حق نہ ہوگا۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"وتقلید حکومة الذمی لیحکم بین أهل الذمة صحیح وتقلیده أن یحکم بین المسلمین باطل وکذلک التحکیم" (ج/۳/ ۳۹۷-الباب الرابع والعشرون فی التحکیم، زکریا بکڈپو دیوبند)۔

(ذمی کفار کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے کسی غیر مسلم حاکم کو مقرر کرنا درست ہے، لیکن اس غیر مسلم کو مسلمانوں کے درمیان فیصل بنا کر تقرر کرنا باطل ہے، اور یہی حکم کافر کو حکم بنانے کے بارے میں بھی ہے)۔

فقیہ العصر حضرت علامہ شامیؒ نے شام کے بعض علاقوں میں مقرر کردہ عیسائی اور دروزی قاضیوں کے بارے میں صاف طور پر فرمایا ہے کہ "ان کا فیصلہ مسلمانوں پر نافذ نہیں ہے" (شامی ج/۸/ ۲۴-کتاب القضاء-دار الکتاب دیوبند)۔

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر فریقین دونوں اس بات پر راضی ہوں کہ کوئی غیر مسلم

انکے درمیان فیصلہ کرے، تو بھی وہ غیر مسلم ان کے لئے شرعی حکم نہیں بنے گا، اور اس کا فیصلہ ماننا فریقین پر لازم نہ ہوگا۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

"ویکون تراضیهما علیه فی حقهما کتقلید السلطان إیاه وتقلید الذمی لیحکم بین أهل الذمة صحیح لابین المسلمین وکذلک التحکیم هندیة عن النهایة وفی البحر عن المحیط: فلو أسلم أحد الخصمین قبل الحکم لم ینفذ حکم الکافر علی المسلم" (شامی ۸/۱۱۲-باب التحکیم -دار الکتاب دیوبند)۔

(ان دو فریقوں کا اس کی تحکیم پر راضی ہونا ان دونوں کے حق میں ایسا ہی ہے جیسا کہ بادشاہ کا اسے حاکم بنانا، اور اہل ذمہ کے درمیان فیصلہ کے لئے ذمی کافر کو مقرر کرنا درست ہے، البتہ مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے ذمی کو مقرر کرنا درست نہیں ہے، یہی حکم پنچ بنانے کا بھی ہے۔ اور البحر الرائق میں محیط سے نقل کیا ہے کہ اگر فریقین میں سے کوئی ایک حکم کے فیصلہ سے پہلے مسلمان ہوجائے، تو کافر کا فیصلہ مسلمان کے خلاف نافذ نہ ہوگا)۔

اور آخری دور میں ہندوستان کے معتبر ترین علماء کی تصدیق و تائید سے مصیبت زدہ مسلم خواتین کے مسائل حل کرنے کے لئے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی نگرانی میں "الحیلۃ الناجزۃ" کے نام سے جو کتاب تحریر کی گئی، اس میں مسئلہ زیر بحث کے متعلق یہ پیراگراف خاص طور پر قابل توجہ ہے:

"ہندوستان کی جن ریاستوں میں قاضی شرعی موجود ہیں وہاں تو معاملہ سہل ہے اور گورنمنٹی علاقوں میں جہاں قاضی شرعی نہیں ان میں وہ حکام جج مجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے موافق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہوجاتا ہے، **"لما فی الدر المختار: ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافرا ذکره**

مسکین وغیرہ"، لیکن اگر کسی جگہ فیصلہ کنندہ حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے اس کے حکم سے فسخ وغیرہ ہرگز نہیں ہوسکتا، "لأن الكافر ليس بأهل القضاء على المسلم كما هو مصرح في جميع كتب الفقه" حتی کہ اگر روداد مقدمہ غیر مسلم مرتب کرے اور مسلمان حاکم فیصلہ کرے یا بالعکس تب بھی فیصلہ نافذ نہ ہوگا (الحیلۃ الناجزۃ ص/۴۵-مکتبہ رضی دیوبند)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ "یوں تو مسلمانوں کے تمام نزاعات کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان حاکم ان کو فیصل کرے "لأنه لا ولاية لكافر على مسلم" لیکن نزاعات کی ایک قسم تو ایسی ہے کہ ان کے لئے قاضی مسلم با اختیار کا ہونا اشد ضروری ہے (کفایت المفتی ج/۲/۲۴۶-کتاب القضاء والافتاء-زکریا بکڈپو)۔

غیر مسلم ممالک کی عدالتوں کا حکم:

اب یہاں قدرتی طور پر یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ کیا غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کو ملک کی سرکاری عدلیہ سے (جن میں جج غیر مسلم ہوتے ہیں) بالکل کنارہ کش ہوجانا چاہئے اور ان سے کسی طرح وابستگی نہ رکھنی چاہئے؟ تو اس سلسلے میں قدرے تفصیل مناسب معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر معاملہ اپنی حق تلفی یا مالی زیادتی کا ہو، تو اس کے تصفیہ کے لئے اولاً تو یہی کوشش کرنی چاہئے کہ کسی مسلمان کو فیصل بنا کر معاملہ حل کرلیا جائے اور فریقین اسے تسلیم کرلیں، لیکن اگر کوئی فریق زبردستی ظلم اور حق تلفی پر آمادہ ہو، تو مظلوم فریق اپنی دادرسی کے لئے سرکاری عدلیہ سے رجوع کرسکتا ہے، اس کے اس عمل کو ظلم کی تلافی کے لئے تعاون کی صورت میں دیکھا جائے گا اور یہ اسی وقت جائز ہوگا جبکہ مدعی کو اپنے دعویٰ کے برحق ہونے کا یقین ہو، گویا کہ ایسے معاملات میں جن میں اپنے حق حاصل کرنے کے لئے طاقت اور اقتدار کی ضرورت پڑتی ہے ان میں سرکاری عدلیہ اور انتظامیہ سے مدد لینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ مطالبہ برحق ہو۔

اس کے برخلاف جن احکامات کا تعلق مسلمانوں کے شخصی اور ذاتی معاملات سے ہے، مثلاً نکاح، طلاق، خلع، ایلاء، ظہار، وقف، وراثت وغیرہ۔ ان میں فیصلہ ہی قبول ہوسکتا ہے جو دو شرطوں سے مشروط ہو:

۱۔ شرعی اصول کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ ۲۔ فیصلہ کرنے والا مسلمان ہو۔

مذکورہ تفصیل کے بعد سوال نامہ میں ذکر کردہ صورتوں کا حکم شرعی تحریر کیا جاتا ہے:

۱- شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دے کہ میں اپنے رشتۂ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہوں، لہٰذا میرے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کردیا جائے، اور اس کے بعد غیر مسلم جج ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد فیصلۂ طلاق وفرقت کردے، تو شرعاً طلاق واقع ہوجائے گی، کیونکہ شوہر کو طلاق دینے کا شرعاً حق ہے، اس لئے یہ حق وہ خود بھی استعمال کرسکتا ہے اور اس حق کو استعمال کرنے کے لئے کسی دوسرے کو وکیل بھی بنا سکتا ہے، تو گویا کہ شوہر نے درخواست دیکر غیر مسلم جج کو وکیل بنایا کہ آپ میری طرف سے میری بیوی کو طلاق دے دیجئے۔

فتاوئ عالمگیری میں لکھا ہے:

"إذا قال لرجل: طلق امرأتي كان توكيلا ولم يقتصر على المجلس"

(ج/ ۱/ ۴۰۲- الفصل الثالث فی المعیۃ)۔

(یعنی جب مرد نے کسی کو کہا کہ میری عورت کو طلاق دیدو تو یہ طلاق دینے کے لئے وکیل ہوگا اور یہ مجلس پر منحصر نہیں رہے گا)۔

اور وکیل بنانے کی صورت میں وکیل کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے، مسلم اور غیر مسلم دونوں وکیل بن کر یہ کام کرسکتے ہیں، نیز وکیل بناتے وقت گواہوں کی بھی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا غیر مسلم جج کے طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجائے گی، اور یہاں شوہر کی درخواست کی حیثیت توکیل بالطلاق کی ہے اور چونکہ اس صورت میں طلاق کا واقع ہونا غیر مسلم جج کے وکیل بالطلاق

بن کر طلاق واقع کرنے سے ہے، نہ کہ غیر مسلم جج کے فیصلہ کے معتبر ہونے کی بنیاد پر، لہٰذا غیر مسلم جج کے فیصلہ کے معتبر ہونے یا نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔

۲- عورت غیر مسلم عدالت میں درخواست دے کہ میرا رشتۂ نکاح ختم کردیا جائے، عدالت شوہر کو بلا کر دستخط لے کہ جو فیصلہ ہوگا تم کو منظور کرنا ہوگا اور کارروائی کے بعد عدالت (غیر مسلم جج) علاحدگی کا فیصلہ کردے۔

اس صورت میں شوہر کے دستخط کی حیثیت اور اس فیصلہ سے شرعی طلاق ہونے نہ ہونے کے بارے میں تفصیل درج ذیل ہے:

(الف) اگر شوہر نے بغیر جبر واکراہ کے غیر مسلم عدالت و جج کو طلاق دینے کی کارروائی کرنے کی اجازت دینے یا طلاق پر رضامندی ظاہر کرنے کے لئے دستخط کیا ہے، تو غیر مسلم جج کے طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجائے گی۔ اس صورت میں شوہر کے دستخط کی حیثیت توکیل بالطلاق کی ہوگی۔

(ب) اور اگر شوہر اپنی بیوی کو طلاق دینا نہیں چاہتا ہے، لیکن اس نے یہ سوچ کر کہ چونکہ غیر مسلم عدالت کا فیصلۂ تفریق وطلاق معتبر نہیں ہے، اس لئے اس نے صرف عدالتی چکروں یا گرفت، اور جواب دہی سے جان چھڑانے کے لئے دستخط کردیا ہے، اس دستخط سے شوہر کا مقصد نہ تو غیر مسلم عدالت کو ایقاع طلاق کی کارروائی کرنے کی اجازت دینا ہے اور نہ ہی طلاق پر رضامندی کا اظہار ہے، تو شرعی تفریق اور طلاق واقع نہ ہوگی، اس صورت میں شوہر کے دستخط کی حیثیت توکیل بالطلاق کی نہ ہوگی، بلکہ اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ رضا بر قضاء کی ہوگی، اور چونکہ غیر مسلم عدالت و جج کا فیصلۂ تفریق وطلاق معتبر نہیں ہے، لہٰذا رضا بر قضاء بھی معتبر نہیں۔

(ج) اور اگر شوہر نے فیصلۂ عدالت منظور کرنے کے لئے بطور وعدہ دستخط کیا ہے، تو بھی تفریق شرعی اور طلاق واقع نہ ہوگی، اس صورت میں شوہر کے دستخط کی حیثیت وعدۂ قبول فیصلہ کی ہوگی۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

"امرأة قالت لزوجها: أتريدون أن أطلق نفسي، فقال: نعم، فقالت: طلقت نفسي إن كان الزوج تولي تفويض الطلاق إليها طلق واحدة وإن عنى بذلک طلقي نفسک إن استطعت لاتطلق، رجل قال لغيره: أتريد أن أطلق امرأتک ثلثا؟ فقال الزوج: نعم !فقال الرجل: طلقت امرأتک ثلثا، قالوا: تطلق ثلثا والصحيح إن هذا وما تقدم سواء إنما يقع الطلاق إذا أراد الرجل تفويض الطلاق إليه" (ج ۲/ ۲۵۲ فصل فی الطلاق الذی یکون من الوکیل)۔

(یعنی بیوی نے اپنے شوہر سے کہا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ میں اپنے آپ کو طلاق دے دوں، تو شوہر نے جواب دیا: ہاں! پس عورت نے اپنے آپ کو طلاق دے دی، اگر شوہر نے (اپنے قول نعم سے) تفویض طلاق کی نیت کی ہے تو ایک طلاق واقع ہوجائے گی، اور اگر اس سے شوہر کی مراد یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے تو دیدے، تو طلاق واقع نہ ہوگی، کسی مرد نے دوسرے سے کہا کہ کیا تو چاہتا ہے کہ میں تیری بیوی کو تین طلاق دے دوں؟ شوہر نے کہا: ہاں، تو مشائخ نے فرمایا کہ تین طلاق واقع ہوجائے گی، اور صحیح یہ ہے کہ یہ مسئلہ اور ماقبل والا مسئلہ برابر ہے، طلاق صرف اس وقت واقع ہوگی جبکہ شوہر نے تفویض طلاق کی نیت کی ہو)۔

حاصل یہ کہ دوسری صورت میں شوہر کے دستخط کی کئی حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت (توکیل بالطلاق) سے طلاق واقع ہوجاتی ہے اور دو حیثیتوں سے (رضا بر قضاء اور وعدۂ قبول فیصلہ) سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، لہٰذا اس صورت میں طلاق اسی وقت واقع ہوگی جبکہ شوہر نے "توکیل بالطلاق" کی نیت سے دستخط کیا ہو، بصورتِ دیگر طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ طلاق کے باب میں مشہور ضابطہ ہے کہ جب وقوع طلاق میں شک ہوجائے تو طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

"فلا تطلق بالشک والاحتمال" (ج/۲/۳۶۵-فصل فی اضافۃ الطلاق الی الزمان)
(یعنی شک اور احتمال کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے)۔

۳- عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں نہیں آیا یا آیا تو اگر دستخط وتفویض پر تیار نہیں ہوا اور عدالت نے حالات کا جائزہ لیکر تفریق کا فیصلہ کر دیا، تو اس سے شرعاً تفریق وطلاق واقع نہ ہوگی، حسب سابق نکاح باقی رہے گا، کیونکہ عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار شریعت نے نہیں دیا ہے، لہٰذا اس کام کے لئے اس کا کسی کو وکیل بنانا یا غیر اسلامی قانون کا سہارا لینا درست نہیں، عورت کو چاہئے کہ شرعی تفریق کے لئے شرعی کونسل یا پنچایت سے رجوع کرے۔

۴- جج اگر غیر مسلم عدالت وحکومت کا ہے، مگر مسلمان ہے وہ اپنے عمومی فرائض منصبی (جس میں معاملات مخصوصہ اہل اسلام بھی داخل ہوں) کے تحت شرعی اصول کے مطابق اس قسم (فیصلۂ طلاق وتفریق) کا کام بھی کرتا ہے، تو ضرورۃً غیر مسلم عدالت کا مسلم جج قائم مقام قاضی شرعی کے ہوسکتا ہے اور اس کے فیصلۂ فرقت کا اعتبار کیا جاسکتا ہے (کذا فی کفایت المفتی ج/۲/۳۴۹-کتاب القضاء والافتاء)۔

۵- جن احکامات کا تعلق مسلمانوں کے شخصی اور ذاتی معاملات سے ہے، مثلاً نکاح، طلاق، خلع، ایلاء، ظہار، وقف، وراثت وغیرہ۔ ان میں غیر مسلم جج کا فیصلہ بالکل معتبر نہیں، ان میں فیصلہ وہی قبول ہوسکتا ہے جو دو شرطوں سے مشروط ہو:

۱۔ شرعی اصول کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔

۲۔ فیصلہ کرنے والا مسلمان ہو۔

اسی طرح غیر مسلم جج کا مسلمان کے خلاف کسی بھی معاملے میں کوئی فیصلہ معتبر نہیں، کیونکہ جو شہادت کا اہل ہوتا ہے وہ قضاء کا اہل ہوتا ہے اور غیر مسلم مسلمان کے خلاف شہادت دینے کا اہل نہیں ہے، لہٰذا وہ مسلمان کے خلاف فیصلہ کرنے کا بھی اہل نہیں ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

”كل من كان أهلاً للشهادة يكون أهلاً للقضاء وما يشترط لأهلية الشهادة يشترط لأهلية القضاء“(الہدایہ ۳/۱۳۲-کتاب القضاء)۔

(یعنی جو شہادت کا اہل ہوتا ہے وہ قضاء کا اہل ہوتا ہے اور جو چیز شہادت کی اہلیت کے لئے شرط ہیں وہ چیزیں قضاء کی اہلیت کے لئے بھی شرط ہیں)۔

البتہ جن احکامات کا تعلق مسلمانوں کے شخصی اور ذاتی معاملات سے نہیں ہے اور معاملہ اپنی حق تلفی یا زیادتی کا ہو اور کوئی فریق زبردستی ظلم و زیادتی پر آمادہ ہو، تو مظلوم فریق اپنی دادرسی کے لئے غیر مسلم جج وعدلیہ سے رجوع کرسکتا ہے، اس کے اس عمل کو ظلم کی تلافی کے لئے تعاون کی صورت میں دیکھا جائے گا (نہ کہ غیر مسلم جج کے فیصلہ کے معتبر ہونے کی صورت میں) گویا کہ ایسے معاملات جن میں اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے طاقت اور اقتدار کی ضرورت پڑتی ہے ان میں غیر مسلم جج وعدلیہ سے مدد لینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ مطالبہ برحق ہو۔

خلاصۂ بحث:

تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ غیر مسلم جج کا کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ مسلمان کے خلاف شرعاً معتبر نہیں ہے، اسی طرح جن احکامات کا تعلق مسلمانوں کے شخصی اور ذاتی معاملات سے ہے، ان میں بھی غیر مسلم جج کا فیصلہ بالکل معتبر نہیں ہے، اگر وہ اسلامی حکومت میں مسلمان حاکم کی طرف سے فیصلہ کے لئے مقرر کیا گیا ہو اور اگر جج غیر مسلم عدالت کا ہے، مگر مسلمان ہے وہ اپنے خصوصی فرائض منصبی (معاملات مخصوصۂ اصول اسلام) یا عمومی فرائض منصبی (جس میں معاملات مخصوصۂ اہل اسلام بھی داخل ہوں) کے تحت شرعی اصول کے مطابق اس قسم (فیصلۂ طلاق وتفریق وغیرہ) کا کام کرتا ہے، تو ضرورۃً غیر مسلم عدالت کا مسلم جج قائم مقام قاضی شرعی کے ہوسکتا ہے اور اس کے فیصلہ تفرقت وغیرہ کا اعتبار کیا جاسکتا ہے۔

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا عبدالحیٔ مفتاحی

۱- شوہر کا اپنے رشتہ ازدواج کو ختم کرنے کے لئے غیر مسلم عدالت میں درخواست دینا یہ توکیل ہے یعنی شوہر کا غیر مسلم جج کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کا وکیل بنانا ہے، ہدایہ کے محشی نے وکالت کی تعریف یوں کی ہے:

"وفي اصطلاح الفقهاء عبارة عن إقامة الانسان غيره مقام نفسه في تصرف معلوم" (ہدایہ آخرین ص ۱۸۵ کتاب الوکالۃ)۔

یعنی متعین تصرف میں انسان کا دوسرے کو اپنا قائم مقام بنانا۔ شوہر اپنی بیوی کو طلاق دینے کا مالک ہوتا ہے وہ اس تصرف میں دوسرے کو اپنا قائم مقام بنا سکتا ہے، جیسا کہ ہدایہ آخرین (ص ۱۸۵ کتاب الوکالۃ) کے شروع میں ہے: **"عقد جاز أن يعقده الانسان بنفسه جاز أن يوكل به غيره، لأن الإنسان قد يعجز عن المباشرة بنفسه على اعتبار بعض الأحوال فيحتاج إلى أن يوكل غيره فيكون بسبيل منه دفعا للحاجة"**۔

اور صحت وکالت کے لئے چار شرطیں ہیں دو کا موکل میں ہونا ضروری ہے: (۱) موکل کا تصرف کا مالک ہونا (۲) احکام کا اسکو لازم ہونا، اور دو کا وکیل میں ہونا ضروری ہے، (۱) عاقل ہونا (۲) عقد کا قصد و ارادہ کرنا۔ شرائط صحت وکالت کے ملاحظہ کرنے سے یہ امر منکشف ہوجاتا

ہے کہ وکالت کے صحیح ہونے کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے، لہذا غیر مسلم عدالت کو وکیل بنانا صحیح ہے اور اس کے طلاق وفرقت کا فیصلہ وکالۃ ہوا، اس لئے طلاق وفرقت واقع ہوجائے گی، یہ صورت تحکیم کی نہیں ہے کہ غیر مسلم جج کے فیصلہ کا اعتبار کرنا لازم آتا ہو، اس لئے کی تحکیم میں ضروری ہے کہ فریقین نے کسی کو حکم مقرر کیا ہو اور اس کے فیصلہ پر راضی بھی ہوں جیسا کہ ہدایہ آخرین (ص ۱۵۱ باب التحکیم) کے شروع میں ہے: "إذا حكم رجلان رجلا فحكم بينهما و رضيا بحكمه جاز" دوسرے اس وجہ سے بھی تحکیم کی صورت نہیں ہوسکتی ہے کہ وہ غیر مسلم ہے اور غیر مسلم کو حکم بنانا صحیح نہیں ہے کیونکہ حکم قاضی کی طرح ہوتا ہے اور غیر مسلم حکم نہیں ہوسکتا ہے جیسا کہ ''ردالمحتار'' (۴/۳۸٦ مکتبہ رشیدیہ) میں ہے: قوله :"كما مرأى في الباب السابق في قوله والحكم كالقاضي" اس لئے عدالت کا طلاق کا فیصلہ کرنا بطور تحکیم نہیں ہے، خلاصہ یہ ہے کہ شوہر کا غیر مسلم عدالت میں رشتہ ازدواج کے انقطاع کے لئے درخواست دینا توکیل ہے اور عدالت کا طلاق وفرقت کا فیصلہ کرنا وکالت ہے، اس لئے اس سے طلاق وفرقت واقع ہوجائے گی۔

۲- اس صورت میں عدالت کے غیر مسلم جج کا فیصلہ تفریق معتبر نہیں ہے گلوخلاصی کے لئے عورت کو شوہر سے طلاق یا خلع کرنا ہوگا، کیونکہ غیر مسلم جج کا فیصلہ مسلمانوں کے ایسے معاملات میں معتبر نہیں ہے جن میں قضاء قاضی شرط ہے یا ان کا تعلق خالصا دیانات سے ہو جیسا کہ فقہ کی تمام کتابوں میں اس کی تصریح ہے کہ کافر مسلمان پر فیصلہ کرنے کا اہل نہیں ہے عبارت ملاحظہ ہو:

"لأن الكافر ليس بأهل للقضاء على المسلم كما هو مصرح في جميع كتب الفقه" (الحیلۃ الناجزۃ ص ۴۵)۔

اور شوہر کے دستخط سے بس اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ شوہر عدالت کے فیصلہ کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہے اور اپنے معاملہ کے تصفیہ کے لئے غیر مسلم جج کو حکم بنانے کو تیار ہے، مگر شرعا یہ

تحکیم صحیح نہیں ہے، اس لئے مسلمان اپنے خصوصی معاملات میں فیصلہ کرنے کے لئے غیر مسلم کو حکم نہیں بنا سکتے جیسا کہ ہدایہ آخرین (ص ۱۵۱ باب التحکیم) میں ہے:

"ولا یجوز تحکیم الکافر والعبد والذمی والمحدود فی القذف والفاسق والصبی لانعدام أهلیة القضاء اعتبارا بأهلیة الشهادة"۔

اسی طرح درمختار (۴/ ۳۸۶) میں ہے: "وشرطه من جهة الحکم بالفتح صلاحیته للقضاء"، یعنی حکم وہی شخص بن سکتا ہے جس میں قاضی بننے کی صلاحیت ہو اور قضاء کا اہل وہ شخص ہے جو شہادت کا اہل ہو جیسا کہ درمختار (۴/ ۳۳۲) میں ہے: "وأهله الشهادة" اور شہادت کے اہل کے لئے جو شرطیں مذکور ہیں ان میں سے ایک اسلام ہے جیسا کہ رد المحتار (۴/ ۳۳۲) میں ہے: "وحاصله أن شروط الشهادة من الاسلام والعقل والبلوغ الخ"

خلاصہ یہ ہے کہ غیر مسلم عدالت غیر مسلم جج قاضی یا حکم کا درجہ نہیں رکھتا ہے، اس لئے اس کے فیصلہ کا شرعاً اعتبار نہیں۔

۳- اللہ تعالیٰ نے کفار کو مسلمانوں پر ولایت کا حق نہیں دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ولن یجعل الله للکافرین علی المؤمنین سبیلا"

اس لئے عدالت کا یہ فیصلہ تفریق معتبر نہ ہوگا نکاح علی حالہ باقی رہے گا، بلا شوہر کے طلاق کے عورت کی گلوخلاصی نہیں ہوگی فقہ کی تمام کتابوں میں اس بات کی تصریح ہے:

"لأن الکافر لیس بأهل للقضاء علی المسلم" (الحیلۃ الناجزۃ ص ۱۴۵)۔

۴- غیر مسلم حکومت اور غیر مسلم عدالت کا مسلمان جج جبکہ اس کو مسلمانوں کے نکاح وطلاق کے مسائل میں فیصلہ کرنے کا اختیار ہو تو اسے مسلم حاکم و قاضی کی حیثیت دی جاسکتی ہے اور اس کے فیصلے کا مسئلہ قضاء میں اعتبار ہے جیسا کہ درمختار (۴/ ۳۴۲ مکتبہ رشیدیہ) میں ہے:

"ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولوکافرا ذکره

مسكين وغيره الا اذا كان يمنعه عن القضاء بالحق فيحرم"۔

اسی طرح فتاوی ہندیہ میں ہے: "ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولكن إنما يجوز تقلد القضاء من السلطان الجائر إذا كان يمكنه من القضاء بحق ولا يخوض في قضاياه بشر ولاينهاه عن تنفيذ بعض الأحكام كما ينبغي أما إذا كان لايمكنه من القضاء بحق ويخوض في قضاياه بشر ولايمكنه من تنفيذ بعض الأحكام كما ينبغي لايتقلد منه وذكر في الملتقط: والإسلام ليس بشرط فيه اى في السلطان الذى يقلد كذا في التاتار خانيه" (فتاوی ہندیہ ج ۳/ ۳۰۷، مکتبہ رشیدیہ)۔

کفایت المفتی میں مذکور ایک سوال و جواب سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

سوال: فی زمانناہندوستان میں شرعی قاضی کہیں بھی موجود نہیں تو رفع نزاع کے لئے شرعی فیصلہ کی کیا صورت ہوگی فریقین کسی کو حکم مقرر کرکے یا پنچایت سے آکر فیصلہ حاصل کریں تو معتبر ہوگا یا نہیں؟

جواب: حکم اور ثالث اس مقدمہ کا فیصلہ کرسکتا ہے اور عدالت کا مسلمان جج بھی قاضی کے حکم میں ہوسکتا ہے (کفایت المفتی ۲/ ۲۱۴)۔

اسی طرح فتاوی دار العلوم میں ہے:

سوال: حاکم جو گورنمنٹ کی طرف سے ہے اگر وہ مسلمان ہو تو قائم مقام قاضی کے ہوسکتا ہے یا نہیں، نکاح فسخ کرسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: حاکم جو گورنمنٹ کی طرف سے مقرر ہے اگر وہ مسلمان ہے تو قائم مقام قاضی کے ہوجاتا ہے (فتاوی دار العلوم ۸/ ۱۴۸)۔ اگر جج یا حاکم مسلمان نہ ہو تو اس کا فیصلہ قضاء قاضی کے قائم مقام نہ ہوگا: "لأن الكافر ليس بأهل للقضاء على المسلم كما هو مصرح في جميع كتب الفقه" (الحیلۃ الناجزۃ ۴۵)۔

۵- یوں تو مسلمانوں کے تمام نزاعات کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان حاکم ان کا فیصلہ کرے **"لأنه لاولاية لكافر على مسلم"** لیکن نزاعات کی ایک قسم ایسی ہے کہ اس میں قضاء قاضی شرط ہے، اس میں قاضی مسلم با اختیار کا ہونا اشد ضروری ہے، ایسا قاضی نہ ہونے کی وجہ سے بہت سی اسلامی ضرورتیں معطل ہی نہیں بلکہ مسلمان سخت مواخذہ شرعیہ میں مبتلا ہوتے ہیں (مستفاد کفایت المفتی ۲/ ۲۲۰) اس قسم میں غیر مسلم عدالتیں اور حکام فیصلہ نہیں کر سکتے اگر کریں تو شرعاً معتبر نہیں ہوگا۔

"لأن الكافر ليس بأهل للقضاء على المسلم كما هو مصرح في جميع كتب الفقه" (الحیلۃ الناجزۃ ص ۴۵۹)۔

وہ معاملات جن میں قضاء قاضی ضروری ہے، ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ بسا اوقات کسی عورت کا شوہر مفقود ہو جاتا ہے اور عورت بھی نو عمر اور محتاج ہوتی ہے، متاخرین حنفیہ کے فتوی کے بموجب اس کے لیے گنجائش ہے کہ وہ اپنی طبعی و مالی مشکلات سے گلوخلاصی کے لئے کوئی راستہ اختیار کرے، لیکن اس کی تکمیل بغیر مسلم قاضی کے فیصلے اور حکم کے نہیں ہو سکتی۔ ہزاروں عورتیں اس مصیبت میں مبتلا ہیں اور موجودہ حکومت کا قانون ان کی مصیبت رفع کرنے کے لئے ناکافی ہے اور مسلم قاضی کا نہ ہونا ان تمام مصائب کا ذمہ دار ہے، اسی طرح ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شریف اپنی بیوی کو بدچلنی میں مبتلا پائے تو اس کی سبیل بھی لعان ہے جس کے لئے مسلم قاضی ضروری ہے۔

اسی طرح وہ معاملات جو خالصۃ دیانات کی قبیل سے ہوں، مثلاً رمضان شریف کا چاند دیکھنے، عید کا چاند دیکھنے کی شہادت قبول کرنا اور صوم یا فطر کا حکم دینا مسلم قاضی کا کام ہے جس کے نہ ہونے سے بہت سے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں (مستفاد کفایت المفتی ۲۲۱/۲) اور وہ معاملات جو مذکورہ بالا کے علاوہ ہوں مثلاً دیوان و بیاعات وغیرہ ان میں غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر ہے۔

غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق اسلامی تناظر میں

مولانا محمد مصطفی قاسمی آواپوری☆

۱- شریعت اسلامیہ نے رشتۂ نکاح کو ختم کرنے کا حق شوہر کو دیا ہے، شوہر کے ماسوا کسی کو یہ حق شوہر کی طرف سے اس کی نیابت میں ہی حاصل ہوتا ہے، یہ نیابت وکیل کو بھی ہوتی ہے، اور کبھی حاکم وحکم کو بھی حاصل ہوتی ہے اور اس صورت میں وکیل یا حاکم وحکم کی طرف سے رشتۂ نکاح کو ختم کیا جاتا ہے۔

حاکم اگر مسلمان ہے خواہ قاضی شرعی ہو یا امیر ہو تو اس کے فیصلے کا شرعاً اعتبار متفق علیہ ہے، اس لئے شریعت نے اس کو عامۃ المسلمین کے مفادات کے حق میں ولایت عامہ دی ہے، اس کی وجہ سے اس قسم کے فیصلے بھی نافذ ہوتے ہیں، لیکن برطانیہ کا رہنے والا شوہر جو غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتا ہے کہ میں اپنے رشتۂ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہوں، لہٰذا میرے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کردیا جائے، اور اس کے بعد عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد طلاق وفرقت کا فیصلہ کردیتی ہے، اس صورت کی شریعت اسلامیہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے اور نہ اس درخواست کو تفویض وتحکیم کا درجہ دیا جاسکتا ہے، اور نہ اس کے حاکم ہونے کی بنیاد پر غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر مانا جائے گا (اس کی مالہ وماعلیہ کی تفصیلی معلومات کے لئے دیکھئے "الموسوعۃ الفقہیہ ۲۹/ ۷۷ وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیہ الکویت، طبع اول ۱۴۱۴ھ - ۱۹۹۳ء سورۃ الطلاق: ۱، ابن ماجہ ۱/ ۵۱ - ۱۵۲، ترمذی ۱/ ۱۴۳، نسائی ۲/ ۱۱۶-۱۱۸)۔

☆ مدرسہ اسلامیہ شکرپور، دربھنگہ۔

(۱) ارشاد باری ہے: "لایتخذ المومنون الکفرین أولیاء من دون المؤمنین ج ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شئ إلا أن تتقوا منهم تقٰة ط ویحذرکم اللہ نفسه ■ وإلی اللہ المصیر" (سورہ آل عمران ۲۸)۔

(نہ بناویں مسلمان کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر اور جو کوئی یہ کام کرے تو نہیں اس کو اللہ سے کوئی تعلق مگر اس حالت میں کہ کرنا چاہو تم ان سے بچاؤ اور اللہ تم کو ڈراتا ہے اپنے سے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے)۔

(۲) ارشاد ربانی ہے: "ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا" (سورۃ النساء: ۱۴۱)۔

(اور ہرگز نہ دے گا اللہ کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ) (اس کی تفصیل دیکھئے معارف القرآن ۲/ ۵۸۰ تا ۱۸۷ فرید بک ڈپو دہلی ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۸ء)۔

(۳) "شوہر ہی کو طلاق دینے کا اختیار کلی ہے قرآن مجید کی روشنی میں: "یاأیها النبی إذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن واحصوا العدة واتقوا اللہ ربکم ■" (سورۃ الطلاق: ۱)۔

(اے نبی جب تم طلاق دو عورتوں کو تو ان کو طلاق دو ان کی عدت پر اور گنتے رہو عدت کو اور ڈرو اللہ سے جو رب ہے تمہارا)۔

اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ غیر مسلم جج کو عدالت کے ذریعہ طلاق دینے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اسلامی شریعت نے مرد وعورت دونوں کو اس طرح کے معاملات کو حل کرنے کے لئے اختیار دیا ہے کہ وہ اسلامی حکومت کے قاضی کے یہاں درخواست دے اور جہاں یہ صورت موجود نہ ہو وہاں وہ چند ذمہ دار اور دین دار مسلمانوں یعنی کسی اسلامی جماعت یا شرعی پنچایت کے سامنے اپنا معاملہ پیش کر کے رہائی حاصل کرے (اس کی مکمل تفصیل کے لئے دیکھئے معارف القرآن ۸/ ۴۷۲ تا ۴۹۲، اسلامی فقہ ۲/ ۲۳۳ تا ۲۳۴، تاج کمپنی دہلی ۲۰۰۴ء)۔

(۴) ''شوہر ہی کوطلاق دینے کا اختیار کلی ہے، حدیث شریف کی روشنی میں: ''**عن ابن عباس قال أتى النبي ﷺ رجل فقال: يا رسول الله! سيدي زوجني امته وهو يريد أن يفرق بيني وبينها، قال: فصعد رسول الله ﷺ على المنبر فقال: يا أيها الناس! مابال أحدكم يزوج عبده أمته ثم يريد أن يفرق بينهما إنما الطلاق لمن أخذ بالساق''** (ابن ماجہ ۱/۱۵۱ تا ۱۵۲، ابواب الطلاق، باب طلاق العبد، ترمذی ۱/ ۱۴۳ ابواب الطلاق واللعان)۔

(حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں آیا پھر اس نے اپنی دردبھری کہانی سنائی کہ یا رسول اللہ میرے آقا نے میری شادی اپنی باندی کے ہمراہ کردی ہے، اور اب وہ یہ چاہتا ہے کہ میرے اور اس کے درمیان جدائی کردے، ابن عباسؓ کہتے ہیں پھر اس موقع پر رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے پھر ارشاد فرمایا: اے لوگو! تم لوگوں میں سے ایک شخص کا کیا حال اور ماجرا ہے کہ وہ اپنی باندی کی شادی اپنے غلام سے کردی ہے، پھر اب یہ چاہتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان جدائی کردے۔ درحقیقت جو جماع کرنے کا مالک ہے، وہی شخص طلاق دینے کا بھی مالک ہے)۔

اس سے یہ بات الم نشرح ہوگئی کہ طلاق دینے کا اختیار فقط شوہر کو ہے، جب شوہر نے طلاق دے دی تو پڑ گئی عورت کا اس میں کچھ بھی نہیں، چاہے منظور کرے چاہے نہ کرے، ہر طرح اور ہر حال میں طلاق ہوگئی اور عورت اپنے شوہر کو طلاق نہیں دے سکتی ہے تو پھر غیر مسلم جج کے عدالتی فیصلے اور طلاق سے کس بنیاد پر طلاق واقع ہوگی؟

(۵) ''**عن سليمان بن يسار قال: الطلاق بالرجال، والعدة بالنساء**''
(مصنف ابن ابی شیبۃ ۹/ ۶۱۳ -۱۸۵۵۸ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی، طبع دوم ۱۴۲۸ھ-۲۰۰۷ء)۔

(حضرت سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ طلاق دینے کا حق مردوں کو حاصل ہے، اور عدت گزارنے کا حق عورتوں کو حاصل ہے)۔

(۶) مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

سوال: حکومت موجودہ میں حاکم وقت اگر کسی عورت کو آزادی کی درخواست دینے پر بے غیر رضامندی شوہر حکم آزادی دے دے تو وہ عقد ثانی کرسکتی ہے یا نہیں؟

جواب: اگر غیر مسلم حاکم نکاح فسخ کردے تو عورت آزاد نہ ہوگی اور دوسرا نکاح نہ کرسکے گی (کفایت المفتی ۱۳۵/۶، طبع ۱۴۰۵ھ-۱۹۸۴ء)۔

(۷) مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ (۱۳۲۱ھ-۱۹۰۳ تا ۱۴۲۲ھ-۲۰۰۱ء) ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

سوال: بمبئی میں ایک لڑکی کی شادی ہوئی پانچ برس ہوئے لڑکا افریقہ میں ہے، فی الحال لڑکی کی عمر بیس برس کی ہے، شادی کے بعد لڑکے نے اس کو نہیں بلایا، نہ نفقہ وغیرہ بھیجتا ہے، خطوط لکھے جواب ندارد، طلاق کا مطالبہ کیا تب بھی جواب نہیں دیا۔ بالآخر ممبئی کورٹ میں مقدمہ دائر کرکے طلاق حاصل کی، کیا یہ طلاق واقع ہوئی؟ ورنہ حصول طلاق کی کیا صورت ہو؟

اب تک کے نفقہ و مہر کی حق دار ہے؟ اگر ہے تو کیا بہ ذریعہ دیوانی اس کی وصول یابی درست ہے؟

جواب: صورت مسئولہ میں غیر مسلم مجسٹریٹ "جج" کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں ہے، لہٰذا لڑکی نکاح نہیں کرسکتی اور اگر کرے تو وہ غیر معتبر ہے۔ لہٰذا اس مقدمہ کو مسلم جماعت یعنی دین دار مسلم پنچایت کے سامنے پیش کیا جائے جس میں ماہر عالم بھی ہو۔ یہ پنچایت شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ تحقیق کرکے فسخ نکاح کا فیصلہ کرے، اب عورت شرعی نقطۂ نظر کے بموجب آزاد ہوگی۔ عورت مہر کی حق دار ہے، لیکن ایام گزشتہ کے نفقہ کی حق دار نہیں (فتاویٰ رحیمیہ ۱۴۳/۲، مکتبہ رحیمیہ اندوسر، سورت، گجرات، انڈیا ۱۴۰۳ھ)۔

۲- اگر عدالت میں جج نے زبردستی طلاق شوہر سے لکھوائی تحریری طور پر، یا زبردستی طلاق

نامہ پر انگوٹھے کا نشان لگوالیا، چاہے جج مسلم ہو یا غیر مسلم ہر حال میں اس طرح سے طلاق واقع نہ ہوگی، کیوں کہ شوہر نے زبان سے طلاق نہیں دی اور نہ اپنی مرضی سے انگوٹھے کا نشان لگایا تحریری طلاق اس وقت پڑتی ہے جب شوہر اپنی مرضی سے طلاق لکھ کر بیوی کو دے دے، یا اپنی مرضی سے طلاق نامہ پر انگوٹھے کا نشان لگادے تب جا کر طلاق پڑتی ہے غیر مسلم جج کے عدالتی طلاق سے طلاق واقع نہ ہوگی، شرعاً عدالت کا فیصلہ اور طلاق غیر معتبر ہے۔ برطانیہ کی عورت کی طرف سے عدالت میں جو درخواست آئی ہے کہ میرا رشتۂ نکاح ختم کر دیا جائے، عدالت شوہر کو بلا کر اس سے دستخط لیتی ہے کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور کرنا ہوگا، اور کارروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ کیا جاتا ہے، اس صورت کی بھی شریعت اسلامیہ میں کوئی حیثیت نہیں ہے اور شوہر کے دستخط کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے، گویا کہ یہ ایک قسم کا ظلم وستم اور جبری طلاق ہوئی تم مانو یا نہ مانو، عدالت کارروائی کے بعد جو فیصلہ کرے گی وہی معتبر ہوگا۔ حال ایں کہ غیر مسلم جج کا فیصلہ شرعی نقطۂ نظر سے معتبر نہیں ہے، لہٰذا برطانیہ کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنے یہاں دارالقضاء قائم کریں اور اس کے مطابق شرعی فیصلے کریں، نظام قضاء کی اہمیت کا سب سے نازک پہلو یہ ہے کہ غیر مسلم جج کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں معتبر نہیں ہے۔ اس طرح جو عورتیں سرکاری عدالتوں سے اپنا نکاح فسخ کرالیں تو چاہے وہ بجائے خود اسلامی قانون کے مطابق ہی کیوں نہ ہو یہ فیصلے غیر معتبر ہیں۔ وہ عورت اپنے پہلے شوہر کی زوجیت میں باقی رہتی ہے اور یہ نکاح نادرست ہوتا ہے، نیز اس کے بعد تعلقات معصیت قرار پاتے ہیں۔ ایسی خواتین کے لئے اسلامی اور شرعی زندگی کا واحد نظام قضاء کا قیام ہے۔ اس طرح انگلستان میں نظام قضاء کے بعد ''مسلم پرسنل لا'' کا نفاذ مکمل اسلامی طریقے پر ہوتا رہے گا (سورۃ النساء: ۵۸، ۵۹- اس مسئلہ کی مکمل تفصیل دیکھئے معارف القرآن ۲/ ۴۴۴ تا ۴۵۳ فرید بک ڈپو دہلی ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۸ء)۔

مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کا موقف:

سوال ۲۷۸: طلاق جبرا شوہر سے لی جاوے تو واقع ہوتی ہے یا نہیں، اور زبان سے اقرار کی ضرورت ہے یا نہیں، یا صرف نقل کردینا طلاق نامہ کا جو دوسرے کا لکھا ہوا ہے، وقوع طلاق کے لئے کافی ہے یا نہیں؟

جواب: شوہر سے جبرا طلاق اگر دلوائی جائے تو طلاق ہوجاتی ہے، لیکن نقل کردینا طلاق نامہ کا جو دوسرے شخص کا لکھا ہوا ہے۔ محض لوگوں کی زبردستی سے بدون ارادہ طلاق مفید طلاق نہیں اور اس سے طلاق نہیں پڑتی (فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل ۲۷۶/۹-مزید یہ دیکھئے فتاوی محمودیہ ۳۲۲/۴، زکریا بک ڈپو دیوبند ۱۹۹۸ء)۔

اگر کوئی طلاق زبان سے کہلائے تو طلاق پڑ جائے گی، لیکن اگر زبردستی تحریر میں لکھا لے اور وہ زبان سے کچھ نہ کہے تو طلاق واقع نہ ہوگی (اسلامی فقہ ۱۸۳/۲، تاج کمپنی دہلی طبع ششم ۲۰۰۴ء)۔

جبری طلاق کے سوال کے جواب میں مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی علیہ الرحمہ یوں تحریر فرماتے ہیں:

جواب ۵۴: اگر تحریر مذکور جبراً لکھوائی گئی ہے اور زبان سے طلاق نہیں دی گئی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ تحریری طلاق اس وقت پڑتی ہے کہ خاوند اپنی مرضی سے تحریر لکھ کردے (کفایت المفتی ۵۶/۶)۔

”**عن ابراهيم قال: إذا كتب الطلاق بيده، وجب عليه**“ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۵۶۲/۹، ۱۸۳۰۰)۔

(حضرت ابراہیم سے روایت ہے کہ اگر کوئی شخص شوہر کے پیشانی پر تلوار رکھ کر طلاق کا مطالبہ کیا پھر اس نے طلاق دے دی تو وہ طلاق واقع ہوجائے گی)۔

۳- لیکن بعض اوقات ایسی صورتیں بھی پیش آتی ہیں، کہ اصلاح حال کی تمام کوششیں ناکام ہوجاتی ہیں، اور تعلق نکاح کے مطلوبہ ثمرات حاصل ہونے کے بجائے طرفین کا آپس میں

مل کر رہنا ایک عذاب بن جاتا ہے، ایسی حالت میں اس ازدواجی تعلق کا ختم کر دینا ہی طرفین کے لئے راحت اور سلامتی کی راہ ہوجاتی ہے، اس لئے شریعت اسلام نے بعض دوسرے مذاہب کی طرح یہ بھی نہیں کہا کہ رشتۂ نکاح وازدواج ہر حال میں ناقابل فسخ ہی رہے، بلکہ طلاق اور فسخ نکاح کا قانون بنایا، طلاق کا اختیار تو صرف مرد کو دیا، جس میں عادۃً فکر وتدبر اور تحمل کا مادہ عورت سے زائد ہوتا ہے، عورت کے ہاتھ میں اختیار نہیں دیا، تاکہ وقتی تاثرات سے مغلوب ہوجانا جو عورت میں بہ نسبت مرد کے زیادہ ہے وہ طلاق کا سبب نہ بن جائے۔

لیکن عورت کو بھی بالکل اس حق سے محروم نہیں رکھا کہ وہ شوہر کے ظلم وستم سہنے ہی پر مجبور ہوجائے، اس کو یہ حق دیا کہ حاکم شرعی کی عدالت میں اپنا معاملہ پیش کر کے اور شکایات کا ثبوت دے کر نکاح فسخ کرا سکے یا طلاق حاصل کر سکے، پھر مرد کو طلاق کا آزادانہ اختیار تو دے دیا، مگر اول تو کہہ دیا کہ اس اختیار کا استعمال کرنا اللہ کے نزدیک بہت مبغوض ومکروہ ہے، صرف مجبوری کی حالت میں اجازت ہے (معارف القرآن ۱/۵۵۶ تا ۵۵۷ مکمل تفصیل کے لئے دیکھئے ۵۵۳ تا ۵۷۸۔ فرید بک ڈپو دہلی ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۸ء)۔

صورت مسئولہ میں عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں نہیں آیا، یا آیا تو مگر دستخط وتفویض پر تیار نہیں ہوا اور عدالت نے حالات کا جائزہ لے کر تفریق کا فیصلہ کر دیا جب کہ اس صورت میں جو فیصلہ ہوا ہے، اس کی بابت شوہر کی طرف سے کوئی آمادگی نہیں ہے تو اس کا حکم وہی ہے جو پہلی صورت اور دوسری صورت کی ہے کہ غیر مسلم عدالت کے غیر مسلم جج کا فیصلہ اسلامی تناظر کی روشنی میں غیر معتبر ہے اور غیر نافذ العمل ہے، اس کے باوجود بھی اگر کوئی اس فیصلے پر عمل کرے گا تو وہ شخص اسلامی تناظر کی روشنی میں عند اللہ وعند الرسول مجرم، خاطی اور عاصی ہوگا۔ لہٰذا برطانیہ کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنی شرعی پنچایت بنالیں جس میں دین دار لوگوں کو شامل کریں اور اس میں ایک ماہر ذی استعداد دیندار عالم کو قاضی بنادیں پھر اس شرعی پنچایت میں فسخ

نکاح کا معاملہ پیش کریں، شرعی پنچایت کے ارکان عدالت جیسی کاروائی کرکے نکاح کے فسخ کا فیصلہ کریں اس کے بعد عورت عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی علیہ الرحمہ، مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں:

سوال ۷۵۴: کیا ایسی صورت میں بلا رضامندی شوہر جیل خانہ بھگت لینے پر بھی بعد رہائی عورت کو حاکم شرعی مثل قاضی طلاق دے سکتا ہے اور تفریق کرسکتا ہے یا سوائے شوہر کے اور کوئی طلاق نہیں دے سکتا ہے۔

الجواب: صرف شوہر ہی طلاق دے سکتا ہے۔ قاضی و حاکم تفریق نہیں کراسکتا اور طلاق نہیں دے سکتا (فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل ۱۰/ ۱۲۰)۔

۴- اسلامی تناظر میں مسلمانوں پر غیر مسلم قاضی نہیں ہوسکتا۔ قرآن وحدیث میں اس کی ممانعت منصوص ہے، اجماع امت اور قیاس سے بھی اس کی ممانعت ثابت ہے۔ فقہاء اس سلسلے میں وضاحت وصراحت کے ساتھ مسائل و احکام تحریر فرما چکے ہیں (موسوعۃ الفقہیہ ۱۴/ ۷۴-الکویت، طبع دوم ۱۴۱۸ھ-۱۹۸۸ء، الموسوعۃ الفقہیۃ ۳۳/ ۲۹۵)۔

لہٰذا غیر مسلم کا قاضی و جج بنانا مذہب اسلامی میں ناجائز ہے، اس لئے اس کا کوئی فیصلہ مسلمانوں پر نافذ العمل نہیں ہوسکتا ہے۔

اگر غیر مسلم ممالک کے حکمراں اپنے ملک کی عدالت میں مسلمان قاضی کو عہدہ قضاء پر مامور کردے تاکہ یہاں کے مسلم قوم کا مسلم پرسنل لا کے ماتحت فیصلہ کرے۔ تو اس قاضی کو مسلمانوں پر ولایت حاصل ہوجائے گی اور اس کا فیصلہ مسلمانوں پر نافذ العمل ہوگا۔ صورت مسئولہ میں اس سے کچھ فرق نہیں پڑسکتا ہے کہ جج اگرچہ غیر مسلم حکومت وغیر مسلم عدالت کا ہے، مگر وہ مسلمان ہے، وہ اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت اس قسم کا کام "یعنی مسلم پرسنل لا" کے طرز

و طریقہ پر بھی کرتا ہے تو اس صورت حال کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے جہاں اسلام اور مسلمانوں کا نام لینا بھی گوارا نہیں ہے، اس کو نعمت عظمی سمجھ کر "مسلم قاضی و حاکم" کی حیثیت دی جائے گی، اور اس حیثیت سے اس کے فیصلہ تفرقت کا بھی اعتبار کیا جائے گا، شرعا اس میں اب کوئی قباحت نہیں ہے (الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۴/ ۷۴-الکویت، طبع دوم ۱۴۰۸ھ-۱۹۸۸ء، الموسوعۃ الفقہیہ ۳۳/ ۲۹۵)۔

ایسی صورت میں یوروپین، امریکن، افریقن، آسٹریلین ممالک میں جہاں اقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں میں نہیں ہے، قاضی کے اختیارات، عرف، حالات اور امکانیات کی روشنی میں متعین کئے جاسکتے ہیں کہ جن احکام شرعیہ کا اجراء و نفاذ ان حالات میں ممکن ہو، ان کے متعلق قاضی فیصلے کرے گا، اور جن احکام کا اجراء ممکن نہ ہو، وہ اس کے دائرہ اختیار سے خارج ہوں گے، محدود اختیارات کے ساتھ منصب قضاء پر تقرری کی بہت سی نظیریں اسلامی عدلیہ کی تاریخ میں ملتی ہیں اور ایسے حالات میں امیر کا انتخاب اور قاضی کا تقرر مسلمانوں پر واجب قرار دیا گیا ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ نے اپنی کتاب فتح القدیر میں لکھا ہے:

"وإذا لم يكن سلطان ولامن يجوز التقلد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة في بلاد المغرب الآن وبلنسية وبلاد الحبشة وأقروا المسلمين عندهم على مال يؤخذ منهم يجب عليهم أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولي قاضيا أو يكون هو الذى يقضي بينهم وكذا ينصبوا لهم إماما يصلي بمصر الجمعة" (فتح القدیر ۷/ ۲۶۴-کتاب ادب القضاء دار الفکر بیروت لبنان، سنن دارمی-رد المحتار ۴/ ۳۴۲، کتاب القضاء مطلب فی حکم تولیۃ القضاء فی بلاد تغلب علیہا الکفار مکتبہ ماجدیہ عیدگاہ طوغی روڈ کوئٹہ، طبع اول ۱۳۹۹ھ اس کی مکمل تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع الصنائع ۷/ ۲ تا ۱۷-کتاب آداب القاضی، مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ طبع اول ۱۴۱۰ھ-۱۹۹۰ء، واللفظ لفتح القدیر)۔

(اور جب کسی ملک میں کوئی مسلم سلطان نہ ہو اور نہ کوئی ایسا حاکم و والی میسر و موجود ہو جس کی طرف سے قاضی کا تقرر درست ہو، جیسا کہ وہ بعض مسلم ممالک کا حال ہے کہ ان کے اوپر

کافروں کا غلبہ و اقتدار ہے جیسے قرطبہ مغرب کے شہروں میں فی الحال موجود ہے اور بلنسیہ اور حبشہ کے شہروں میں کافروں کا غلبہ و اقتدار ہے۔ اور مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے ہی لوگوں میں سے کسی کو زکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے عامل مقرر کرلیں تاکہ لوگوں سے زکوٰۃ بروقت وصول کرسکیں۔ ایسے حالات میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی شخص کو اپنے اتفاق و رضامندی سے اپنا والی مقرر کرلیں جو ان کے لئے قاضی مقرر کرے یا خود وہ والی ہی ان کے مقدمات کا فیصلہ کیا کرے۔ اور ایسا ہی اپنے لئے کسی کو امام مقرر کردیں جو لوگوں کو جمعہ کی نماز پڑھائے)۔

۵- غیر مسلم قاضی نہیں بنایا جاسکتا ہے، لیکن اگر امیر اہل ذمہ میں سے کسی شخص کو ان کے باہمی معاملات کا فیصلہ کرنے کے لئے قاضی مقرر کردے تو یہ درست ہوگا۔

اعتقادات، اخلاقیات، معاشرات، عبادات، حدود و قصاص غرضیکہ مسلمانوں کے جو خصوصی مسلم پرسنل لا ہیں اس میں غیر مسلم عدالتوں اور غیر مسلم حکام کو کوئی فیصلے کرنے کا شرعاً حق نہ ہوگا۔

مگر معاملات، معاشیات، تجارات، سیاسیات میں جب باہم اختلاف ہوجائے اور اس کا کوئی حل نہ نکل سکے تو ایسی صورت میں غیر مسلم عدالتیں اور غیر مسلم حکام بھی مسلمانوں کے حق میں فیصلے کرسکتے ہیں۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق
ایک تحقیقی جائزہ

مولانا عبیداللہ ندوی☆

عدالت کے ذریعہ طلاق:

جہاں تک غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کا تعلق ہے تو یہ بات طے شدہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے رشتۂ نکاح کو ختم کرنے کا حق (طلاق کی شکل میں) صرف شوہر کو ہی دیا ہے، شوہر کے ماسوا کسی دوسرے کو یہ حق شوہر کی طرف سے اس کی نیابت میں ہی حاصل ہوتا ہے، یہ نیابت کبھی وکیل کی ہوتی ہے اور کبھی حاکم کو حاصل ہوتی ہے اور اس صورت میں وکیل یا حاکم کی طرف سے رشتۂ نکاح کو ختم کیا جاتا ہے۔

البتہ حاکم کی طرف سے علاحدگی کے فیصلہ میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شوہر موجود نہیں ہوتا یا شوہر راضی نہیں ہوتا پھر بھی حاکم ایسے فیصلے پر مجبور رہتا ہے، حاکم اگر مسلمان ہے خواہ قاضی شرعی ہو یا امیر تو اس کے فیصلے کا شرعا اعتبار متفق علیہ ہے، اس لئے کہ شریعت نے اس کو عامۃ المسلمین کے معاملات کے حق میں ولایت عامہ دی ہے، اس کی وجہ سے اس قسم کے فیصلے نافذ بھی ہوتے ہیں، لیکن حاکم کے غیر مسلم ہونے کی صورت میں اس کے فیصلہ کا اعتبار مندرجہ ذیل وجوہات کی بنیاد پر معتبر نہیں ہوگا۔

☆ مدرسہ فلاح المسلمین رائے بریلی۔

۱- قرآن مجید کی نص قطعی کی بنا پر مسلمانوں کا کافر حاکم اور کافر عدالت کے سامنے اپنے دینی مقدمات کو فیصلہ کے لئے از خود لے جانا ممنوع ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ألم تر إلى الذين يزعمون أنهم اٰمنوا بما أنزل إليک وما أنزل من قبلک يريدون أن يتحاكموا إلى الطاغوت وقد أمروآ أن يكفروا به ويريد الشيطان أن يضلهم ضلٰلا بعيدا" (نساء:۶۰)۔

(محمد ﷺ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعوی کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ ﷺ کی طرف نازل کی گئی اور اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ ﷺ سے پہلے نازل کی گئی، اپنے مقدمات شیطان کے پاس لے جانا چاہتے ہیں، حالانکہ ان کو یہ حکم ہوا کہ اس کو نہ مانیں اور شیطان ان کو بھٹکا کر بہت دور لے جانا چاہتا ہے)۔

اس آیت کا صریح مقتضا یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے اپنے مقدمات کو غیر مسلم حاکم کے پاس یا غیر مسلم عدالت میں لے جانا سراسر ضلالت ہے، معصیت ہے، اور ایسا گناہ ہے جس سے ان کو روکا اور منع کیا گیا ہے۔

۲- اسلام نے مسلمانوں کو مکمل دستور حیات اور مکمل قانون دیا ہے جس کا سرچشمہ کتاب وسنت ہے، لہٰذا اس معاملہ میں جس کی بنیاد کتاب وسنت کے نصوص پر ہوتی ہے غیر مسلم کے فیصلہ کو اس لئے ناجائز ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ اسلامی قانون اور کتاب وسنت کے نصوص کی روح سے ناواقف ہوتا ہے اور اس کو اس کی واقفیت نہیں ہوتی کہ اسلام نے مسلمانوں کو جن قوانین کے ساتھ وابستہ کیا ہے اس میں کیا افادیت وحکمت ملحوظ ہے۔

۳- مسلمان اپنے اسلامی مزاج کے اعتبار سے ساری دنیا والوں کے مقدمات کا (اگر وہ ان سے فیصلہ کرانا چاہیں تو) عدل وقسط کے ساتھ فیصلہ کرسکتا ہے، لیکن وہ خود اپنے مقدمات میں ان کو حکم نہیں بنا سکتا، کیونکہ وہ اس پر مامور ہے کہ کافر کو حکم نہ بنائے اس لئے کہ عادلانہ فیصلہ

کے لئے عادلانہ قانون ضروری ہے اور عادلانہ قانون صرف اور صرف "وحی الٰہی" ہی ہے، (چاہے وہ وحی متلو ہو یا غیر متلو) یا وہ آئین ہے جس کی بنیاد "وحی الٰہی" پر ہو۔

"**ومن لم یحکم بما أنزل الله فاولئک هم الکفرون ...... هم الظالمون ...... هم الفاسقون**" (مائدہ:۴۴تا۴۷)۔

۴-فقہ کی کتابوں میں جہاں فقہا نے قضاء اور قضاۃ کا تذکرہ کیا ہے وہاں قاضی کی اہلیت وصلاحیت کے متعلق حسب ذیل اوصاف ذکر کئے ہیں:

عقل، بلوغ، اسلام، حریت، بصر، سمع اور نطق کی سلامتی، محدود فی القذف نہ ہونا، علم، فہم مسائل، عدالت۔

وجہ اس کی یہ ہے فقہ کا یہ مسئلہ ہے: "**وأهله أهل الشهادة ...... وشرط أهليتها شرط أهليته**" (الدر المختار علی ہامش رد المحتار کتاب القضاء ۸/ ۲۳ تا ۲۵)۔

(جو لوگ شہادت کے اہل ہیں وہ قضا کے اہل ہیں اور شہادت کی اہلیت کے لئے جو شرط ہے وہی قضا کی اہلیت کے لئے شرط ہے) شہادت کی اہلیت کے لئے کیا شرط ہے۔

علامہ شامیؒ نے "**أهله أهل الشهادة**" کے تحت بحر کے حوالہ سے لکھا ہے:

"**وحاصله أن شروط الشهادة من الإسلام والعقل والبلوغ والحرية وعدم العمى والحد فى القذف، شروط لصحة توليته ولصحة حكمه بعدها**"۔

(حاصل یہ ہے کہ شہادت کے شرائط اسلام، عقل، بلوغ، حریت، اندھا نہ ہونا اور محدود فی القذف نہ ہونا ہے، اور قضا کے عہدہ پر کسی شخص کے تقرر کی صحت کے لئے اور تولیت کے بعد اس کے حکم کے صحیح ہونے کے لئے یہی شرطیں ہیں)۔

مذکورہ بالا عبارت کے بعد علامہ شامی نے لکھا ہے: "**مقتضاه أن تقليد الكافر لايصح وإن أسلم**" اس کا مقتضا یہ ہے کہ کافر کو قاضی بنانا صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ اہلیت قضا کے

لئے "اسلام" شرط ہے، ایک جگہ علامہ شامی نے بحر کے حوالہ سے لکھا ہے:

"قال في البحر: وبه علم أن تقليد الكافر صحيح وإن لم يصح قضاءه على المسلم حال كفره" (ردالمحتار کتاب القضاء ۵/۳۵۴ طا یجوکیشنل پریس کراچی پاکستان)۔

(البحر الرائق میں فرمایا ہے کہ کافر کو قاضی بنانا اگرچہ صحیح ہے لیکن بحالت کفر مسلمانوں کے خلاف اس کا فیصلہ درست نہیں ہے)۔

۵-معین الحکام میں ہے: **"فحقيقة القضاء: الإخبار عن حكم شرعي على سبيل الإلزام"** (معین الحکام ص ۷)۔

(قضا کی حقیقت بطور الزام کے حکم شرعی کی خبر دینا ہے)، لہٰذا جب حاکم یا قاضی یا غیر مسلم عدالت کا جج خود شرعی احکام سے ناواقف ہوگا تو خبر کیسے دے گا۔

۶- **"ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا"** (نساء:۱۴۱)۔

(اللہ نے کافروں کو مومنوں پر کوئی اختیار نہیں دیا ہے) اس آیت کا مقتضا بھی یہی ہے کہ ان کا کیا ہوا فیصلہ بھی معتبر نہیں ہوگا۔

۷-علامہ ابن الہمام نے احناف کی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حکومت کو طلاق وغیرہ دینے کا کوئی اختیار نہیں (فتح القدیر ۲/۲۹۱)۔

جب مسلمان حکومت کو اختیار نہیں تو غیر مسلم حکومت اور عدالت کو بدرجہ اولی اختیار نہیں ہوگا، لہٰذا ان کی طرف سے کئے جانے والے فیصلے بھی شرعاً معتبر نہیں ہوں گے۔

۸-قرآن کی آیت: **"فابعثوا حكما ......"** کے پیش نظر امام شافعی، امام مالک، امام احمد اور دیگر ائمہ رحمہم اللہ نے زوجین کے درمیان اختلاف کی صورت میں انہیں کے گھرانے میں سے حکم کا تقرر پسند کیا ہے، بلکہ امام مالک نے تو اسے شرط قرار دیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ عدالت کا فیصلہ اور حکم معتبر نہیں ہے، خاص طور سے جبکہ عدالت غیر مسلم اور قاضی، حکم اور جج

بھی غیر مسلم ہوں۔

۹۔قرآن میں طلاق کے احکام جہاں بھی آئے ہیں وہیں یہ تصریحات بھی آئی ہیں کہ خدا و آخرت پر ایمان کا تقاضا ہے کہ احکام کی بجا آوری کی جائے اور ایمان کے ساتھ اس کا ذکر کر کے بتلا دیا گیا ہے کہ اس کا تعلق صراحۃ دین و مذہب سے ہے نہ کہ عدالت سے۔

۱۰۔مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فتاوی رحیمیہ میں لکھا ہے کہ غیر مسلم جج کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں (فتاوی رحیمیہ ص ۱۴۳)۔

مفتی صاحبؒ نے یہ بات ہندوستان کے تعلق سے کہی ہے لیکن چونکہ ہندوستان اور مغربی ممالک میں قدر مشترک یہ ہے کہ ہندوستان کی طرح وہاں بھی حکومت واقتدار غیروں کے ہاتھ میں ہے، عدالتوں کے ججز اور قضاۃ بھی عموماً غیر مسلم ہی ہیں، اس لئے ان ممالک میں بھی ان کا فیصلہ شرعاً معتبر نہ ہوگا۔

مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کی طرح مغربی ممالک میں بھی جج اور حاکم کا فیصلہ معتبر نہیں ہوگا، لہذا ان ممالک (جہاں اقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں میں نہیں ہے) میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ کسی کو اپنا امیر منتخب کریں اور کسی قاضی کا تقرر کریں تاکہ مسلمان اپنے معاملات شرعی پنچایت یا دارالقضاء میں لائیں اور مسلمانوں میں اس کی طرف رجوع کرنے کی فکر اور رغبت پیدا کرنے کی کوشش بھی کی جائے، علامہ شامی نے علامہ ابن الہمام کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے:

"وفی الفتح إذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منه کما هو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیهم الکفار کقرطبة الآن، یجب علی المسلمین أن یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیا فیولی قاضیا أو یکون هو الذی یقضی بینهم" (ردالمحتار کتاب القضاء ۵/۳۶۹، فتح القدیر ۶/۳۶۵، البحر الرائق کتاب القضاء ۶/۲۷۴)۔

(فتح القدیر میں ہے کہ کسی ملک میں اگر کوئی مسلم سلطان نہ ہواور نہ کوئی ایسا حاکم ہو جس کی طرف سے قاضی کا تقرر درست ہو، جیسا کہ آج بعض مسلم ممالک مثلاً قرطبہ وغیرہ کا حال ہے جہاں غیر مسلموں کا غلبہ واقتدار ہے، ایسے حالات میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی شخص کو اپنے اتفاق و رضامندی سے اپنا والی مقرر کرلیں جو ان کے لئے قاضی مقرر کرے یا خود وہ والی ہی ان کے مقدمات کا فیصلہ کیا کرے)۔

رہا یہ مسئلہ کہ غیر مسلم عدالتیں اور حکام کس حد تک مسلمانوں کے معاملات کا فیصلہ کرسکتے ہیں یا کس حد تک ان کے فیصلوں کا اعتبار مسلمان کرسکتے ہیں، تو اس سلسلہ میں تحقیقی بات یہ ہے کہ مسلمان کو تو اسی کا حکم ہے کہ وہ اپنے تمام معاملات میں قرآن وحدیث کی طرف رجوع کریں، چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحب سورہ نساء آیت: "**فلا وربک ...... ویسلموا تسلیما**" کی تفسیر میں لکھتے ہیں: " کہ آیت صرف معاملات اور حقوق کے ساتھ متعلق نہیں بلکہ عقائد و نظریات اور دوسرے نظری مسائل کو بھی حاوی ہے، اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جب بھی کسی مسئلہ میں باہم اختلاف کی نوبت آئے تو باہم جھگڑتے رہنے کے بجائے رسول اللہ ﷺ کی طرف اور آپ کے بعد آپ کی شریعت کی طرف رجوع کرکے مسئلہ کا حل تلاش کرے" (معارف القرآن ج۲/سورہ نساء:۶۵)۔

تاہم پھر بھی اگر مسلمان اپنے تمام معاملات میں کسی خاص سبب یا حالات کی وجہ سے اگر شریعت کی طرف رجوع نہیں کرسکتے تو ان کے احوال شخصیہ یعنی پرسنل لاء میں مثلاً نکاح، طلاق، وراثت، وصیت، اوقاف، شفعہ اور حقوق عائلہ وغیرہ (جس کے لئے اللہ نے اپنی کتاب قرآن میں احکام اور قوانین نازل فرمائے ہیں اور ان کی تشریح وتفصیل اس کے رسول نے بیان فرمائی ہے) میں غیر مسلم عدالتیں اور حکام فیصلہ نہیں کرسکتے ہیں اور نہ ہی مسلمانوں کو ان کے فیصلوں کا اعتبار کرنا چاہئے۔

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق شرعی تناظر میں

مفتی محمد اقبال قاسمی☆

غیر مسلم جج کا فیصلہ:

اگر کوئی شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دے کہ میں اپنے رشتۂ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہوں، لہذا میرے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کردیا جائے اور اس کے بعد عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد طلاق وفرقت کا فیصلہ کردے تو یہ فیصلہ شرعاً نافذ نہیں ہوگا اور وہ دونوں بدستور میاں بیوی رہیں گے، چونکہ شریعت نے رشتۂ نکاح کو ختم کرنے کا حق شوہر ہی کو دیا ہے، شوہر کے علاوہ کو یہ حق اس کی نیابت میں حاصل ہوتا ہے خواہ وہ وکیل ہو یا حاکم اور قاضی ہو یا اس نے کسی کو حکم بنایا ہو، قاضی اور حاکم کا فیصلہ اسی وقت معتبر ہوگا جبکہ اس میں اہلیت شہادت پائی جائے، اور اہلیت شہادت حاصل ہوتی ہے اس وقت جبکہ وہ مسلمان ہو عاقل بالغ اور آزاد ہو، الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

”یری الحنفیة أن من یصح تولیته القضاء هو من یکون أهلاً لأداء الشهادة علی المسمین و شروط الشهادة هی الاسلام والعقل والبلوغ والحریة والبصر والنطق فلا یجوز تقلید الکافر والمجنون والصبی – لأن

☆ مدرسہ اسلامیہ شکرپور دربھنگہ۔

القضاء من باب الولاية بل هو أعظم الولايات وهؤلاء ليس لهم أهلية أدنى الولايات وهي الشهادة فلأن لايكون لهم أهلية أعلاها أولىٰ" (الموسوعة الفقہیۃ ۳۳/۲۹۱)۔

(حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ جس شخص کو قاضی بنانا درست ہے، وہ شخص ہے جس میں مسلمانوں کے خلاف پہلے ادائے شہادت کی اہلیت ہو اور شہادت کی شرط یہ ہے، اسلام، عقل، بلوغ، حریت، آنکھ، اور زبان، لہٰذا کافر، مجنون اور بچہ کو عہدۂ قضاء سپرد کرنا درست نہیں، اس لئے کہ قضاء کا تعلق ولایت سے ہے بلکہ یہ اعظم الولایت ہے اور ان لوگوں میں ادنی ولایت کی اہلیت ہی نہیں اور وہ ہے شہادت تو اعلیٰ ولایت کی اہلیت تو بدرجۂ اولیٰ نہیں ہوگی)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم قاضی اور جج نہیں بن سکتا، قاضی وہی شخص بن سکتا ہے جس کی گواہی قبول کی جائے اور غیر مسلم کی گواہی قبول نہیں ہوگی، فقہاء نے گواہی کی اہلیت میں ایک شرط اسلام کو ذکر کیا ہے، موسوعہ میں ہے:

"ألاصل أن يكون الشاهد مسلما فلا تقبل: شهادة الكفار سواء كانت الشهادة على مسلم أم على غير مسلم لقوله تعالىٰ: "وأشهدوا ذوى عدل منكم" والكافر ليس بعدلٍ وليس منا ولأنه أفسق الفساق ويكذب على الله تعالىٰ" (الموسوعۃ الفقہیۃ ۲۶/۲۲۲)۔

(اصل یہ ہے کہ گواہ مسلمان ہو لہٰذا کافروں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی چاہے وہ گواہی مسلمان کے خلاف ہو یا غیر مسلم کے خلاف، چونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تم لوگ اپنے میں سے دو عادل آدمی کو گواہ بناؤ اور کافر عادل نہیں ہے اور نہ ہم میں سے ہے اور وہ اس لئے کہ وہ سب سے بڑا فاسق ہے اور اللہ پاک پر جھوٹ بولتا ہے)۔

فقہاء سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ گواہوں کا عادل ہونا ضروری ہے۔

لہذا فاسق کی گواہی قبول نہیں کی جاسکتی اور انکار شریعت سے بڑا فسق کیا ہوگا؟ لہذا کسی کافر کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

"لا خلاف بين الفقهاء في اشتراط عدالة الشهود لقوله تعالىٰ: "وأشهدوا ذوى عدل منكم" ولهٰذا لاتقبل شهادة الفاسق " (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۶/۲۲۳)۔

(فقہاء میں گواہوں کی عدالت کے شرط لگانے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم اپنے میں سے دو عادل آدمی کو گواہ بناؤ، اسی وجہ سے فاسق کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی)۔

حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانوی فیملی کورٹ کے فیصلے کے بعد کیا وہ عورت دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"اگر شوہر طلاق دینے پر آمادہ نہ ہو (جبکہ وہ عورت کے حقوق واجبہ بھی ادا نہیں کرسکتا) تو عدالت از خود فسخ نکاح کا فیصلہ کرسکتی ہے، اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ فیصلہ کرنے والا جج مسلمان ہو ورنہ اگر جج غیر مسلم ہو (جیسا کہ پاکستان کی عدالتوں میں غیر مسلم جج موجود ہیں) تو اسکا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۵/۴۰۱)۔

بیوی کا عدالت میں فسخ نکاح کی درخواست دینا:

اگر بیوی کی طرف سے غیر مسلم عدالت میں درخواست آئے کہ میرا رشتۂ نکاح ختم کردیا جائے ،اس کے بعد عدالت شوہر کو بلا کر اس سے دستخط لے کہ عدالت کا جو بھی فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور کرنا پڑے گا اور کارروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ کردے تو یہ فیصلہ نافذ نہیں ہوگا سب سے پہلے تو بیوی کو اس طرح کی درخواست دینا غیر مسلم عدالت میں درست ہی نہیں کیونکہ غیر مسلم عدالت مسلمانوں کا نکاح فسخ نہیں کرسکتی چونکہ اس کے جج شرعی جج نہیں ہے چونکہ اس میں اہلیت

شہادت ہی نہیں پائی جاتی: "ولن يجعل الله للكافرين على المومنين سبيلا" کہ اللہ تعالی نے کافروں کے لئے مسلمانوں کے خلاف کوئی راستہ نہیں بنایا ہے اور یہ فیصلہ مسلم شوہر کے خلاف ہے۔

قرآن پاک میں منافقوں پر نکیر کرتے ہوئے کہا ہے: "يريدون أن يتحاكموا إلى الطاغوت وقد امروا أن يكفروا به" کہ یہ لوگ اپنا فیصلہ شیطان کے پاس لے جاتے ہیں، حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس کا انکار کریں، اس آیت سے پتہ چلا کہ مسلمانوں کو حتی الامکان اپنا معاملہ غیر مسلم عدالت میں نہیں لے جانا چاہئے خصوصاً ایسے امور میں جن میں شرعی قاضی کا ہونا ضروری ہے جیسے نکاح طلاق وغیرہ، لہذا بیوی کو غیر مسلم عدالت میں فسخ نکاح کی درخواست دینے سے کوئی فائدہ نہیں، اس کے نکاح کے فسخ کردینے سے نکاح فسخ نہیں ہوگا، باقی شوہر کو عدالت میں بلا کر دستخط لینا کہ جو فیصلہ عدالت کرے گی وہ تم کو منظور ہوگا، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ غیر مسلم جج کی حیثیت نہ تو قاضی کی ہے جس کو ولایت عامہ حاصل ہے اور جس کو ولایت عامہ حاصل ہو اس کو اس قسم کی تحریر لینے کی کوئی ضرورت نہیں چونکہ اس کو ولایت عامہ حاصل ہے وہ جو بھی فیصلہ کرے گا وہ نافذ ہوگا اس کو منوانے کے لئے دستخط لینے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے اور چونکہ جج غیر مسلم ہے اس لئے اس کو دستخط لینے سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور غیر مسلم جج کی حیثیت حکم کی بھی نہیں ہے چونکہ حکم میں بھی اہلیت شہادت شرط ہے اور اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے، موسوعہ میں ہے:

"يشترط في الحكم الاسلام إن كان حكماً بين المسلمين أو كان أحدهما مسلما وإذا كانا غير مسلمين فلا يشترط اسلام الحكم" (الموسوعہ ۱۰/۲۳۷)۔

(حکم کا مسلمان ہونا شرط ہے اگر وہ حکم ہو دو مسلموں کے درمیان یا ان میں سے ایک

مسلمان ہو اور جب دونوں غیر مسلم ہوں تو پھر حکم کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے)۔

فقہاء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ حکم کی حیثیت حکم بنانے والے کے حق میں قاضی جیسی ہوتی ہے، اس لئے حکم قرار پانے کے لئے ضروری ہے کہ وہی اہلیت پائی جائے جو قضاء پر تقرری کے لئے ضروری ہے اور منصب قضاء پر تقرری کے لئے جس طرح اہلیت شہادت ضروری قرار دی گئی ہے حکم میں بھی اہلیت شہادت ضروری ہوگی۔

''کل من تقبل شهادته في أمر جاز أن يكون حكما فيه ومن لا فلا''

(ہر وہ شخص جس کی شہادت کسی امر میں قبول کی جاتی ہے جائز ہے کہ وہ اس میں حکم ہو اور جس میں قبول نہیں کی جاتی اس میں نہیں)

''وشرطه من جهة المحكم صلاحيته للقضاء''

''حکم کے لئے شرط یہ ہے کہ اس میں قضا کی صلاحیت ہو'' پس جب غیر مسلم جج میں مسلمانوں کے حق میں نہ تو قضا کی اہلیت ہے اور نہ حکم بننے کی تو پھر غیر مسلم عدالت میں رشتۂ ازدواج کو ختم کرنے کی درخواست دینا شرعاً درست نہیں۔

محض بیوی کی درخواست پر بغیر شوہر کے دستخط اور تفویض کے تفریق کا فیصلہ کرنا:

اگر بیوی کی درخواست کے بعد شوہر عدالت نہیں آئے یا آئے مگر دستخط اور تفویض پر تیار نہ ہو اور عدالت حالات کا جائزہ لیکر تفریق کا فیصلہ کردے تو تفریق نہیں ہوگی اور وہ علی حالہ اس کی بیوی رہے گی، بیوی کے لئے کسی دوسری جگہ عقد نکاح کرنا درست نہیں اور غیر مسلم جج کا یہ فیصلہ طلاق کے قائم مقام نہیں ہوگا اور اسکی دو وجہ ہے: سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ فیصلہ کرنے والا جج غیر مسلم ہے اور غیر مسلم جج کو فسخ نکاح کا کوئی اختیار نہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ شوہر کی طرف سے کوئی آمادگی نہیں جس کی بنا پر نہ تو اس نے دستخط کئے اور نہ اس معاملے کو عدالت کے سپرد کیا، جس سے تحکیم کا شبہ ہو، مولانا یوسف لدھیانوی رقم طراز ہیں:

''اگر عدالت نے معاملہ کی صحیح تفتیش اور گواہوں کی شہادت کے بغیر فیصلہ کیا یا شوہر کی غیر موجودگی میں محض عورت کے بیان پر اعتماد کرتے ہوئے فسخ نکاح کا فیصلہ کر دیا تو یہ فیصلہ طلاق کے قائم مقام نہیں ہوگا اس فیصلہ کے باوجود عورت کے لئے دوسری جگہ عقد کرنا جائز نہیں'' (آپ کے مسائل اور ان کا حل)۔

غیر مسلم عدالت میں مسلم جج کا فیصلہ:

غیر مسلم عدالت میں اگر جج مسلمان ہو اور وہ اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت مسلمانوں کے عائلی مسائل بھی دیکھتا ہو تو اس کو مسلم قاضی اور حاکم کی حیثیت دی جاسکتی ہے اور اس حیثیت سے اس کے فیصلہ فرقت کا اعتبار کیا جاسکتا ہے خصوصاً جبکہ اس کی تقرری کا مقصد ہی یہ ہو کہ وہ مسلمانوں کے عائلی مسائل کا فیصلہ کرے، اس کا فیصلہ اسلامی قانون کی رو سے درست ہوگا کیونکہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ قاضی کا مسلمان ہونا ضروری ہے خواہ عہدۂ قضاء سپرد کرنے والا حاکم مسلمان ہو یا غیر مسلم، فاسق ہو یا عادل، البتہ اگر حاکم اعلیٰ اس کو صحیح فیصلہ کرنے سے روکے تو یہ حرام ہے۔

عز الدین بن عبد السلام نے کہا کہ جب کفار کسی بڑی سلطنت پر غلبہ پالیں اور عہدۂ قضاء کسی ایسے شخص کو سپرد کردیں جو مسلمانوں کے مصالح کو انجام دے تو ظاہر یہ ہے کہ اس کے تمام فیصلے نافذ ہوں گے مصالح عامہ کو حاصل کرنے اور فساد عامہ کو دفع کرنے کی غرض سے (موسوعہ فقہیہ بحوالہ فتح القدیر، حاشیہ ابن عابدین ۳۳/۲۹۷)۔

موسوعہ میں ہے: ''يرى الحنفية والحنابلة أنه لايشترط عدالة المولي (بكسر اللام) لأن ولاية الإمامة الكبرى تصح من كل برو فاجر فتح ولايته كالعدل لكن إذا كان المولي يمنعه من القضاء بالحق فيحرم'' (الموسوعۃ الفقہیہ بحوالہ فتح القدیر، حاشیہ ابن عابدین ۳۳/۲۹۷)۔

(حنفیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ عہدۂ قضاء سپرد کرنے والے حاکم کا عادل ہونا شرط نہیں ہے، اس لئے کہ امامت کبری کی ولایت ہر نیک و بد کی طرف سے درست ہے تو اس کی ولایت بھی عادل کی طرح صحیح ہوگی لیکن جب حاکم اس کو صحیح فیصلہ کرنے سے روکے تو یہ حرام ہے)۔

اگر فیصلہ کرنے والا مجسٹریٹ مسلمان ہے تو اس کا فیصلہ بندہ کے حق میں نافذ اور درست ہے اور وہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے، کیونکہ فقہا نے دارالکفر میں غیر مسلم فرماں روا کی طرف سے مسلمانوں کے لئے انہیں میں سے والی کے تقرر کو جائز قرار دیا ہے(کتاب الفتاوی ۶/۶۶)۔

درمختار میں ہے:"**وإذ تولی الکافر علیھم قاضیا ورضیه المسلمون صحت ولایته**" (درمختار ۵/۳۶۵)۔

(جب کافر مسلمان پر کسی کو قاضی مقرر کردے اور مسلمان اس کو پسند کرلیں تو اس کی ولایت درست ہے)۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:"**الاسلام لیس بشرط فیمن عین القضاء**" (ہندیہ ۳/۳۰۷)۔

(قاضی متعین کرنے والے کے لئے اسلام شرط نہیں ہے)۔

مولانا مجیب اللہ ندویؒ اپنی کتاب ''اسلامی فقہ'' میں ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط اور قضاء قاضی کے مسئلہ پر اس وقت کے علماء نے کیا صورتیں اختیار کیں ان کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:'' حالات کے اعتبار سے تیسری صورت انہوں نے یہ اختیار کی کہ سرکار کے مقرر کردہ مسلم منصفوں اور ججوں کو بھی قضاء قاضی کے قائم مقام قرار دیا، ان کے پیش نظر فقہ کا یہ جز ئیہ تھا:

''**ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولوکان کافرا**''

(اسلامی فقہ ۲/۲۶۰)۔

غیر مسلم قاضی اور جج:

آخری شق سوال نامہ کا یہ ہے کہ غیر مسلم عدالتیں اور حکام کس حد تک مسلمانوں کے معاملات میں فیصلے کر سکتے ہیں تو اس کا صاف جواب یہ ہے کہ غیر مسلم عدالتیں اور حکام مسلمانوں کے کسی بھی معاملہ کا فیصلہ نہیں کر سکتے ،فقہا نے قرآن وسنت کی روشنی میں کچھ شرائط مقرر کئے ہیں جن میں سے کچھ متفق علیہ ہے اور کچھ مختلف فیہ،متفق علیہ شرائط میں سے ایک شرط اسلام ہے،تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ مسلمانوں کے معاملات میں فیصلہ کے لئے قاضی یا حاکم کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔فقہاء نے **"ولن يجعل الله للكافرين على المومنين سبيلا"** سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو ہرگز مسلمانوں پر کوئی راستہ نہیں دیں گے اور لکھا ہے کہ کافر کو مسلمانوں کے معاملات کے فیصلہ کی ذمہ داری نہیں دی جا سکتی ،یہ آیت لفظاً تو خبر ہے مگر مفہوم کے اعتبار سے انشاء ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے معاملات کا فیصلہ مسلمان قاضی یا حاکم ہی کرے گا،البتہ اس میں فقہا کے آراء مختلف ہیں کہ کیا غیر مسلموں کے معاملات میں فیصلہ کے لئے کوئی غیر مسلم حاکم مقرر کیا جا سکتا ہے،تو جمہور فقہا کی رائے یہ ہے کہ اس کے لئے الگ سے کوئی حاکم مقرر نہیں کیا جا سکتا ،البتہ حنفی فقہاء کہتے ہیں کہ ان کے لئے کسی غیر مسلم کو مقرر کیا جا سکتا ہے۔

إعلم أن تقليد الكافر صحيح وإن لم تصح قضاء ه على المسلم حال كفره" (ردالمحتار ۴/۴۱۴)۔

(کافر کو عہدۂ قضا سپرد کرنا درست ہے اگر چہ اس کا فیصلہ مسلمان کے خلاف کفر کی حالت میں درست نہیں)،درمختار میں ہے:**"الكافر يجوز تقليدهٔ القضاء ليحكم بين أهل الذمة ذكرهٔ الزيلعي"** (درمختار ۴/۴۱۵)۔

(کافر کو عہدۂ قضاء سپرد کرنا درست ہے تا کہ وہ ذمیوں کے درمیان فیصلہ کرے)۔

اسلامی عدالت میں ہے:

''غیر مسلم کو قاضی نہیں بنایا جاسکتا لیکن اگر امیر اہل ذمہ میں سے کسی شخص کو ان کے باہم معاملات کا فیصلہ کرنے کے لئے قاضی مقرر کر دے تو یہ درست ہے''۔

☆☆☆

غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا محمد رمضان علی☆

شریعت مطہرہ نے طلاق دینے کا مالک صرف شوہر کو بنایا ہے اس کے علاوہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں، البتہ اس کی نیابت میں مسلمان قاضی یا امیر رشتہ نکاح کو ختم کرنے کا فیصلہ کردے تو طلاق واقع ہوجائے گی یا خود شوہر کسی کو طلاق دینے کا مالک بنادے تب بھی طلاق واقع ہوجائے گی، لہٰذا جب شوہر نے اپنا اختیار عدالت کو سپرد کردیا اور اپنی درخواست میں یہ واضح کردیا کہ میں اپنے رشتۂ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہوں، اس لئے میرے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کردیا جائے، تو اس کی یہ تحریر اس پر واضح طور پر دلالت کررہی ہے کہ اس نے عدالت کو اپنا وکیل بنادیا، کیونکہ شریعت میں وکالت کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز کے تصرف کا کوئی انسان مالک ہو اس میں کسی کو وہ اپنا نائب بنادے، فقہاء کرام کے نزدیک وکالت کی تعریف یہ ہے:

"وهو إقامة الغير مقام نفسه في التصرف أي الجائز المعلوم" (البحر الرائق ۷/۲۳۹، مکتبہ زکریا)۔

(وہ (وکالۃ) جائز معلوم تصرف میں غیر کو اپنا قائم مقام بنانا ہے)۔

"وهو اقامة الغير مقام نفسه ترفهاً أو عجزاً في تصرف جائز معلوم"

(الدر المختار علی الرد ۸/۲۴۱، مکتبہ زکریا)۔

☆ استاذ دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ، پھلواری شریف، پٹنہ (بہار)۔

جب مذکورہ دلائل کی روشنی میں یہ واضح ہوگیا کہ شوہر اپنی طرف سے کسی کو طلاق کا وکیل بنا سکتا ہے تو اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ اس صورت میں شوہر کی اس درخواست کو توکیل ہی مانا جائے گا اور اسی بنیاد پر جب کارروائی کرنے کے بعد غیر مسلم جج طلاق کا فیصلہ کردے گا تو عندالشرع اس کا اعتبار ہوگا اور طلاق واقع ہوجائے گی، کیونکہ فقہائے کرام کے نزدیک وکیل کے لئے مسلم ہونا ضروری نہیں ہے، کافر کو بھی وکیل بنانا جائز ہے۔

"**ردة الوكيل لاتمنع صحة الوكالة فتجوز وكالة المرتد بأن وكل مسلم مرتدا، لأن وقوف تصرفات المرتد لوقوف ملكه والوكيل يتصرف في ملك الموكل وانه نافذ التصرفات**" (بدائع الصنائع، کتاب الوکالۃ ۵/۱۶، مکتبہ زکریا)۔

(وکیل کا مرتد ہونا، وکالت کے صحیح ہونے کے لئے مانع نہیں ہے، لہٰذا مرتد کی وکالت جائز ہے، بایں طور کہ کوئی مسلم کسی مرتد کو وکیل بنائے، اس لئے کہ مرتد کے تصرفات کا موقوف ہونا اس کی ملک کے موقوف ہونے کی وجہ سے ہے اور وکیل، موکل کی ملک میں تصرف کرتا ہے اور مؤکل کے تصرفات نافذ ہیں)۔

"**وما يرجع إلى الوكيل فالعقل ...... لا البلوغ والحرية وعدم الردة فيصح توكيل المرتد**" (البحر الرائق ۷/۲۳۷، مکتبہ زکریا)۔

(اور وہ (شرط) جو وکیل کی طرف لوٹتی ہے وہ عقل ہے...... بلوغ (شرط) نہیں ہے اور حریت (شرط) نہیں ہے اور مرتد نہ ہونا (شرط) نہیں ہے لہٰذا مرتد کو وکیل بنانا صحیح ہے)۔

"**وتجوز وكالة المرتد بأن وكل مسلم مرتدا**" (فتاویٰ ہندیہ ۳/ ۵۶۳، مکتبہ زکریا)۔

(مرتد کی وکالت جائز ہے بایں طور کہ کوئی مسلمان کسی مرتد کو وکیل بنائے)۔

فقہائے کرام کی مذکورہ عبارتوں سے یہ واضح ہوگیا کہ مسلمان اپنے معاملات میں کسی

کافر کو وکیل بنا سکتا ہے، لہٰذا اس صورت میں شوہر مؤکل ہے، اس کی درخواست توکیل ہے اور غیر مسلم جج وکیل ہے اسی لئے اس کا فیصلہ بھی معتبر ہوگا۔

درخواست کے توکیل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ شوہر عدالت میں درخواست دینے کے بعد اگر اس درخواست کو واپس لینا چاہے تو عدالت اسے وہ درخواست واپس کر دیتی ہے۔اس درخواست کو واپس کرنے کے بعد جج یا عدالت کو شوہر کے حق میں قانونا کوئی بھی فیصلہ کرنے کا حق نہیں رہتا ہے، اور یہ صورت صرف وکالت میں ہی پائی جاسکتی ہے، کیونکہ وکالت غیر لازم ہے، موکل کو حق ہے کہ جب چاہے وکیل کو معزول کردے۔

"**الوکالة من العقود الغیر اللازمة ...... فللموکل العزل متیٰ شاء**" (الدر المختار علی الرد باب عزل الوکیل ۸/۲۷۸)۔

(وکالۃ عقود غیر لازمہ میں سے ہے......موکل کے لئے وکیل کو معزول کرنا جائز ہے جب چاہے)۔

"**انها من العقود الغیر اللازمة ...... فکان للموکل العزل متی شاء بشرط علم الوکیل ولو کان وکیلا بالنکاح والطلاق**" (البحر الرائق، باب عزل الوکیل ۷/۱۷۱، مکتبہ زکریا)۔

(وہ (وکالت) عقود غیر لازمہ میں سے ہے......اس لئے موکل کے لئے (وکیل کو) معزول کرنا جائز ہے وہ جب چاہے، وکیل کے علم کے شرط کے ساتھ اگرچہ وہ نکاح اور طلاق کا وکیل ہو)۔

اسی لئے ضروری ہے کہ شوہر کی درخواست کو توکیل ہی مانا جائے، تملیک اور تحکیم نہ مانا جائے کیونکہ تملیک میں مالک کو رجوع کا حق حاصل نہیں ہوتا ہے اور یہاں عدالت میں شوہر کو درخواست واپس لینے کا پورا پورا حق حاصل ہوتا ہے جو کہ تملیک کے منافی ہے، اسی لئے اس کی

درخواست کوتملیک ماننا درست نہیں ہے، جیسا کہ کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو اپنے آپ کو طلاق دیدے تو مجلس ختم ہونے تک شوہر کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اس سے رجوع کرے کیونکہ بیوی کو طلاق دینے کا اختیار دینا تملیک ہے، توکیل نہیں ہے، اور تملیک میں رجوع صحیح نہیں ہے، اسی لئے اس کا رجوع کرنا بھی درست نہیں ہوگا، البتہ اگر اس نے کسی اجنبی سے کہا کہ تم میری بیوی کو طلاق دیدو، تو اس صورت میں وہ مجلس ختم ہونے سے پہلے بھی رجوع کرسکتا ہے کیونکہ یہ توکیل ہے جس میں مالک کے لئے کسی وقت بھی رجوع جائز ہے، البتہ یہ کہ وہ طلاق کو مشیت کے ساتھ معلق کردے تو وہ تملیک ہو جائے گی اور اس وقت رجوع درست نہیں ہوگا۔

"قال لها: اختاری ...... أو طلقي نفسک فلها أن تطلق في مجلس علمها به ...... لأنه تملیک فیتوقف علی قبولها في المجلس لاتوکیل فلم یصح رجوعه ...... قال لاجنبي: طلق امرأتي فیصح رجوعه منه ...... لأنه توکیل محض ...... إلا اذا علقه بالمشیة فیصیر تملیکا لاتوکیلا" (الدرالمختار علی الرد ۴/ ۵۵۲- ۵۵۵، مکتبہ زکریا)۔

(شوہر نے اپنی بیوی سے) کہا کہ تو اپنے آپ کو اختیار کرلے یا کہا کہ تو اپنے آپ کو طلاق دیدے تو عورت کو یہ اختیار رہو جائے گا کہ وہ اپنے کو اسی مجلس میں طلاق دے جس مجلس میں اس کو علم ہو...... اس لئے کہ وہ تملیک ہے تو مجلس میں اس کے قبول کرنے پر موقوف ہوگی۔ وہ توکیل نہیں ہے اسی لئے اس سے (شوہر کا) رجوع کرنا صحیح نہیں ہے...... (اور اگر شوہر نے) کسی اجنبی سے کہا کہ میری بیوی کو طلاق دیدو۔ تو (اس وقت) رجوع کرنا درست ہے...... اس لئے کہ وہ توکیل محض ہے۔ الا یہ کہ وہ اس کو مشیت کے ساتھ معلق کردے تو وہ تملیک ہوگی، توکیل نہیں ہوگی)۔

اسی طرح شوہر کی درخواست کو تحکیم بھی نہیں مانا جاسکتا، کیونکہ حکم کے لئے مسلمان ہونا

ضروری ہے اور یہاں جج غیر مسلم ہے، اسی لئے اس کو حکم نہیں بنایا جاسکتا، دوسری بات یہ ہے کہ حکم کی حیثیت حکم بنانے والے فریقین کے حق میں قاضی جیسی ہوتی ہے، اس لئے حکم قرار پانے کے لئے وہی اہلیت ضروری ہے جو قضاء پر تقرر کے لئے ضروری ہے اور وہ غیر مسلم جج میں مفقود ہے، اس لئے اس کو حکم نہیں بنایا جاسکتا۔

"وشرطه من جهة الحكم صلاحيته للقضاء" (الدر المختار)۔

(اور محکم (جس کو حکم بنایا جارہا ہو) کی جانب سے اس (تحکیم) کی شرط یہ ہے کہ اس میں قضاء کی اہلیت ہو)۔

"الصلاحية للقضاء لها شرائط، منها العقل ومنها البلوغ ومنها الاسلام" (بدائع الصنائع، کتاب آداب القاضی، باب من یصلح للقضاء ۴۳۸/۵)۔

(صلاحیت قضاء کی چند شرطیں ہیں، ان میں سے عقل، بلوغ اور اسلام ہے)۔

خلاصہ کلام:

شوہر کی درخواست کو تملیک نہیں مانا جاسکتا، کیونکہ تملیک میں رجوع جائز نہیں ہے، جبکہ صورت مسئولہ میں شوہر کو درخواست واپس لینے کا پورا حق حاصل ہوتا ہے، اسی طرح اس کی درخواست کو تحکیم بھی نہیں مانا جاسکتا کیونکہ حکم کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہے اور صورت مسئولہ میں جج غیر مسلم ہے، اس لئے زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس کی درخواست کو توکیل مانا جائے کیونکہ صورت مذکورہ میں شوہر عدالت کے جج کو طلاق کا وکیل بنارہا ہے جس میں تصرف کا وہ خود مالک ہے، اسی طرح جس کو وہ وکیل بنارہا ہے اس میں وکیل بننے کی اہلیت بھی موجود ہے، لہٰذا اس درخواست کو توکیل مانا جائے گا اور جج کو وکیل مانا جائے گا اور اسی بنیاد پر جب کارروائی کرنے کے بعد جج طلاق وفرقت کا فیصلہ کردے گا تو اس کا فیصلہ معتبر ہوگا اور طلاق واقع ہوجائے گی، کیونکہ وکیل کا مسلمان ہونا ضروری نہیں، کوئی مسلمان کسی کافر کو وکیل بناسکتا ہے۔

۲- یہاں بھی شوہر کے دستخط کی حیثیت توکیل کی ہوگی کیونکہ جب عدالت نے شوہر کے سامنے یہ بات پیش کردی کہ یہاں جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور ہوگا، اس کے باوجود شوہر نے اس پر دستخط کردیا تو اس سے واضح ہوگیا کہ وہ عدالت کی بات سے راضی ہے اور جس چیز کا وہ مالک تھا یعنی طلاق کا اس نے عدالت کو اس کے تصرف کا وکیل بنادیا، کیونکہ توکیل کے لئے ایجاب وقبول ضروری ہے اور وہ زبانی بھی ہوسکتا ہے اور لکھ کر بھی ہوسکتا ہے اور یہ تو واضح ہے کہ کوئی بھی انسان کسی تحریر کو پڑھنے اور سمجھنے کے بعد اس پر جب دستخط کرتا ہے تو اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس میں لکھی ہوئی چیزیں اس کو منظور ہیں۔

"رکن التوکیل فھو الایجاب والقبول، فالایجاب من الموکل ان یقول: وکلتک کذا أو أفعل کذا أو أذنت کذا او نحوہٗ والقبول من الوکیل أن یقول: قبلت" (بدائع الصنائع کتاب الوکالۃ ۱۰/۵)۔

(توکیل کا رکن ایجاب وقبول ہے، موکل کی جانب سے ایجاب یہ ہے کہ وہ کہے کہ میں نے تم کو فلاں چیز کا وکیل بنایا، یا کہے کہ فلاں کام کرلو یا کہے کہ میں نے تم کو فلاں چیز کی اجازت دی اور وکیل کی جانب سے قبول یہ ہے کہ وہ کہے کہ میں نے قبول کیا یا جو اس کے قائم مقام ہو وہ کہے)۔ اس کے علاوہ دوسری بات یہ ہے کہ جس طرح وکیل کی معزولی کے لئے کلام کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ کتابت کے ذریعہ بھی اس کو معزول کیا جاسکتا ہے، اسی طرح کتابت کے ذریعہ کسی کو وکیل بنانا بھی درست ہوگا۔

"ویثبت عزلہ بالمشافھۃ بہ أو بکتابۃ لہ کتابا بعزلہ" (البحر الرائق، باب عزل الوکیل ۳۱۸/۷)۔

(اور اس (وکیل) کا معزول ہونا مشافہت (کلام) کے ذریعہ یا اس کی معزولی کی کتابت کے ذریعہ ثابت ہوتا ہے)۔

لہٰذا اگر کارروائی کے بعد عدالت طلاق وفرقت کا فیصلہ کردے تو طلاق واقع ہوجائے گی مگر یہ کہ فیصلہ سے پہلے شوہر رجوع کرلے تو طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ اس کے دستخط کی حیثیت توکیل کی ہے اور وکالت میں رجوع جائز ہے۔ اگر جج غیر مسلم ہو جب بھی طلاق واقع ہوجائے گی کیونکہ سابق جواب میں گزر چکا کہ مسلمان کسی کافر کو بھی وکیل بنا سکتا ہے، لہٰذا غیر مسلم جج کا فیصلہ بھی معتبر ہوگا۔

توکیل کے علاوہ شوہر کے دستخط کی حیثیت تملیک یا تحکیم کی نہیں ہوسکتی، کیونکہ سابق جواب میں حوالوں کے ساتھ گزر چکا کہ تملیک میں رجوع جائز نہیں ہے اور یہاں صورت حال یہ ہے کہ دستخط کرنے کے بعد بھی شوہر کو اپنا فیصلہ واپس لینے کا حق حاصل ہوتا ہے، اسی لئے اس کے دستخط کی حیثیت تملیک کی نہیں ہوگی بلکہ توکیل کی ہوگی۔

اس کے دستخط کی حیثیت تحکیم کی بھی نہیں ہوگی، کیونکہ حکم کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

خلاصہ کلام:

ماحصل یہ ہے کہ شوہر کی دستخط کی حیثیت توکیل کی ہوگی اور کارروائی کے بعد عدالت اگر طلاق وفرقت کا فیصلہ کردے تو اس کا فیصلہ معتبر ہوگا اور طلاق واقع ہوجائے گی۔

۳- شوہر عدالت میں آیا ہی نہیں یا آیا تو مگر دستخط وتفویض پر تیار ہی نہیں ہوا، اس کے باوجود اگر عدالت حالات کا جائزہ لے کر طلاق وفرقت کا فیصلہ کردے تو اس کے فیصلہ کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ طلاق دینے کا حق صرف شوہر کو ہے یا اسباب فسخ وتفریق کے وقت مسلم امیر یا قاضی کو ہے، اس کے علاوہ طلاق دینے کا حق کسی کو نہیں ہے، من جانب الشرع بیوی بھی طلاق کی مالک نہیں ہے بلکہ وہ محل طلاق ہے۔

"ومحله المنكوحة وأهله زوج عاقل بالغ مستيقظ" (الدرالمختار علی الرد ۴/ ۴۳۱)۔

(اس (طلاق) کی محل منکوحہ (بیوی) ہے اور اس کا اہل عاقل بالغ بیدار شوہر ہے)۔

لہٰذا جب شوہر نے نہ خود طلاق دی اور نہ کسی کو طلاق دینے کا مالک بنایا اور نہ وکیل بنایا اس کے باوجود اگر عدالت نے فیصلہ کردیا تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ شوہر کی طرف سے کوئی آمادگی ہی نہیں پائی گئی۔

خلاصہ کلام:

خلاصہ یہ ہے کہ طلاق کا حق صرف شوہر کو حاصل ہے اور صورت مسئولہ میں نہ تو خود شوہر نے طلاق دی اور نہ ہی اس نے کسی کو طلاق دینے کا مالک بنایا اور نہ ہی کسی کو وکیل بنایا، لہٰذا ایسی صورت میں اگر عدالت طلاق وفرقت کا فیصلہ کردے تو اس کے فیصلہ کا اعتبار نہیں ہوگا اور طلاق واقع نہیں ہوگی۔

۴- غیر مسلم حکومت یا غیر مسلم عدالت میں اگر مسلمان جج ہے اور وہ اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت اس قسم کا کام بھی کرتا ہے اور مسلمان اس سے راضی ہیں تو اس کو مسلم قاضی کی حیثیت دی جاسکتی ہے اور اس حیثیت سے اس کے فیصلہ فرقت کا اعتبار بھی ہوگا، کیونکہ فقہائے کرام نے دارالکفر میں غیر مسلم فرماں روا کی طرف سے مسلمانوں کے لئے مسلم والی کے تقرر کو جائز قرار دیا ہے، لہٰذا جب اس کا قاضی ہونا جائز ہوگیا تو مسلمانوں کے حق میں اس کا فیصلہ بھی نافذ ہوگا اگر وہ تمام شرائط وقیود کے ساتھ ہو۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین رقمطراز ہیں:

"اذا ولي الكافر عليهم قاضيا ورضيه المسلمون صحت توليته بلا شبهة" (ردالمحتار، کتاب القضاء، مطلب فی حکم تولیۃ القضاء فی بلاد تغلب علیہم الکفار ۸/۴۴)۔

(جب کافر، مسلمانوں پر مسلم قاضی مقرر کرے اور مسلمان اس جج سے راضی ہوں تو اس کو مسلم قاضی کی حیثیت دی جاسکتی ہے) اس حیثیت سے اس کے فیصلہ فرقت کا بھی اعتبار ہوگا۔

۵- مسلمانوں کے جن معاملات میں قضائے قاضی شرط نہیں ہے ان میں غیر مسلم عدالتیں

اور حکام فیصلہ کر سکتے ہیں اوران فیصلوں میں مسلمان ان کا اعتبار بھی کر سکتے ہیں جیسا کہ طلاق ہے کہ اگر مسلم قاضی کے سامنے شوہر اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو طلاق واقع ہوجائے گی اور اس میں اس کے فیصلہ کی کوئی ضرورت نہیں ۔ اسی طرح غیر مسلم جج کے سامنے اگر شوہر بیوی کو طلاق دے تو وہاں پر بھی طلاق واقع ہوجائے گی اور وہ جو طلاق کے وقوع کا فیصلہ کرے گا اس کا اعتبار کیا جائے گا ، کیونکہ اصلا طلاق شوہر کی وجہ سے واقع ہوئی ، اسی طرح نکاح کہ اس میں زوجین کا ایجاب وقبول ضروری ہے پس اگر لڑکا لڑکی غیر مسلم جج کے سامنے دو مسلم گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کریں تو شرعا نکاح ہوجائے گا اور اس کے بعد کورٹ نفاذ نکاح کا جو فیصلہ کرے گا اس کا اعتبار ہوگا ، البتہ جن مسائل میں قضائے قاضی شرط ہے ان میں غیر مسلم عدالتیں اور حکام فیصلہ نہیں کر سکتے اور نہ ان کے فیصلوں کا اعتبار ہوگا جیسے کہ فسخ نکاح کہ اس میں مسلم قاضی کا فیصلہ ہی معتبر ہوگا۔

☆☆☆

غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق کے فیصلے

مفتی لطیف الرحمن ولایت علی ممبئی

اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ نظام قضا واجب ہے، ''لا خلاف بین الأئمة أن القیام بالقضاء واجب''۔ نظام قضاء کے قیام کا واجب ہونا قرآن سے بھی ثابت ہے اور حدیث سے بھی، اللہ پاک نے حضرت داؤد کو فریضہ قضاء کی ادائیگی کا حکم فرمایا: ''فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوی''۔

اور متعدد مواقع پر خود آپ ﷺ کو حکم شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم فرمایا گیا: ''فاحکم بینھم بما أنزل اللہ'' (مائدہ:۴۸)۔

حدیثوں سے بھی قضاء اور نظام قضاء کے قیام کا واضح ثبوت ملتا ہے، خود آپ ﷺ نے بہت سے مقدمات فیصل فرمائے ہیں، اور آپ نے اپنی حیات مبارکہ میں متعدد صحابہ کو عہدۂ قضاء پر مامور فرمایا ہے (قاموس الفقہ ۴/ ۵۱۲)۔

دراصل نظام قضاء کا قیام امت کا اجتماعی فریضہ ہے، اسی لئے کسی زمانہ میں اگر ایک ہی شخص اس عہدہ کا اہل ہو تو اس کے لئے اس عہدہ کو قبول کرنا واجب ہے اور قاضی مقرر کرنے کا حق اصل میں مسلمانوں کے فرماں رواں (امام المسلمین) کا ہے لیکن اگر کسی علاقہ پر غیر مسلموں کا قبضہ ہو جائے اور زمام اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ رہے تو وہاں نصب قاضی کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں: اول یہ کہ اگر حکومت نے کسی مسلمان کو مسلمانوں پر ذمہ دار مقرر کر دیا ہو تو وہ ذمہ دار

قاضیوں کا تقرر کرے، اور اگر حکومت کی طرف سے کسی مسلمان کو بحیثیت ذمہ دار مقرر نہ کیا گیا ہو تو پھر مسلمانوں پر شرعی فریضہ ہے کہ وہ خود باہمی اتفاق رائے سے ایک امیر منتخب کرلیں، اس امیر کی طرف سے قاضی کا تقرر درست ہوگا اور اگر خدانخواستہ مسلمان اپنے اوپر کسی امیر کے انتخاب میں بھی ناکام رہیں تو پھر مسلمانوں میں ارباب حل وعقد باہمی اتفاق سے کسی شخص کو قاضی مقرر کرلیں اور وہ ایسے ممالک میں شریعت کے مطابق فیصلہ کریں (قاموس الفقہ ۴/ ۵۱۳)۔

جواب ۱، ۲، ۳:

اس بارے میں شوہر کی درخواست کو تحکیم کا درجہ نہیں دیا جاسکتا اور غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر نہیں ہوگا۔ ایک کافر مسلمان کے فیصلہ کی اہلیت نہیں رکھتا، شہادت کی قبولیت کے لئے شاہد کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ شاہد میں پانچ صفات عالیہ کا ہونا ضروری ہے۔ اس میں سے ایک صفت صفت اسلام ہے۔

بدایۃ المجتہد میں ہے: "**والنظر في الشهود في ثلاثة أشياء: في الصفة، والجنس، والعدد، فاما عدد الصفات المعتبرة في قبول الشاهد بالجملة فهي خمسة: العدالت، والبلوغ، والاسلام، والحرية ونفي التهمة**" آگے علامہ ابن رشد اسلام کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: "**وأما الإسلام فاتفقوا على أنه شرط في القبول، وإنه لاتجوز شهادة الكافر**" (بدایۃ المجتہد ۴/ ۳۰۸)۔

فتاوی عالمگیری میں ہے: "**يجب أن يعلم بأن التحكيم جائز وشرط جوازه أن يكون الحكم من أهل الشهادة وقت التحكيم ووقت الحكم أيضا۔ ولايجوز تحكيم الكافر والعبد والذمي**" (۳/ ۳۹۷)۔

دکتور وہبہ الزحیلی تحریر فرماتے ہیں کہ شاہد کا عاقل، بالغ، آزاد اور مسلمان ہونا شرط ہے، بلکہ ایک لازمی صفت ہے، لہذا کافر کی شہادت مسلمان کے حق میں قبول نہیں ہوگی۔

"اتفق العلماء علی اشتراط کون الشاهد مسلماً فلا تقبل شهادة الكافر على المسلم، لانه متهم فی حقه" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/۶۰۳۶)۔ آگے تحریر فرماتے ہیں:"فقال الجمهور غير الحنابلة لاتقبل شهادتهم على المسلمين لأن الشهادة ولاية ولا ولاية للكافر على المسلم لقوله تعالىٰ: ولن يجعل الله للكافرين على المومنين سبيلا" (النساء:۴/۱۴۱،۸/۶۰۶۱)۔

حضرت فقیہ الامت اس فیصلہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: اگر لڑکی کی درخواست پر عدالت نے شوہر کو بلوا کر اس سے طلاق دلوائی اور شوہر نے اپنی زبان سے طلاق دے دی تو شرعاً طلاق واقع ہوگئی، عدت گزرنے پر لڑکی کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا حق ہے، لیکن شوہر سے طلاق نہیں دلوائی بلکہ لڑکی کی درخواست پر خود فعل مختاری کی اجازت دے دی جیسا کہ ہوتا ہے تو اس سے شرعی طلاق نہیں ہوئی، لڑکی کو دوسری جگہ نکاح کی اجازت نہیں (فتاوی محمودیہ ۱۳/ص ۱۶۵)۔ آپ اپنے فتاوی میں ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں: کہ باکرہ کے والدین نے اگر طلاق کا عدالت میں دعویٰ کیا اور عدالت نے یک طرفہ درخواست پر باکرہ کو نکاح ثانی کی اجازت دے دی تو شرعاً وہ طلاق نہیں ہوگی، نکاح فسخ نہیں ہوگا، اور باکرہ کو دوسری جگہ نکاح کا حق نہیں ہوگا اور اگر دوسری جگہ نکاح کرلیا تو حرام کاری اور معصیت ہوگی جس کا وبال دنیا و آخرت میں بہت سخت ہے (فتاویٰ محمودیہ ۱۳/۱۶۸)۔

حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوری تحریر فرماتے ہیں: سوال ہے، غیر مسلم جج تفریق کرے تو کیا شرعاً اس کا فیصلہ معتبر ہے؟ جواب میں لکھتے ہیں: غیر مسلم مجسٹریٹ کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں، لہٰذا لڑکی نکاح نہیں کرسکتی اور اگر کرلے تو وہ غیر معتبر ہے، لہٰذا اس مقدمہ کو مسلم جماعت یعنی دیندار مسلم پنچایت کے سامنے پیش کیا جائے جس میں ماہر عالم بھی ہو، یہ پنچایت شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ معاملہ کی تحقیق کرکے فسخ نکاح کا فیصلہ کرے، اب عورت شرعی نقطۂ نظر کے

بموجب آزاد ہوگی (۳۷۷)۔اس کے چند صفحات آگے حضرت مفتی صاحب نے ایسا ہی جواب ایک اور تحریر فرمایا ہے(ج۸/ ۳۸۳)۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں (غیر مسلم جج کے فیصلہ کے متعلق): اس بارے میں غیر مسلم حاکم کا فیصلہ کافی نہیں،البتہ یہ ممکن ہے کہ سیشن جج غیر مسلم سے درخواست کی جائے کہ وہ اس معاملہ کے لئے کسی مسلمان عالم کو مجاز کردے کہ وہ شرعی فیصلہ کردے اور پھر سیشن جج اس کے فیصلہ کو اپنی عدالت سے نافذ کردے (کفایت المفتی ۶/ ۱۳۲)۔

آپ دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں: اگر غیر مسلم حاکم نکاح فسخ کردے تو عورت آزاد نہ ہوگی اور دوسرا نکاح نہ کر سکے گی (۶/ ۱۶۶)۔

بہر حال عبارات مذکورہ سے اتنی بات واضح طور پر ثابت ہوگئی کہ چاہے شوہر خود غیر مسلم عدالت میں درخواست دے کہ میں اپنا رشتہ ازدواج ختم کرنا چاہتا ہوں یا دوسری صورت کہ عورت درخواست دے کہ میرا نکاح ختم کردیا جائے یا تیسری صورت عورت کی درخواست پر شوہر عدالت میں حاضر نہ ہو لیکن عدالت حالات کا جائزہ لے کر تفریق کردے تو تینوں صورتوں کا حکم یکساں ہوگا کہ طلاق نہیں پڑے گی جب تک شوہر از خود عدالت میں آکر طلاق نہ دے دے، مجموعی اعتبار سے تینوں کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ان تینوں میں اگر عورت تفریق چاہتی ہے تو اس کی فقط ایک ہی صورت ہے جس کو حضرت اقدس تھانوی نے اپنی کتاب ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں تحریر فرمایا ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں جماعت المسلمین کے سامنے پیش کرے وہ معاملہ کی شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ سے پوری تحقیق کرے اور اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔اس کے بعد بھی اگر وہ ظالم کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو طلاق

واقع کردے اس میں کسی مدت کے انتظار و مہلت کی باتفاق مالکیہ ضرورت نہیں (حیلۂ ناجزۃ ص ۸۲)۔

۴- البتہ ہندوستان یا وہ ممالک جہاں پر عدالت غیر مسلم کی ہے لیکن جج اور مجسٹریٹ مسلمان ہے تو اس کے بارے میں مولانا اشرف علی تھانویؒ ''حیلہ ناجزہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:
''اور گورنمنٹی علاقوں میں جہاں قاضی شرعی نہیں ان میں وہ حکام جج وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہو اور شرعی قاعدہ کے مطابق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہوجاتا ہے ''لما في الدر المختار: ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافراً ذکرہ مسکین وغیرہ'' (۳۱/۸ بحوالہ الحیلۃ الناجزۃ ص ۴۵)۔

امداد الفتاوی میں حضرت تھانوی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:
سوال: جن مسائل میں قضا اور قاضی کی ضرورت ہے ان میں انگریزی عدالت کا حکم و فیصلہ وہی حکم رکھتا ہے یا نہیں؟۔

جواب: اگر صاحب اجلاس مسلم ہو، وہ شرعاً قاضی ہے (۴۳۴/۳)۔

حضرت مفتی عبد الرحیم لاجپوری فتاوی رحیمیہ میں تحریر فرماتے ہیں: جہاں قاضی شرعی موجود نہ ہو وہاں اگر حکومت کی جانب سے اس قسم کے مقدمات کے تصفیہ کے اختیارات مسلم مجسٹریٹ کو حاصل ہوں اور وہ مسلم مجسٹریٹ شریعت کے موافق فیصلہ کریں تو اس کا فیصلہ بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہوجاتا ہے اور عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کرلینا درست ہوجاتا ہے (ج۸ ص ۳۸۰)۔

حضرت فقیہ الامت فتاوی محمودیہ میں تحریر فرماتے ہیں: مسلم جج کا فیصلہ جب کہ شریعت حقہ کے مطابق ہو شرعاً فسخ نکاح کے متعلق معتبر ہے (۱۷۰/۱۳)۔

علامہ ظفر عثمانی نے اپنی کتاب اعلاء السنن میں مستقل باب باندھا ہے:"باب صحة تقلد القضاء من السلطان الجائر" کہ ظالم بادشاہ کی طرف سے اگر کوئی قاضی بنا دیا جائے تو اس کا قاضی بننا درست ہے، اور پھر ظالم بادشاہ کی اطاعت کے بارے میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی حدیث نقل فرمائی ہے، اس کے بعد غیر مسلم عدالت میں مسلمان مجسٹریٹ قضاء قاضی کے قائم مقام ہے اس کے متعلق بہت اہم نکتہ تحریر فرمایا ہے: غیر مسلم حکومت میں منصب طلب کرنا تاکہ اسلامی شریعت کے مطابق قوانین جاری کر سکے درست ہے، دیکھو حضرت سیدنا یوسف علیہ الصلاۃ والسلام مصر میں کافر حکومت سے منصب کو طلب کیا، اور قرآن نے حضرت کے الفاظ یوں نقل کیا ہے:"اجعلنی علی خزائن الأرض انی حفیظ علیم" اس سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم حکومت میں مسلم جج کا قیام اور اس کا فیصلہ جب کہ شرعی ہو درست اور جائز رہے گا، اعلاء السنن میں ہے: تقلد الولایة والقضاء من کافر، یہ تو عنوان ہے، آگے تحریر فرماتے ہیں:

" ولأجل ذلک۔ واللہ اعلم۔ طلب سیدنا یوسف علیه السلام الولایة والعمل من ملک کافر فقال:"اجعلنی علی خزائن الارض إنی حفیظ علیم، وفیه دلیل علی جواز التقلد من الکافر فا لمسلم الجائر بالاولیٰ" (۱۵/۵۴)۔

البحر الرائق میں ہے:"ویجوز تقلید القضاء من السلطان العادل، والجائر ومن أهل البغي۔ وأطلق في الجائر، تشتمل المسلم، والکافر کما ذکره مسکین معزیا إلی الاصل وظاهره صحة سلطنة الکافر علی المسلمین وصحة تولیته القضاء" (۶/۳۹۴)۔

۵- سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہر مسلمان پر لازم اور ضروری ہے کہ وہ اپنے معاملات کو غیر اسلامی عدالتوں میں لیجانے سے بالکل پرہیز کریں، چاہے وہ معاملہ نکاح اور طلاق کا ہو یا خرید و فروخت اور وصیت اور وقف کا ہو، ماننے اور منوانے کا سوال تو در کنار لیجانا ہی شرعاً ممنوع

ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالی نے مومنوں کو اس بات کا پابند بنایا ہے کہ وہ اپنے نزاعات میں قانون شریعت کو حکم بنائیں اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق جو فیصلہ ہو اپنے دل میں اس سے کوئی تنگی محسوس نہ کریں، چنانچہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

"فلا وربک لایؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم ثم لایجدوا في أنفسهم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیما" (النساء:۶۵)۔

اس آیت کی وجہ سے فقہاء نے یہ بات واجب قرار دی ہے کہ اگر مسلمان ایسے ملک میں ہوں جہاں غیر مسلموں کا غلبہ ہو اور حکومت پر بھی انکا تسلط ہو تب بھی ان پر واجب ہے کہ وہ اپنے لئے امیر منتخب کریں جو ان کے باہمی مقدمات کے فیصلہ کے لئے قاضی کا تقرر کرے اور اگر حکومت اس سے جان چراتی ہو تو مسلمانوں کا شرعی فریضہ ہے کہ خود اپنے سے امیر منتخب کرلیں اور وہ امیر ان کے لئے قاضی کا تقرر کردے، لیکن اگر مسلمان بھی اس میں ناکام ہو تو پھر خود مسلمانوں کی جماعت کے ارباب حل وعقد ایک قاضی کا تقرر کرلیں اور وہ قاضی ان کے درمیان شریعت کے مطابق فیصلہ کردیں۔ اس کے علاوہ کسی مسلمان مرد یا عورت کا یہ حکم چھوڑ کر غیر اسلامی سرکاری عدالتوں کے فیصلوں کا طلب گار ہونا قطعاً ناجائز اور سخت گناہ ہوگا، اور بلاشبہ معصیت ہوگی، اور اگر ان سرکاری عدالتوں نے کسی بھی معاملہ میں مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ کر بھی لیا (مسلمان مرد اور عورت کے سرکاری عدالتوں میں مقدمہ دائر کرنے کی وجہ سے) جب بھی وہ فیصلے مردود ہوں گے اور نامقبول ہوں گے، اور شریعت کے نزدیک غلط قرار دیئے جائیں گے، لہٰذا غیر مسلم عدالتیں مسلمانوں کے معاملات میں فیصلہ کرنے کی بالکل بھی مجاز نہیں ہے اور مسلمان ان کا اعتبار بالکل بھی نہیں کرسکتے۔ دوسری جگہ قرآن میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

"یأیها الذین آمنوا أطیعوا الله وأطیعوا الرسول وأولي الأمر منکم، فإن تنازعتم في شيء فردوه إلی الله والرسول الخ" (النساء:۵۸)۔

اب یہ کفار بھلا اولوالامر میں کیسے داخل ہو سکتے ہیں، لہٰذا اگر مثال کے طور پر اگر زوجین کا مسئلہ سرکاری عدالت میں چلا جاوے اور اگر ایک کے مطابق مفید ہوا تب بھی دوسرے کے خلاف تو لازم ہے، لہٰذا اس کو بھی ہم نہیں مانیں گے، البتہ ایک صورت ہے کہ اگر ایک کافر اور مسلمان کے درمیان باہمی نزاع ہوا اور غیر مسلم جج نے مسلمان کے حق میں فیصلہ کر دیا اور واقعی میں مسلمان حق پر بھی تھا، تو یہ فیصلہ قابل قبول ہوگا اس وجہ سے نہیں کہ اس نے موافقت میں فیصلہ کر دیا بلکہ یہ تو شرعاً اس کے حق میں فیصلہ پہلے سے ہی موجود ہے، ظاہراً اس فیصلہ کی نسبت غیر مسلم جج کی طرف ہوگئی ہے۔

ردالمحتار میں ہے: ’’وإذا لم یکن سلطان ولامن یجوز التقلد منه کمافي بعض بلاد المسلمین غلب علیهم الکفار – کقرطبة الأن یجب علی المسلمین أن یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیا فیولی قاضیا ویکون هو الذی یقضی بینهم‘‘ (۸/۴۲ و ہکذا فی البحرالرائق ۱۶/۳۹۴)۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا محمد موسیٰ شمسی قاسمی☆

موجودہ دور میں مسلمان متعدد ممالک میں اقتدار سے محروم ہیں اور اقلیت کی زندگی گزار رہے ہیں، مسلمانوں کے لئے ان کی سماجی اور سیاسی زندگی میں متعدد مسائل پیدا ہو گئے ہیں، ان مسائل میں ایک اہم ترین مسئلہ باہمی نزاعات میں غیر مسلم عدالتوں سے رجوع کرنے کا ہے؛ سب سے پہلے تو یہ دیکھنا ہے کہ مسلمانوں کے لئے خدائی نظام اور شرعی قوانین پر عمل پیرا ہونا بہر صورت لازم ہے خواہ دار الکفر کا باشندہ ہو یا دار الاسلام کا، حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول ہے:

"**المسلم ملتزم بأحكام الإسلام حيث ما كان**" (ابو یوسف، بحوالہ بحث ونظر شمارہ نمبر ۳۳-۳۴ جلد نمبر ۹)۔

رب ذو الجلال نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے تمام امور میں خواہ اتفاقی ہوں یا نزاعی خدا اور اس کے رسول کے حکم کی اطاعت کریں:

"**قل أطيعوا الله والرسول فإن تولوا فإن الله لايحب ا لكافرين**" (سورۂ آل عمران:۳۲)۔

(آپ کہہ دیجئے کہ حکم مانو اللہ کا اور رسول کا پھر اگر اعراض کریں تو اللہ کو محبت نہیں کافروں سے)۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

☆ المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ۔

"یأیها الذین اٰمنوا أطیعوا اللہ وأطیعو الرسول وأولی الأمر منکم فإن تنازعتم فی شیٔ فردوہ إلی اللہ والرسول إن کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر" (سورۃ النساء:۵۹)۔

(اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں، پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو اللہ اور اس کے رسول کی طرف، اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر)۔

علامہ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"إن کنتم تومنون الخ فدل علیٰ أن من لم یتحاکم فی محل النزاع إلی الکتاب والسنة ولایرجع إلیها فی ذلک فلیس مؤمنا باللہ والیوم الآخر" (تفسیر القرآن العظیم:۴۹۱)۔

یہ آیت اس پر دال ہے کہ جو محل نزاع میں کتاب وسنت کے مطابق فیصلہ نہ کرائے اور ان دونوں کی طرف رجوع نہ کرے تو وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والا نہیں ہے۔

ان تفصیلات کے بعد اب ہم زیر بحث مسئلہ میں غور کرتے ہیں، سب سے پہلے یہ کہ غیر مسلم عدالت میں درخواست کی حیثیت شرعاً کیا ہوگی؟ اور اس کے مطابق غیر مسلم جج کے فیصلہ کا اعتبار ہوگا؟

۱-سب سے پہلے ہم تحکیم وتفویض کی تفصیل کرتے ہیں:

تحکیم: شریعت مطہرہ نے طلاق دینے کا اختیار صرف مرد ہی کو دیا ہے، البتہ زوجین کو اختیار ہے کہ اپنا معاملہ تحکیم وتفویض کے ذریعہ سے بھی حل کر سکتے ہیں:

"فابعثوا حکما من أهله وحکما من أهلها" (النساء:۳۵)۔

(تو کھڑا کردے ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے)۔

لیکن حکم صرف مسلمان ہی بن سکتا ہے جیسا کہ التفسیر الکبیر میں ہے:

"قال بعضهم: إنه هو الإمام أو من يلي من قبله ...... وقال آخرون: المراد كل واحد من صالحي الأمة" (التفسیر الکبیر ۵/ ۲۰۲)۔

(بعض نے کہا کہ وہ امام یا امام کی طرف سے کوئی والی ہو، اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد امت کے نیک افراد ہیں)۔

علامہ ابو بکر جصاص رازیؒ لکھتے ہیں:

"لايحل لمؤمن أن يتخذ كافراً ولياً في دينه" (احکام القرآن ۲/ ۱۲)۔

(کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے دین میں کسی کافر کو ولی بنائے)۔

العلامہ الإمام علاء الدین ابو الحسن علی بن خلیل الطرابلسی الحنفیؒ لکھتے ہیں:

"كل من تقبل شهادته في أمر جاز أن يكون حكما فيه ومن لا فلا" (معین الحکام: ۲۵)۔

(ہر وہ شخص جس کی شہادت کسی معاملہ میں مقبول ہو اس میں وہ حکم بن سکتا ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو نہیں بن سکتا ہے)۔

اس سے مفہوم ہوا کہ غیر مسلم مسلمانوں کے معاملات میں حکم نہیں بن سکتا ہے کیونکہ اس کے اندر اس کی اہلیت نہیں ہے۔

توکیل:

وکالت میں اسلام شرط نہیں ہے، بلکہ غیر مسلم بھی مسلمانوں کے معاملات میں وکیل بن سکتا ہے، جیسا کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کے طرز عمل سے اس کا ثبوت ملتا ہے:

"إن عبد الرحمن بن عوفؓ وهو مسلم في دار الاسلام كاتب إلى أمية

بن خلف وهو كافر في دار الحرب بتفويضه إليه لينظر فيما يتعلق به هو معنى التوكيل" (عمدۃ القاری ۸/۶۷۱)۔

(عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے (اور وہ دار الاسلام میں مسلمان تھے) امیہ بن خلف (جو دار الحرب میں کافر تھا) کو تفویض کرتے ہوئے لکھا کہ اس سے متعلق چیزوں کے بارے میں نظر رکھے، اور یہی توکیل کا مطلب ہے)۔

اس روایت کی تفسیر میں علامہ عینیؒ ابن منذر کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وقال ابن المنذر: توكيل المسلم حربيا مستامناً وتوكيل الحربي المستامن مسلما لا خلاف في جوازه" (عمدۃ القاری ۸/۶۷۱)۔

(ابن منذر نے کہا: کہ مسلم کا حربی مستامن کو اور حربی مستامن کا کسی مسلمان کو وکیل بنانے کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے)۔

اسی طرح فتاوی ہندیہ میں ہے:

"وإذا وكل المسلم أو الذمي حربيا مستامنا في دارالاسلام أو غير ذلك جاز" (فتاوی ہندیہ ۳/ ۵۶۳)۔

(اور جب مسلمان یا ذمی دار الاسلام میں حربی مستامن کو یا اس کے علاوہ کو وکیل بنایا تو جائز ہے)۔

ان تفصیلات سے نفس توکیل کا ثبوت ہورہا ہے، کہ مسلمان اپنے معاملات میں غیر مسلم کو وکیل بناسکتے ہیں، لیکن کیا یہ وکالت طلاق وفرقت میں بھی معتبر ہوسکتی ہے؟ کتب فقہ سے پتہ چلتا ہے کہ فسخ نکاح ایسا مسئلہ ہے جس میں محض اسباب فسخ کے پائے جانے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس میں قضاء قاضی بھی ضروری ہے، اور قاضی کی اہلیت کے لئے اسلام شرط ہے، علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

"ومنها الاسلام، لأن القضاء من باب الولاية بل هو أعظم الولايات وهؤلاء ليست لهم أهلية أدنى الولايات هي الشهادة، فلأن لايكون لهم أهلية أعلاها أولى" (بدائع الصنائع ۵/۳۹-۴۳۸)۔

(شرائط قضاء میں سے یہ ہے کہ قاضی مسلمان ہو، کیونکہ قضاء باب الولایات میں بڑی ولایت ہے، اور یہ (بچے، کافر، مجنون وغیرہ) ادنی ولایت کے بھی اہل نہیں ہیں اور ادنی ولایت شہادت کا درجہ ہے، پس یہ لوگ اعلی درجہ کی ولایت کے بدرجہ اولی اہل نہیں ہونگے)۔

لہذا غیر مسلم مسلم کا قاضی نہیں ہوسکتا۔ ارشاد باری ہے:

"لايتخذ المؤمنون الكافرين أولياء من دون المومنين" (آل عمران:۲۸)۔

(نہ بناویں مسلمان کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر)۔

علامہ ابوبکر جصاص رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وهو يدل على أن الكافر لايستحق الولاية على المسلم بوجه ولداً كان أو غيره" (احکام القرآن ۲/۳۱۵)۔

(اور یہ اس پر دال ہے کہ کافر مسلمان پر ولایت کا حق کسی بھی طرح سے نہیں رکھتا ہے خواہ ولد ہو یا اس کے علاوہ)۔

جائزہ:

ان تفصیلات کی روشنی میں غیر مسلم جج کو طلاق وفرقت کے سلسلے میں وکیل بنانا درست نہیں ہے، کیونکہ گرچہ ہم اپنے اعتبار سے اس کو وکیل سمجھ رہے ہیں لیکن وہ جو فیصلہ کرے گا پوری کارروائی کے بعد بحیثیت جج ہی فیصلہ کرے گا، لہذا مسلمان کا غیر مسلم عدالت میں فسخ نکاح کی درخواست کو تفویض وتحکیم قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔

لیکن دوسری طرف ہم غیر مسلم ممالک میں اقلیتی طبقہ میں بسنے والے مسلمانوں کا

جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ بعض ایسے ممالک ہیں جہاں باہمی رضامندی سے بھی طلاق دینا ممنوع ہے اور طلاق پر زوجین کے اتفاق کو باطل تصور کیا گیا ہے کیونکہ یہ عام نظام کے خلاف ہے (فقہ الاقلیات/ ۵۳)۔

اور زوجین کسی سبب کی بنیاد پر فسخ نکاح چاہتے ہیں، خود سے شوہر طلاق دیتا ہے تو قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے اور اگر عدالت سے رجوع کرتا ہے تو مذکورہ پریشانیاں درپیش ہیں، ایسی صورت میں وہ کیا کرے، جبکہ شریعت میں حرج مدفوع ہے: "ماجعل عليكم في الدين من حرج" (سورۂ حج)۔

ایسی شکل میں وہاں کے مسلمانوں کو چاہئے کہ جتنا جلد ہو سکے حکومت سے مطالبہ کر کے اپنا الگ شرعی پنچایت یا عدالت قائم کرلیں اور اپنے عائلی مسائل کے حل کے لئے وہیں سے رجوع کریں، جیسا کہ علامہ شامیؒ ارقام فرماتے ہیں:

"وفي الفتح وإذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد منه يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولي قاضياً ويكون هو الذي يقضي بينهم" (شامی ۸/ ۴۳)۔

(جب کوئی سلطان نہ ہو اور نہ وہ شخص جو اس کی طرف سے مقرر ہو تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے میں سے کسی پر اتفاق کر کے اس کو ولی بنالیں پھر وہ قاضی ہو جائے گا اور ان کے درمیان فیصلہ کرے گا)۔

لیکن جب تک شرعی عدالت قائم نہیں ہو رہی ہے اور قانونی جرم کا خدشہ بھی دامن گیر ہے تو عدالتی فیصلہ کے بعد چند باوثوق مسلمانوں کی کمیٹی تیار کر کے ان کے سامنے فسخ نکاح کرلیں۔

۲- یہیں سے دوسرا جزئیہ بھی واضح ہو گیا کہ اگر شوہر بخوشی دستخط بھی کردے اور اس کے مطابق بعد کارروائی عدالت فیصلہ کردے تو اس فیصلہ کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور نہ ہی شوہر کے دستخط

کی کوئی حیثیت ہوگی۔

۳- ایسی صورت میں غیر مسلم جج کے فسخ نکاح کا فیصلہ معتبر نہیں ہے، ان کا فسخ کیا ہوا نکاح باقی رہے گا اور نکاح ثانی جائز نہیں ہوگا۔

۴- غیر مسلم عدالت میں فیصلہ کرنے والا اگر مسلمان ہے تو اس کو مسلم حاکم و قاضی کی حیثیت دی جاسکتی ہے اور اس کے فیصلۂ فرقت کا اعتبار ہوگا، جیسا کہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافراً" (ردالمحتار کتاب القضاء ۸/ ۴۳)۔

(اور جائز ہے قضاء کو سپرد کرنا منصف اور ظالم سلطان کی طرف سے گرچہ وہ کافر ہو)۔

اس سے مفہوم ہوا کہ جس طرح عادل مسلمان بادشاہ کے مقرر کرنے سے قاضی بن جاتا ہے، اسی طرح کافر کے قاضی مقرر کرنے سے بھی شرعی قاضی ہوجائے گا۔ اور اس کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں نافذ ہوگا اور اس کے فیصلۂ فرقت کا اعتبار ہوگا۔

خلاصۂ بحث:

۱- شوہر کا غیر مسلم عدالت میں رشتۂ ازدواج کو ختم کرنے کے لئے درخواست دینے کو تفویض و تحکیم نہیں مانا جاسکتا۔ اس کی بنیاد پر غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر نہیں ہوگا۔

۲- شوہر کے دستخط کے مطابق بعد کاروائی عدالت کے فیصلہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اور نہ ہی شوہر کے دستخط کی کوئی حیثیت ہوگی۔

۳- ایسی صورت میں غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر نہیں ہے، اس کا فسخ کیا ہوا نکاح باقی ہے اور نکاح ثانی جائز نہیں ہوگا۔

مذکورہ تینوں صورتوں میں وہاں کے مسلمان حکومت سے مطالبہ کرکے اپنی شرعی عدالت

قائم کرالیں۔ اور اپنے معاملات میں وہیں سے رجوع کریں۔ لیکن جب تک شرعی عدالت قائم نہیں ہو رہی ہے اور قانونی جرم کا خدشہ بھی دامن گیر ہے، تو پہلے عدالت سے فسخ نکاح کرالیں پھر بعد میں باوثوق مسلمانوں کی کمیٹی قائم کرکے ان کے سامنے فسخ نکاح کرلیں۔

۴- غیر مسلم عدالت میں مسلمان جج مسلم حاکم وقاضی کی حیثیت دی جاسکتی ہے۔

۵- غیر مسلم عدالتیں یا حکام نے ایسی شہادتوں کی بنیاد پر فیصلہ کیا جو شرعاً غیر معتبر ہیں تو وہ فیصلہ مسلمانوں کے حق میں نافذ نہیں ہوگا، اور اگر وہ شہادتیں شرعاً معتبر ہیں تو اب یہ مقدمات دو طرح کے ہوں گے: ایک وہ جن میں محض سبب شرعی کا پایا جانا کافی ہے قاضی کا حکم ضروری نہیں ہے، تو ایسے معاملات میں غیر مسلم حاکم کا فیصلہ معتبر ہوگا، لیکن جن امور میں صرف سبب شرعی کا پایا جانا کافی نہیں ہے بلکہ قاضی کا حکم بھی ضروری ہے، تو ان میں غیر مسلم منصف کا فیصلہ معتبر نہیں ہے۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا ارشد شاداب☆

تمام علماء کا اتفاق ہے کہ جس طرح شوہر خود سے طلاق دے سکتا ہے اسی طرح کسی دوسرے کو اپنا نائب بھی بنا سکتا ہے، مثلاً شوہر کسی اجنبی سے کہتا ہے کہ میں تم کو اپنے بیوی کو طلاق دینے کا وکیل بنا تا ہوں اور وہ اجنبی طلاق دیدیتا ہے تو طلاق واقع ہوجائے گی، اسی طرح بیوی سے کہتا ہے کہ تم خود پر طلاق واقع کرسکتی ہو اور وہ طلاق واقع کر لیتی ہے، تو طلاق واقع ہوجائے گی، اس کی اصل قرآن کی یہ آیت کریمہ ہے:

''یا أیها النبی قل لأزواجک إن کنتن تردن الحیوۃ الدنیا وزینتها فتعالین أمتعکن وأسرحکن سراحاً جمیلا، وإن کنتن تردن اللہ ورسوله والدار الآخرۃ فإن اللہ أعد للمحسنت منکن أجرا عظیما'' (سورۃ الاحزاب:۲۸-۲۹)۔

(اے نبیؐ آپؐ اپنی بیویوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم دنیوی زندگی (کا عیش) اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ مال و متاع دنیوی دیدوں اور تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کردوں اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اس کے رسولؐ کو اور عالم آخرت کو تو تم میں سے نیک کرداروں کے لئے اللہ نے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے)۔

اس آیت کے تحت صاحب احکام القرآن حنفیہ کا متفقہ مسئلہ بیان کرتے ہوئے لکھتے

☆ المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ۔

ہیں:''إن اختارت زوجها فلا شئ وإن اختارت نفسها فواحدة بائنة إذا أراد الزوج الطلاق'' (احکام القرآن للجصاص ۳/۴۶۹)۔

(اگر عورت اپنے شوہر کو اختیار کرلے تو کوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر اپنے نفس کو اختیار کرے تو ایک طلاق بائن پڑے گی بشرطیکہ شوہر نے طلاق کی نیت کی ہو)۔

مصنف ابن شیبہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے موقوفا منقول ہے کہ:''إذا خير الرجل امرأته فاختارت نفسها فواحدة بائنة وإن اختارت زوجها فلا شئ''

(مصنف ابن شیبہ ۹/ ۵۸۳ مطبعہ پاکستان کراچی)۔

اس سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق تفویض کرتا ہے اور بیوی اختیار کرلیتی ہے تو بیوی پر ایک طلاق واقع ہوجاتی ہے، کیا اجنبی شخص کو بھی طلاق تفویض کیا جاسکتا ہے، اور وکیل طلاق بنایا جاسکتا ہے، تو مبسوط میں ہے:

''إذا قال لأجنبي: طلق إمرأتي فإن ذلک توكيل والتوكيل لايتوقف بالمجلس ...... ولو قال طلقها: إن شئت كان ذلک على المجلس عندنا، لايملک الإيقاع بعد قيامه عن المجلس'' (مبسوط ۲۰۲-۲۰۳)۔

(اگر اجنبی شخص سے کہا کہ میری بیوی کو طلاق دیدو تو یہ توکیل ہے اور توکیل مجلس تک محدود نہیں ہوتی ہے اور اگر کہا کہ اگر تم چاہو تو طلاق دیدو تو یہ ہمارے نزدیک مجلس تک ہی محدود رہے گا اور مجلس سے اٹھنے کے بعد ایقاع طلاق کا مالک نہیں ہوگا)۔

اس عبارت سے پتہ چلا کہ بیوی کے علاوہ دوسروں کو طلاق کا اختیار دینا بنیادی طور پر توکیل ہے اور وکالت کبھی بھی واپس لی جاسکتی ہے، لیکن اگر تیسرے شخص کے چاہت ومشیت پر طلاق کو موقوف کردیا جائے تو توکیل کے بجائے تفویض ہے، اب شوہر اس اختیار کو واپس نہیں لے سکتا، فتاوی ولوالجیہ میں ہے:''لو قال لأجنبي: طلقها إن شئت كان تمليكا حتى

اقتصر على المجلس ولايقبل الرجوع فيه" (فتاوی ولوالجیہ ۹۶/۲)۔

(اجنبی شخص سے اپنی بیوی کے بابت کہے کہ اگر چاہو تو اسے طلاق دیدو یہ تملیک ہے جو مجلس تک رہے گی اور اس میں رجوع نہیں ہوسکتا ہے)۔

فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ یہ اختیار صرف مجلس تک ہی محدود رہے گا، مجلس کے بعد کوئی اختیار باقی نہیں رہے گا، کیونکہ شرط کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ عموم کو نہیں بتاتا ہے، اگر "إن شئت" کے بجائے متی شئت (جب بھی چاہے) کہا جائے تو بعد از مجلس بھی اختیار باقی رہے گا، لہٰذا اس درخواست کو تفویض مان لیا جائے گا، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک غیر مسلم کو تفویض درست ہے یا نہیں؟

میرے خیال میں غیر مسلم کو بھی کوئی چیز تفویض کی جاسکتی ہے اور اس کو کسی معاملہ میں وکیل بنایا جاسکتا ہے، ہندیہ میں ہے:

"إذا وكل المسلم أو الذمي حربيا مستأمنا في دار الاسلام بخصومة أو بيع أو غير ذلك جاز" (ہندیہ ۵۶۳/۳)۔

امام بخاریؒ نے غیر مسلم کے وکالت کے جواز پر ایک مستقل باب قائم کیا ہے، جس سے صراحتاً پتہ چلتا ہے کہ غیر مسلم کو وکیل بنانا درست ہے، چنانچہ امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے:

"إذا وكل المسلم حربيا في دار الحرب أو في دار الإسلام" " عن عبد الرحمن بن عوفؓ قال: كاتبت أمية بن خلف كتابا بأن يحفظني في صياغتي بمكة، وأحفظه في صياغته بالمدينة" (بخاری: کتاب الوکالۃ، رقم الحدیث ۲۱۴۶)۔

(جب مسلمان کسی حربی کو دار الحرب یا دار الاسلام میں وکیل بنائے تو یہ وکیل بنانا جائز ہے، عبد الرحمٰن بن عوفؓ سے مروی ہے کہ میں نے امیہ بن خلف کو ایک خط لکھا کہ وہ مکہ میں

میرے اہل وعیال کی حفاظت کرے، میں مدینہ میں اس کے اہل وعیال کی حفاظت کروں گا)۔

اس حدیث کی تشریح میں علامہ ابن ملقن تحریر فرماتے ہیں:

"وما ترجم البخاری لائح، وهو جواز توكيل المسلم الحربی المستامن وكذا توكيل الحربی المستامن المسلم" (التوضیح لابن ملقن ۱۵/ ۱۶۲ مطبوعہ قطر)۔

(امام بخاریؒ نے جو ترجمۃ الباب باندھا ہے وہ بہت ہی مناسب ہے، وہ یہ ہے کہ مسلمان کے لئے حربی مستامن کو وکیل بنانا جائز ہے، اسی طرح حربی مستامن مسلمان کو وکیل بنا سکتا ہے)۔

عمدۃ القاری میں ہے: **"قال ابن المنذر: توكيل المسلم حربيا مستامنا وتوكيل الحربی المستامن مسلما لاخلاف فی جوازه"** (عمدۃ القاری ۸/ ۱۷۱)۔

ان تمام عبارتوں سے واضح ہو گیا کہ غیر مسلم کو اپنا معاملہ تفویض کرنا اور اپنا وکیل بنانا درست و جائز ہے۔

غیر مسلم جج کو حکم بنانا:

اگر غیر مسلم عدالت کا جج بھی غیر مسلم ہے تو پھر اس کو مسلمانوں کے حق میں حکم بنانا درست نہیں ہوگا، کیونکہ فقہاء نے حکم میں "اسلام" کی شرط لگائی ہے، جو یہاں مفقود ہے۔ چنانچہ معین الحکام میں ہے:

"كل من تقبل شهادته فی أمر جاز أن يكون حكما ومن لا فلا بأن حكم عبداً، ذميا أو صبيا ثم أسلم أو اعتق أو بلغ الصبی ثم حكم لم يجز" (معین الحکام: ۵۲)۔

(ہر وہ شخص جس کی گواہی کسی معاملہ میں قبول کی جا سکتی ہے وہ شخص اس معاملہ میں حکم

بھی بن سکتا ہے، جو گواہ نہیں بن سکتا اس کو حکم بنانا بھی درست نہیں ہے۔ اگر فریقین نے کسی غلام، غیر مسلم یا نابالغ کو حکم بنایا، پھر کافر اسلام لے آیا، غلام آزاد ہو گیا اور بچہ بالغ ہونے کے بعد فیصلہ کیا تو یہ فیصلہ درست نہیں ہوگا)۔

اس سے پتہ چلا کہ غیر مسلم کو حکم نہیں مان سکتے ہیں، کیونکہ اس میں "حکم" بننے کے شرائط میں سے ایک اہم شرط اسلام موجود نہیں ہے، البتہ اس درخواست کو تفویض و توکیل مان کر غیر مسلم جج کے فیصلہ کو معتبر قرار دیا جاسکتا ہے۔

۲- عورت درخواست کے ذریعہ رشتۂ نکاح ختم کرنے کا مطالبہ کرتی ہے اور عدالت اس پر شوہر سے دستخط لیتی ہے کہ طلاق کے سلسلے میں عدالت کا جو فیصلہ ہوگا وہ ہم کو منظور ہوگا اور کاروائی کے بعد عدالت جدائیگی کا فیصلہ کرتی ہے تو یہ فیصلہ درست ہوگا، اور اس کو طلاق سمجھا جائے گا، اور شوہر کے دستخط کو توکیل طلاق مان کر عورت پر ایک طلاق واقع ہوگی، گویا یہ طلاق خود شوہر نے اپنی بیوی کو دی ہے۔ جیسا کہ گذشتہ عبارتوں سے وضاحت ہو چکی ہے۔

۳- اسلامی نقطۂ نظر سے مسلمانوں پر غیر مسلم قاضی نہیں ہوسکتا، فقہاء کے یہاں اس سلسلے میں صراحت موجود ہے، اس لئے غیر مسلم جج کی طرف سے فسخ نکاح کر دیا جائے تو شرعاً اس کا اعتبار نہیں ہے، اصل یہ ہے کہ ایک بار نکاح وجود میں آجانے کے بعد پھر شوہر ہی اس رشتہ کو ختم کرنے کا اختیار رکھتا ہے، لیکن چونکہ قاضی کو مسلمانوں پر عمومی ولایت حاصل ہوتی ہے، اس لئے وہ بحیثیت ولی عورت سے ظلم دفع کرنے کے لئے نکاح کو فسخ کرسکتا ہے۔ اور اس بات پر اجماع ہے کہ غیر مسلم کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں ہے۔ بلکہ اگر باپ (نعوذ باللہ) مرتد ہو جائے تو مسلمان بیٹے پر اس کی ولایت باقی نہیں رہے گی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

"لایتخذ المؤمنون الکفرین أولیاء من دون المؤمنین ومن یفعل ذلک

فليس من الله في شيء إلا أن تتقوا منهم تقة" (آل عمران:۲۸)۔

اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا" (نساء:۱۴۱)۔

امام ابوبکر جصاصؒ اس آیت کے تفسیر میں لکھتے ہیں:

"واقتضت الآية النهي عن الاستنصار بالكفار والاستعانة بهم والركون إليهم والثقة بهم وهو يدل على أن الكافر لايستحق الولاية على المسلم بوجه كان أو غيره" (احکام القرآن للجصاص ۲/۳۶۵)۔

(آیت میں کفار سے استعانت و مدد طلب کرنے اور ان پر بھروسہ واعتماد کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس سے پتہ چلا کہ کافروں کو مسلمانوں پر کسی بھی صورت میں ولایت حاصل نہیں ہو سکتی)۔

بدائع الصنائع میں ہے:

"الصلاحية للقضاء لها شرائط: منها العقل والبلوغ والإسلام والحرية ...... فلايجوز تقليد المجنون والصبي والكافر والعبد" (بدائع الصنائع ۵/۴۳۸)۔

(یعنی اہلیت قضاء کے لئے چند شرطیں ہیں اور وہ یہ ہیں: عقل، بلوغ، اسلام اور آزاد ہونا لہذا پاگل، نابالغ، کافر اور غلام کو منصب قضاء سپرد کرنا جائز نہیں ہے)۔

شامی میں ہے:

"قوله أهله الشهادة: أن شروط الشهادة من الإسلام والعقل والبلوغ والحرية" (شامی ۸/۲۳)۔

(قضاء کا اہل وہی ہے جو شہادت کا اہل ہے اور شہادت کے شرائط میں سے یہ ہے کہ مسلمان ہو عاقل ہو بالغ ہو اور آزاد ہو)۔

قضاء کی مشہور کتاب معین الحکام میں ہے:

"کل من صلح شاهدا صلح قاضیا ومن لا فلا" (معین الحکام ۲۵)۔

(ہر وہ شخص جو گواہ بن سکتا ہے وہ قاضی بھی بن سکتا ہے اور جو گواہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے وہ قاضی بھی نہیں بن سکتا ہے)۔

ان تمام عبارتوں سے پتہ چلا کہ غیر مسلم مسلمانوں کے حق میں قاضی نہیں بن سکتا، اس لئے غیر مسلم جج کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں معتبر نہ ہوگا۔

چنانچہ شامی میں ہے: "**وبه علم أن تقليد الكافر صحيح، وإن لم يصح قضاؤه على المسلم حال كفره**" (ردالمحتار ۸/۴۲)۔

(اس سے پتہ چلا کہ کافر کو قاضی بنانا درست ہے، اگر چہ حالت کفر میں مسلمانوں کے خلاف اس کا فیصلہ درست نہیں ہے)۔

لہذا عورت غیر مسلم عدالت میں تفریق کے لئے درخواست دیتی ہے، اور شوہر کے مرضی کے خلاف عدالت تفریق کر دیتی ہے تو عدالت کا یہ فیصلہ غیر معتبر ہوگا۔ خواہ وہ فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق ہی کیوں نہ ہو، اور وہ عورت اپنے شوہر کے نکاح میں علی حالہ باقی رہے گی۔

اب چونکہ عورت غیر اسلامی عدالت سے رجوع نہیں کر سکتی ہے اور وہاں کوئی اسلامی دارالقضاء بھی نہیں ہے تو اب چھٹکارا کی کیا صورت ہوگی؟

اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی دو صورتیں ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ شرعی کمیٹی قائم کی جائے جس میں کم از کم تین آدمی ہوں اور وہ احکام شرعیہ سے بھی واقف کار ہوں، تو یہ جماعت قاضی کے قائم مقام ہوگی، اور وہ مسلمانوں کے خصومات کا فیصلہ کر سکتی ہے، دوسری صورت نکاح کے وقت تفویض طلاق کی ہے، خواہ ایجاب وقبول ہی میں تفویض طلاق کر دیا جائے یا نکاح سے پہلے ہی تفویض پر معاہدہ ہو جائے اور کابین نامہ پر فریقین کے دستخط ہو جائیں۔

۴- اگر جج غیر مسلم حکومت اور غیر مسلم عدالت کا ہے مگر مسلمان ہے تو اس کو مسلم حاکم وقاضی کی حیثیت دی جاسکتی ہے؟ اس بارے میں اصل یہ دیکھنا ہے کہ غیر مسلم کسی مسلمان کو قاضی متعین کرسکتا ہے یا نہیں؟ فقہاء کرام کی عبارتوں سے اس کی صراحت ملتی ہے کہ غیر مسلم مسلمانوں کے لئے مسلم قاضی متعین کرسکتا ہے۔ اور وہ قاضی شرعی ہوگا اور اس کا کیا ہوا فیصلہ معتبر ہوگا۔

چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

''ولكن إذا ولي الكافر قاضيا ورضيه المسلمون صحت توليته بلا شبهة'' (رد المحتار ۸/۴۴)۔

علامہ شامیؒ فتح القدیر و بحر الرائق کے حوالہ سے اس مسئلہ پر بحث کرنے کے بعد آخر میں خلاصہ کلام تحریر کرتے ہیں:

''ثم أن الظاهر أن البلاد التي ليست تحت حكم سلطان بل لهم أمير منهم مستقل بالحكم عليهم بالتغليب أو باتفاقهم عليه يكون ذلک الأمير في حكم السلطان، فيصح منه تولية القاضي عليهم'' (شامی ۸/۴۴)۔

(خلاصۂ کلام یہ کہ ایسے ممالک جو کسی سلطان کے تحت نہیں ہے بلکہ کافروں میں سے ہی مسلمانوں کا بھی امیر ہے خواہ غلبہ کے وجہ سے ہو یا لوگوں کے اس پر اتفاق کر لینے کی وجہ سے ہو تو ایسا امیر سلطان کے حکم میں ہوگا، چنانچہ اس کا مسلمانوں پر قاضی مقرر کرنا درست ہے)۔

اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں مفتی کفایت اللہ صاحب لکھتے ہیں: ''ہاں! ضرورۃً انگریزی عدالتوں کے مسلم جج یا منصف قائم مقام قاضی شرعی کے ہوسکتے ہیں غیر مسلم حکومت کی عدالت کے حاکم کا یہ فیصلہ درست ہوگا بشرطیکہ حاکم مسلمان ہو'' (کفایت المفتی ۶/۱۳۴)۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ بھی اسی کے قائل نظر آتے ہیں: ''حکومت کے علاقوں میں

جن مقامات پر شرعی قاضی نہیں ہیں ان میں وہ حکام، جج اور مجسٹریٹ وغیرہ جو کہ گورنمنٹ کے جانب سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، اگر وہ مسلمان ہوں اور وہ قانونی شریعت کے مطابق فیصلہ کریں تو ان کا فیصلہ بھی شرعی قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے" (الحیلۃ الناجزۃ:۶۰)۔

اور الدر المختار میں ہے:

"ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کان کافرا"

(الدر مع الرد ۸/ ۴۲)۔

(عادل اور ظالم وجابر حاکم اگرچہ کافر ہو اس کا قاضی مقرر کرنا درست وجائز ہے)۔

ان تمام تفصیلات سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم حاکم کی طرف سے مقرر کردہ جج اگر مسلمان ہے تو اس کو مسلم حاکم وقاضی کی حیثیت دی جاسکتی ہے۔ اگر وہ شرعی قانون کے مطابق فیصلہ کرے تو مسلمانوں کے حق میں اس کا فیصلہ بھی معتبر ہوگا۔

۵- غیر مسلم عدالتیں اور حکام کس حد تک مسلمانوں کے معاملات میں فیصلہ کر سکتے ہیں؟

سب سے پہلے ہم کو غیر مسلم عدالتوں کا جائزہ لینا ہوگا، کیونکہ ان کے یہاں جو قوانین مرتب و مروج ہیں اسی کے مطابق فیصلہ کریں گے، اس لئے قوی امکان ہے کہ عدالت نے اپنے فیصلہ کی بنیاد جن چیزوں پر رکھی ہو وہ کبھی اسلامی اصول وضوابط سے ہم آہنگ ہوں گے اور کبھی متصادم ہوں گے۔

لہٰذا اگر حاکم نے ایسی شہادتوں کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہے جو شرعاً غیر معتبر ہیں تو وہ فیصلہ مسلمانوں کے حق میں نافذ نہیں ہوگا، اور فریقین کے لئے اس سے استفادہ کرنا شرعی طور پر ناجائز ہوگا، جیسا کہ بخاری میں ہے:

"من قضی له بحق أخیه فلا یأخذه فإن قضاء الحاکم لایحل حراما

ولایحرم حلالاً" (رواہ البخاری ۲/ ۱۰۶۴)۔

(جس کے لئے اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کردیا گیا تو وہ اس کو نہ لے کیونکہ حاکم کا فیصلہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرتا ہے)۔

لیکن جن فیصلوں کی بنیاد ایسی شہادتوں پر ہو جو شریعت کے نظر میں معتبر ہو، تو اب مقدمات دو طرح کے ہیں: ایک وہ جن میں محض سبب شرعی کا پایا جانا کافی ہے، قاضی کا حکم ضروری نہیں ہے، تو ایسے معاملات میں غیر مسلم حاکم کا فیصلہ معتبر ہوگا، جن امور میں سبب شرعیہ کا پایا جانا کافی نہیں ہے بلکہ قاضی کا حکم بھی ضروری ہے ان میں غیر مسلم حاکم کا فیصلہ معتبر نہیں ہے۔ پہلے مقدمہ کی مثال مورث کی موت سے ورثاء کے لئے میراث کا حق اور خرید وفروخت کی وجہ سے مبیع پر خریدار کی ملکیت وغیرہ اور دوسرے مقدمہ کی مثال فسخ نکاح کا معاملہ ہے، اس میں محض اسباب فسخ کا پایا جانا کافی نہیں ہے بلکہ قضاء قاضی بھی ضروری ہے (بحث ونظر: شمارہ ۵۱)۔

خلاصۂ بحث:

۱- طلاق شوہر کا حق ہے جس طرح شوہر خود طلاق دے سکتا ہے اسی طرح بیوی کو طلاق تفویض کرسکتا ہے اور دوسرے کو اپنے بیوی پر طلاق واقع کرنے کا وکیل بھی بنا سکتا ہے، اگر یہ دوسرا شخص اس کی بیوی کو طلاق دیتا ہے یا بیوی تفویض کو اختیار کر لیتی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

۲- اگر اجنبی شخص کے مشیت پر معلق کردے تو یہ تفویض ہے شوہر اس کو واپس نہیں لے سکتا ہے لیکن یہ مجلس تک محدود رہے گا، البتہ اگر عام لفظ استعمال کیا گیا ہے تو مجلس کے بعد بھی اختیار رہے گا۔

۳- غیر مسلم کو وکیل بنانا درست ہے، لہٰذا شوہر کے عدالت میں داخل کردہ درخواست کو تفویض وتوکیل مانا جائے گا، اس طرح غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر ہوگا۔

۴-غیر مسلم جج کو حکم ماننا درست نہیں ہے کیونکہ حکم بننے کے لئے اسلام شرط ہے جو یہاں مفقود ہے۔

۵-شوہر کے دستخط کو وکالت مان کر عورت پر ایک طلاق واقع کردی جائے گی۔

۶-عورت غیر مسلم عدالت میں تفریق کے لئے درخواست دیتی ہے اور شوہر کی مرضی کے خلاف عدالت تفریق کر دیتی ہے تو عدالت کا یہ فیصلہ غیر معتبر ہوگا، خواہ وہ فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق ہی کیوں نہ ہو۔

۷-اگر تفریق کی ضرورت پڑ جائے اور کوئی مسلم قاضی نہ ہو تو شرعی کمیٹی یا نکاح کے وقت تفویض طلاق کے ذریعہ علیحدگی اختیار کی جاسکتی ہے۔

۸-غیر مسلم حاکم کی طرف سے مقرر کردہ مسلم جج ''مسلم حاکم و قاضی'' کے مرتبہ میں مانا جاسکتا ہے اگر وہ شرعی قانون کے مطابق فیصلہ کرے تو مسلمانوں کے حق میں اس کا فیصلہ بھی معتبر ہوگا۔

۹-اگر مقدمہ ایسا ہے جن میں صرف سبب شرعی کا پایا جانا کافی ہے اور قاضی کا حکم ضروری نہیں ہے تو ایسے معاملات میں غیر مسلم حاکم کا فیصلہ معتبر ہوگا۔ جن امور میں سبب شرعی کا پایا جانا کافی نہیں ہے بلکہ قاضی کا حکم بھی ضروری ہے تو ان میں غیر مسلم حاکم کا فیصلہ معتبر نہ ہوگا۔

۱۰-جہاں غیر مسلموں کا غلبہ ہے وہاں رہنے والے مسلمانوں سے ایک ہمدردانہ اپیل یہ ہے کہ وہ امارت شرعیہ کے قیام کی کوشش کریں۔

☆☆☆

جدید فقہی تحقیقات

تیسرا باب

مختصر تحریریں

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کا مسئلہ

مفتی شیر علی گجراتی ☆

شریعت اسلامیہ نے رشتۂ ازدواج کو ختم کرنے کا حق شوہر ہی کو دیا ہے، شوہر کے علاوہ کسی اور کو یہ حق شوہر کی طرف سے اس کی نیابت ہی میں حاصل ہوتا ہے، پس اگر یہ نیابت مسلمان حاکم کو حاصل ہو تو اس کے فیصلہ کا اعتبار شرعاً متفق علیہ ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر وہ حاکم مسلمان نہ ہو تو پھر شرعاً اس کا فیصلہ معتبر ہوگا یا نہیں؟

رشتۂ نکاح کے انقطاع کی مختلف صورتیں سوالنامہ میں مذکور ہیں، ہر شکل کا حکم جداگانہ لکھا جاتا ہے:

۱- اگر غیر مسلم عدالت میں شوہر اپنے رشتۂ نکاح کے انقطاع کی درخواست دیتا ہے اور پھر عدالت ضابطہ کی کارروائی کے بعد طلاق وفرقت کا فیصلہ کرتی ہے تو عدالت کے اس فیصلہ کا اعتبار نہ ہوگا، شوہر سے کہا جائے گا کہ اگر وہ فرقت کا خواستگار ہے تو وہ از خود اپنے رشتۂ نکاح کو ختم کردے، اس کو اس سلسلہ میں عدالت کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

۲- دوسری صورت کہ جس میں عورت اپنی طرف سے غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتی ہے کہ میرا رشتۂ نکاح ختم کردیا جائے، چنانچہ عدالت شوہر کو بلاتی ہے اور اس سے اس بات پر دستخط لیتی ہے کہ جو فیصلہ عدالت کی طرف سے کیا جائے گا تم کو منظور کرنا ہوگا، پھر باضابطہ کاروائی کے

☆ فلاح دارین ترکیسر، گجرات۔

بعد علاحدگی کا فیصلہ کیا جاتا ہے، اس شکل میں جبکہ شوہر فرقت کے لئے دستخط پر رضامند ہے تو صرف اس کا دستخط کرنا کافی نہیں سمجھا جائے گا بلکہ شوہر کو چاہئے کہ وہ ازخود زبان سے طلاق دے کر رشتۂ نکاح کو ختم کردے۔

۳- تیسری صورت کہ جس میں عورت کی طرف سے فرقت کی درخواست دی گئی اور عدالت نے شوہر کو بلایا لیکن وہ حاضر نہ ہوا یا حاضر تو ہوا لیکن دستخط وتفویض کے لئے تیار نہ ہوا، عدالت نے اس کے باوجود حالات کا جائزہ لیکر تفریق کا فیصلہ کردیا، تو عدالت کا یہ فیصلہ معتبر نہ ہوگا، اس لئے کہ فرقت وطلاق کا یہ حق شریعت کی طرف سے شوہر ہی کو دیا گیا ہے، جب شوہر رضامند نہیں ہے تو عدالت کی طرف سے فرقت کا فیصلہ معتبر نہ سمجھا جائے گا۔

رہا سوال یہ کہ پھر عورت اپنے اس مسئلہ کا حل کیسے نکالے، اس لئے کہ بعض اوقات شوہر کی طرف سے اس کے حقوق کی ادائیگی نہیں ہوتی ہے اور وہ فرقت چاہتی ہے۔

اس قسم کے مسائل کے حل کے لئے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ خود اپنے درمیان کسی مسلمان کو والی مقرر کریں اور مسلم پرسنل قوانین میں اس کے ذریعہ سے تمام مسائل حل کئے جائیں، چنانچہ وہی قاضی مقرر کرے گا، امام وشرعی پنچایت کا انتظام کرے گا، اس طرح حاکم ووالی کے ذریعہ مسلمانوں کے تمام مسائل کو حل کیا جائے گا، بہر حال فرقت وطلاق، نکاح وغیرہ اسلامی پرسنل قوانین میں کسی غیر مسلم کا فیصلہ معتبر نہ سمجھا جائے گا۔

مشہور فقیہ علامہ ابن عابدین شامی رقم طراز ہیں:

”وفي الفتح: إذا لم يكن سلطان ولامن يجوز التقلد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الآن، يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه والياً فيولي قاضياً ويكون هو الذي يقضي بينهم وكذا ينصبوا اماماً يصلي بهم الجمعة اهـ. وهذا هو الذي تطمئن إليه

النفس فليعتمد نهر" (شامی ۸/۴۴-۴۳ط:زکریا دیوبند)۔

(جب کسی جگہ نہ سلطان ہو اور نہ ایسا شخص ہو کہ جس کے ذریعہ قضاء وغیرہ کی ذمہ داری قبول کی جاسکتی ہو، جیسے قرطبہ وغیرہ کہ وہاں پر کفاروں کا غلبہ ہے تو اس صورت حال میں مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے درمیان کسی کو والی مقرر کریں کہ پھر وہ شخص کسی کو قاضی مقرر کرے گا اور پھر وہی قاضی ان کے درمیان فیصلہ کرے گا، اسی طرح ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ امام متعین کریں کہ وہ ان کو جمعہ کی نماز پڑھائے (انتہی) نیز النہر الفائق سے نقل کیا ہے کہ یہی رائے جی کو لگتی ہے چنانچہ اسی پر اعتماد کیا جائے گا)۔

۴- چوتھی صورت کہ جس میں جج اگر چہ غیر مسلم عدالت کا ہو لیکن وہ مسلمان ہو تو کیا اس کے فیصلہ کا اعتبار ہوگا؟

اس سلسلہ میں جبکہ غیر مسلم عدالت کا جج مسلمان ہو تو دیکھا یہ جائے گا کہ اس مسلمان جج کا فیصلہ مذہبی قانون کی رو سے درست ہے یا نہیں؟

اگر مذہبی قانون کی رو سے درست ہو تو اس کا فیصلہ معتبر سمجھا جائے گا، لیکن اگر قوانین کی رو سے شریعت کے خلاف ہو تو اس کا یہ فیصلہ معتبر نہ ہوگا۔

رہی یہ بات کہ غیر مسلم عدالتیں اور حکام کس حد تک مسلمانوں کے معاملات میں فیصلے کر سکتے ہیں، یا کس حد تک ان کے فیصلوں کا اعتبار مسلمان کر سکتے ہیں؟

جیسا کہ یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ اس وقت زیادہ تر حکومتیں جمہوری ہیں اور وہ حکومتیں مفاد عامہ کو ملحوظ رکھ کر قوانین وضع کرتی ہیں، چنانچہ ان کے فیصلے اور قوانین امور دنیویہ میں معتبر ہوں گے بشرطیکہ وہ شرعی قوانین سے متصادم نہ ہوں۔

اور اگر وہ متصادم ہوں تو پھر ایسے مسائل کا حل شرعی عدالتوں کے ذریعہ کیا جائے گا۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا زبیر احمد قاسمی☆

عنوان بالا سے متعلق پہلے سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شوہر جسے شریعت نے بنفس خود طلاق دیکر بیوی کو جدا کر دینے کا حق دیا ہے، اپنی کسی مصلحت یا مجبوری کے تحت خود طلاق نہ دیکر غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتا ہے کہ میں اپنے رشتہ نکاح کو ختم کرنا چاہتا ہوں، لہٰذا میرے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کر دیا جائے۔ اور اس کے بعد عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد طلاق وفرقت کا فیصلہ کر دیتی ہے تو اس صورت کا کیا حکم ہوگا؟ الی آخرہ۔

میرے خیال میں چونکہ تحکیم میں اولاً رضاء فریقین ضروری ہے ثانیاً کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کو اپنا حکم بنا ہی نہیں سکتا، چنانچہ فقہاء کی صراحت ہے: **"لأن الحكم بمنزله القاضي فيما بينهما فتشترط أهلية القضاء فلا يجوز تحكيم الكافر"** (ہدایہ ثالث ۱۲۷)۔

اس لئے مذکورہ بالا صورت میں درخواست دینے کو تحکیم تو نہیں کہا جا سکتا، ہاں اس کو تفویض وتوکیل کہا جا سکتا ہے، کتب فقہ میں **"التوكيل صحيح لرجل كافرا و مرتدا"** جیسی عبارت موجود ہے اور پھر یہ بھی مسلم ہے کہ تفویض طلاق اگر خود بیوی کو کیا جائے تو یہ تملیک طلاق ہو کر مجلس کے ساتھ مقید ہو جاتی ہے لیکن کسی مرد ثالث کو کیا جائے تو یہ توکیل طلاق ہو کر مقید بالمجلس بھی نہیں ہوتی ہے، اس طرح صورت مسئولہ میں اس غیر مسلم جج کا فیصلہ نافذ قابل اعتبار ہوگا۔

☆ ناظم جامعہ اشرف العلوم کنہواں سیتامڑھی۔

دوسرے سوال کا حاصل یہ ہے کہ غیر مسلم عدالت میں بیوی ہی درخواست دیتی ہے کہ میرا رشتہ نکاح ختم کر دیا جائے اور عدالت شوہر کو بلا کر کہتی ہے کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور کرنا ہوگا اور اس پر شوہر سے دستخط لے لیتی ہے اور کارروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ کیا جاتا ہے تو اس فیصلہ کا کیا حکم ہوگا؟ اور شوہر کے دستخط کی کیا حیثیت ہوگی؟

اس صورت حال کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ جب شوہر علی الاطلاق ہر فیصلہ کی منظوری دیکر اپنا دستخط کر دیتا ہے تو اسکی حقیقت وحیثیت یوں نکلے گی کہ شوہر اس رفع نزاع کی ہر متوقع صورت خواہ بشکل تفریق وعلاحدگی ہی ہو اس کا مکمل اختیار اور علی الاطلاق حق حاکم کو دیکر گویا تفویض تفریق تک بھی کر دیتا ہے، اس لئے جب حاکم کارروائی کے بعد رفع نزاع کو تفریق و علیحدگی میں مضمر جان کر علیحدگی کا فیصلہ کر دے گا تو یہ بھی نافذ وقابل اعتبار ہوگا اور شوہر کو تسلیم کرنا ہوگا کیونکہ اس نے پہلے ہی علی الاطلاق ہر فیصلہ کو تسلیم کرنے کا دستخط جو متضمن توکیل وتفویض فرقت تھا، کر کے التزام تسلیم بھی کر چکا ہے۔

تیسری صورت جس میں عورت کی درخواست تفریق کے بعد شوہر عدالت میں آیا ہی نہیں یا آیا بھی تو حاکم کے ہر فیصلہ کو تسلیم کرنے کا نہ التزام کیا نہ منظوری کا دستخط کیا اور حاکم کے فیصلہ تفریق کے بعد بھی اسے تسلیم کرنے پر آمادہ بھی نہیں تو چونکہ اس صورت میں شوہر کی طرف سے ضمنا بھی تفریق کی تفویض وتوکیل نہیں پائی گئی، اس لئے غیر مسلم حاکم کا فیصلہ تفریق ناقابل اعتبار اور غیر نافذ ہوگا۔

جب ہمارے بعض اکابر مثلاً حضرت اشرف علی تھانوی، مفتی کفایت اللہ اور حسین احمد مدنی علیہم الرحمہ وغیرہم تقلید قضا من الکافر کے جواز وصحت کی طرف رجحان رکھتے تھے تو اس بنیاد پر غیر مسلم حکومت کا متعین کردہ جج اگر مسلمان ہے تو اسکو مسلم قاضی وحاکم کا درجہ دیا جاسکتا ہے اور اس حیثیت سے اس کے فیصلہ فرقت کا اعتبار ہو جانا چاہئے۔

ہمارے خیال میں نزاع کی ہر وہ صورت جس میں قضاء قاضی کو شرط کی حیثیت حاصل ہو، مثلاً خیار بلوغ و خیار کفاءت کی بنا پر فسخ نکاح والی صورت ہے تو اس میں کسی غیر مسلم حاکم و جج کے فیصلوں کا کسی مسلمان کو بالکلیہ اعتبار ہی نہیں کرنا چاہئے۔

اس کے علاوہ دیگر نزاعی امور میں اگر فیصلہ مسلمان کے حق میں ہو مگر خلاف شرع ہو تب بھی فیصلہ کے مطابق مسلمانوں کے لئے عمل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ لیکن جب خلاف شرع فیصلہ مسلمان کے اوپر لاگو کیا جائے تو رفعاً للنزاع اور فتنہ و فساد کے باب کو بند کرنے کی نیت سے اسی فیصلہ کو تسلیم کر لینے کی گنجائش دی جا سکتی ہے۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق وتفریق

مولانا محمد قاسم مظفر پوری☆

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمان جن اہم شرعی مسائل سے دو چار ہیں، ان میں ایک اہم مسئلہ ان کے باہمی عائلی مسائل میں ان ممالک کی عدالت کے فیصلہ کی حیثیت کا ہے، فقہاء کی تصریحات کے مطابق زوجین کے درمیان طلاق وتفریق کے معاملہ میں قاضی شرعی کا فیصلہ ہی معتبر مانا جاسکتا ہے، جب کہ ان ممالک میں اسلامی نظام حکومت کے نہ ہونے کی وجہ سے قاضی شرع کا وہ تصور ہی ناممکن ہے جن کی تصریح فقہاء کرام نے کی ہے۔

اب لاکھوں کی تعداد میں بسنے والے ان ممالک کے مسلم باشندے اپنی ان عائلی مسائل میں کسی جماعت المسلمین یا شرعی امارت کے نہ ہونے کی وجہ سے ان ممالک کی عدالتوں کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور ان کے ذریعہ طلاق فسخ جیسے احکام صادر ہوتے ہیں، تو کیا طلاق و فسخ جیسے معاملات میں ان عدالتوں کا فیصلہ ایک شرعی فیصلہ سمجھا جائے گا، اور اس فیصلہ کی بنیاد پر زوجین کے درمیان تفریق ہوجائے گی۔

زیر نظر مسئلہ میں غور وفکر سے پہلے بنیادی طور پر اس مسئلہ کی اصل بنیاد پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ قاضی شرع کے کیا شرائط ہیں، اس سلسلہ میں فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک قاضی کے لئے وہی شرائط ہیں، جو ایک گواہ کے ہیں، صاحب ہدایہ لکھتے ہیں: "**وما يشترط لأهلية**

☆ نائب صدر، المعہد العالی الاسلامی، امارت شرعیہ، پٹنہ۔

الشهادة يشترط لأهلية القضاء" (ہدایہ ۳/ ۱۱۲)، یعنی جس شخص کے اندر گواہ بننے کی اہلیت ہے ایسا شخص قاضی بھی بننے کی اہلیت رکھتا ہے۔

اب یہاں فقہاء کرام کے اس جزئیہ پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا ایک غیر مسلم آدمی کی گواہی مسلمان کے حق میں قبول کی جاسکتی ہے، اور کسی واقعہ میں اگر مسلمان گواہ موجود نہ ہوں تو کیا غیر مسلم شخص کو گواہ بنایا جاسکتا ہے، امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی علیہم الرحمہ کے نزدیک غیر مسلموں کو گواہ بنانا مطلقاً ناجائز ہے، ان حضرات نے آیت قرآنی "لن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا" (النساء: ۱۴۱) سے استدلال کیا ہے، کہ گواہی ایک درجہ میں ولایت کی حیثیت رکھتی ہے اور کافروں کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ آیت اس مسئلہ پر نص صریح نہیں ہے، چنانچہ عام طور پر مفسرین کرام نے اس آیت میں کافروں کی مسلمانوں پر بالادستی کے نہ ہونے سے ان کا مسلمانوں کو غلام بنانا مراد لیا ہے، علامہ قرطبی اس آیت کے ذیل میں یہی لکھتے ہیں: "يريد الاسترقاق والملك والعبودية ملكا مستقرا دائما" (الجامع لأحکام القرآن ۷/ ۱۹۰)۔

اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبلؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر مسلمان گواہ موجود نہ ہوں تو ضرورتاً کافر کو بھی گواہ بنایا جاسکتا ہے، "وأجازها الحنابلة في السفر للضرورة إذا لم يوجد غيرهم وكذا في كل ضرورة حضراً و سفراً" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۶/ ۵۰۴)۔

امام احمدؒ نے آیت قرآنی: "يا أيها الذين آمنوا شهادة بينكم إذا حضر أحدكم الموت حين الوصية اثنان ذوا عدل منكم أو آخران من غيركم إن أنتم ضربتم في الأرض فأصابتكم مصيبة الموت" (المائدۃ: ۱۰۶) سے استدلال کیا کہ اس آیت قرآنی میں حالت سفر میں اگر کوئی مسلمان موجود نہ ہو تو دو غیر مسلم شخص کو بھی اپنی وصیت پر گواہ بنانے کی اجازت دی گئی ہے، جس سے ضرورتاً کافر کا گواہ بنانا جائز معلوم ہوتا ہے۔

آیت قرآنی: "أو آخران من غیرکم" سے مراد غیر مسلم ہی ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس، سعید بن المسیب، شعبی اور قاضی شریح سے منقول ہے (دیکھئے: الفقہ الإسلامی وادلتہ ۲۶۲/۶)۔ بعض ائمہ کرام نے اس آیت کے منسوخ ہونے کی بات کہی ہے، مگر قول راجح یہی ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے، یہی رائے حضرت ابن عباس اور حضرت حسن وغیرہ کی ہے (دیکھئے: الجامع لاحکام القرآن ۲۶۲/۸)۔

فقہ حنبلی کے دو بڑے امام شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کی بھی یہی رائے ہے کہ ضرورتاً کافر کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے، چنانچہ علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:

قال شیخنا ابن تیمیہ رحمہ اللہ وقول الإمام أحمد فی قبول شھادتھم فی ھذا الموضوع (ھو ضرورۃ) یقتضی ھذا التعلیل قبولھا فی کل ضرورۃ حضرا و سفرا (الفقہ الإسلامی وأدلتہ ۵۰۴/۶)۔

مذکورہ تفصیلات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ضرورتاً کافر کو گواہ بنایا جاسکتا ہے اور فقہاء کی تصریحات کے مطابق جو شرائط اہلیت گواہ کے ہیں وہی قاضی کے بھی ہیں، تو یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ ضرورتاً غیر مسلم جج کا کیا ہوا فیصلہ بھی معتبر مانا جانا چاہئے، کیوں کہ ان ممالک میں مسلمان کالمضطر کے درجہ میں ہیں، اور اس اضطراری صورت حال میں غیر مسلم جج کا وہ فیصلہ جو اسلام کے اصولی احکام اور خصوصی مسائل کے خلاف نہ ہو ان پر عمل کرنا ان کے لئے ایک ضرورت ہوگی اور جسے اختیار کرنا ان کی مجبوری ہے۔

ان تفصیلات کے پیش نظر سوالنامہ میں مذکور سوالات کے جوابات حسب ذیل ہیں:

۱- شوہر غیر مسلم عدالت میں رشتۂ مناکحت کو ختم کرنے کی درخواست دے اور عدالت اس رشتہ کو ختم کرنے کا حکم جاری کردے تو احوال وظروف کی روشنی میں غیر مسلم جج کا یہ فیصلہ معتبر ہونا چاہئے۔

۲- اسی طرح اگر کوئی عورت علاحدگی کے لئے عدالت میں مقدمہ دائر کرے اور عدالت شوہر سے دستخط لے لے کہ وہ اس کے فیصلہ کو قبول کرے گا، پھر کاروائی کے بعد عدالت کا جو فیصلہ ہو اسے بھی معتبر مانا جانا چاہئے، اور وہ زوجین کا تسلیم کردہ فیصلہ کہا جاسکتا ہے۔

۳- عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت نہیں آیا، یا تفویض حکم پر آمادہ نہیں ہوا اور عدالت نے جائزہ لے کر تفریق کا فیصلہ کردیا، جب بھی اس فیصلہ کو معتبر ہونا چاہئے، کیوں کہ دنیا کی تمام عدالتوں میں فی الجملہ انسانی حقوق کی حفاظت ورعایت رکھی گئی ہے، اس لئے یہی توقع کی جاتی ہے کہ عدالت کے اس فیصلہ میں بھی حق رسانی کا جذبہ کارفرما ہوگا، بس معاملہ یہاں پر عقدۂ لاینحل بنا ہوا ہے کہ جملہ کاروائیاں اسلامی قانون عدالت کے مطابق ہوئی یا نہیں، پھر فیصلہ مسلمان قاضی کے ذریعہ انجام نہیں پایا، مگر عدالت کے اس فیصلہ کو قبول کرنا مسلمانوں کی مجبوری ہوگی، کیوں کہ اگر کوئی فریق اس فیصلہ کو مسترد کردے اور عدول حکمی کرے تو اس کے نتیجہ میں عدول حکمی کرنے والا وہ فریق ملکی قانون کے مطابق تادیبی وتعزیری سزاؤں سے بھی دوچار ہوسکتا ہے، آیت قرآنی: "إلا أن تتقوا منهم تقاة" (آل عمران:۲۸) سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے۔

یہاں یہ واضح کردینا مناسب ہے کہ ان ممالک کے عدالتی نظام میں کاروائی کے کیا طریقے ہوتے ہیں، جب تک اس سلسلہ میں چند مسلوں کی تحریروں کا بغور مطالعہ نہ کرلیا جائے ان کے بارے میں مطابق شرع ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔

۴- غیر مسلم حکومت اور غیر مسلم عدالت کا کوئی مسلمان جج اپنے فرائض کو انجام دیتا ہے، تو اس کی حیثیت مسلمان قاضی کی حیثیت جیسی ہوسکتی ہے گرچہ اسے مسلمان حاکم نے عہدہ قضاء سپرد نہیں کیا ہے، مولانا اشرف علی تھانویؒ نے "الحیلة الناجزة" میں علامہ شامی کی ایک عبارت سے اس کی صراحت کی ہے، آپ لکھتے ہیں:

ہندوستان کی جن ریاستوں میں قاضی شرعی موجود ہیں وہاں تو معاملہ سہل ہے اور

گورنمنٹی علاقوں میں جہاں قاضی شرعی نہیں ان میں وہ حکام جج مجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں، اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے موافق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہوجاتا ہے: "**لما فی الدر المختار ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافرا ذکرہ مسکین وغیرہ**" (الحیلۃ الناجزہ:۴۵، ط: مکتبہ رضی دیوبند)۔

۵- یہ احکام حالت اضطرار کے ہیں اس لئے اگر ممکن ہو تو طلاق وتفریق کے مقدمہ میں غیر مسلم جج کے کئے ہوئے فیصلے کی تصدیق کسی علماء کمیٹی کے سربراہان سے بھی کرا لینی چاہئے۔

۶- ان ممالک کے مسلم باشندوں کو چاہئے کہ وہ ایسے معاملات کے فیصلہ کے لئے حکومت سے یہ مطالبہ کریں کہ ان کے پرسنل لاء سے متعلق مقدمات کے فیصلہ کے لئے کسی مسلمان جج کی تعیین کی جائے تاکہ وہ مسلمانوں کے عائلی مسائل سے متعلق مقدمات کا اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کرسکے، اور مسلمان ان جمہوری ممالک میں اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزار سکیں۔

☆☆☆

غیر مسلم ملکوں میں بذریعہ عدالت طلاق کا فیصلہ

مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی ☆

۱- ایسے ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ کتاب وسنت اور فقہاء کے بتلائے ہوئے ضابطہ کے مطابق قضائے شرعی کا نظام قائم کریں۔ بحث ونظر شمارہ ۲۶، ۱۹۹۴ء میں قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کا ایک تفصیلی مقالہ موجود ہے جس پر موصوف نے مالکی فقیہ ابن فرحون اندلسی کی تبصرۃ الحکام اور حنفی فقیہ علاؤالدین خلیل طرابلسی کی معین الحکام کے حوالہ سے لکھا کہ جب امام اور سلطان موجود نہ ہوں یا کفار مسلمانوں کے ملک پر غالب آجائیں تو عام لوگوں کی جانب سے یا ارباب حل وعقد مسلمانوں کی طرف سے قاضی مقرر کرنا صحیح ہے، شافعی فقیہ صاحب فتح المعین اور امام ابوالحسن الماوردی، امام ابن الہمام کی بھی یہی رائے ہے (ص ۴۷ تا ۵۲)۔

پھر یہ کہ ہر ملک میں اقلیتوں کے لئے ان کا پرسنل لا تو ہوگا ہی اس کے مطابق ان کے مقدمات ومعاملات کا فیصلہ ہونا چاہئے۔ اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں اور غیر مسلم حاکم کو فسخ نکاح وغیرہ کی ضرورت پیش آجائے تو مفتی کفایت اللہ صاحب اس کی بابت یوں فرماتے ہیں کہ سیکشن جج غیر مسلم سے درخواست کی جائے کہ وہ اس معاملہ کے لئے کسی مسلمان عالم کو مجاز کردے کہ وہ شرعی فیصلے کرے اور پھر سیکشن جج اسکے فیصلہ کو اپنی عدالت سے نافذ کردے (کفایت المفتی ۶/ ۱۳۲)۔

☆ پرنسپل وشیخ الحدیث دار العلوم مئو۔

تیسرے یہ کہ اگر یہ دونوں صورتیں موجود نہ ہوں اور جانبین سے رشتۂ ازدواج کے ختم کرنے پر رضامندی ہو تو شوہر کی یہ درخواست تحکیم و تفویض ہوگی ورنہ نہیں، کیوں کہ تحکیم ایک فریق کی طلب پر نہیں ہوتی (دیکھئے کفایت المفتی ۶/ ۱۵۳) معلوم ہوا کہ تحکیم کے لئے ضروری ہے کہ فریقین کی جانب سے تحریری یا زبانی ایسا لفظ یا ایسا جملہ ہو جو ان دونوں کی رضامندی پر دال ہو۔ معلوم ہوا کہ یک طرفہ فیصلہ دائرۂ تحکیم سے خارج ہوگا۔ صورت مسئولہ میں تحریر" اور اس کے بعد عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد طلاق و فرقت کا فیصلہ کر دیتی ہے" اس کارروائی میں اگر عورت کی رضا بھی شامل ہے تو اسے تحکیم مانا جا سکتا ہے۔ غیر مسلم جج کے فیصلہ کی بابت علامہ ابن عابدین تحریر فرماتے ہیں:

"**ولکن إذا ولی الکافر علیھم قاضیا ورضیه المسلمون صحت تولیته بلا شبھة**" (ردالمحتار علی الدرر ۸/ ۴۴)۔

(جب کافر نے مسلمانوں پر کسی کو قاضی بنایا اور مسلمان عہدۂ قضا سے راضی ہوں تو یہ تولیت بلا شبہ درست ہو جائے گی)۔ مولانا تقی عثمانی صاحب رقمطراز ہیں: "**ولذالک قال الفقھاء: یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافرا الخ**" (تکملہ فتح الملہم ۲/ ۵۳۸)۔

یورپی کونسل برائے تحقیق و افتاء کے پانچویں اجلاس کے فیصلوں میں سے ایک یہ بھی ہے: "اصل تو یہ ہے کہ مسلمان اپنے فیصلوں کے سلسلہ میں کسی مسلمان قاضی یا اس کے نائب کی طرف ہی رجوع کر سکتا ہے، لیکن چونکہ اب تک غیر مسلم ممالک میں ایسی کوئی اسلامی عدالت موجود نہیں جہاں مسلمان اپنے مقدمات فیصل کرا سکیں اس لئے ان غیر مسلم ممالک میں جس مسلمان نے یہاں کے قانون کے مطابق اپنا نکاح کیا ہے، اس کے لئے یہی صورت رہ جاتی ہے کہ وہ غیر مسلم قاضی کے فیصلۂ طلاق کو نافذ کرے، کیوں کہ اس مسلمان شخص نے جب غیر اسلامی

قانون کے مطابق اپنا عقد نکاح کیا تو اس نے ضمناً اس قانون کے نتائج کو بھی قبول کرلیا جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس عقد کو صرف قاضی ہی توڑسکتا ہے۔ اسے شوہر کی طرف سے غیر مسلم قاضی کو تفویض طلاق تصور کرنا ممکن ہے جو جمہور کے نزدیک شرعاً اس کے لئے جائز ہے اگر چہ اس نے اس کی صراحت نہ کی ہو، اس لئے کہ فقہی قاعدہ ہے: "**المعروف عرفا کالمشروط شرطا**" (جو چیز عرفاً معروف ہو، وہ شرط لگانے کی طرح ہے) اور غیر اسلامی عدالت کے فیصلے نافذ کرنا ازروئے مصلحت و دفع مفسدہ و ازالۂ مظلومیت جائز ہے جیسا کہ متعدد اکابر علماء جیسے عز بن عبد السلام، ابن تیمیہ اور شاطبی نے ذکر کیا ہے (بحث ونظر شمارہ جنوری، فروری، مارچ/ ۲۰۰۱ء)۔

۲- عورت اگر شوہر سے الگ ہونا چاہتی ہے تو اس کے لئے احوط اور انسب یہ ہے کہ وہ شوہر کو خلع پر راضی کرے۔ بصورت دیگر عدالت کا شوہر کو بلا کر اس سے اس بات پر (جو فیصلہ ہوگا وہ تم منظور کرنا ہوگا) دستخط لے لینا اس کی رضامندی پر دال ہے، اسے تحکیم سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور شوہر کے دستخط کی حیثیت تفویض کی ہوگی۔

۳- اگر قاضی خواہش نفس کا پیروکار نہ ہو، فیصلہ کرنے میں لوگوں کی رعایت نہ کرتا ہو حق اور دلائل وشواہد سے جو راجح ہو اس پر فیصلہ کرتا ہو، لالچی اور حریص نہ ہو، دوسری جانب اگر شوہر متعنت ہے اور وہ عدالت کی جانب سے نوٹس ملنے کے بعد حاضر نہیں ہوا یا ہوا مگر دستخط پر راضی نہیں تو ایسی صورت میں قاضی کا فیصلہ قضاء علی الغائب کے قبیل سے ہوگا جس پر ائمہ فقہ کا اختلاف ہے پھر بھی فقہاء اس فسخ کو نافذ مانتے ہیں:

"**وفی نفاذ القضاء علی الغائب روایتان عندنا فعلی القول بنفاذه لیسوغ للحنفی أن یزوجها من الغیر بعد العدة**" (شامی ۴/ ۱۳۷، خیر الفتاوی ۵/ ۱۷۰)۔

عبارت محولہ سے معلوم ہوا کہ کسی مختلف فیہ مسئلہ میں اگر قاضی فیصلہ کردے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا اس لئے یہ نکاح فسخ ہوگیا اور وہ عورت عدت گزارنے کے بعد دوسرے سے شادی

کرسکتی ہے،قضاء علی الغائب مسئلہ مختلف فیہا ہے،جس کی وضاحت درج ذیل عبارت سے ہورہی ہے:

"وعند الشافعي حضرة المدعیٰ علیه لیست بشرط لسماع الدعوی والبینة والقضاء فیجوز القضاء علی الغائب عنده وعندنا لایجوز (بدائع الصنائع ۵/ ۳۳۳)۔

حضرت امام بخاری قضاء علی الغائب کے جواز کے قائل ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی جواز کا قول کیا ہے اور استدلال میں حضور اکرمؐ کا قول ابوسفیان کی بیوی ہند سے **"خذی مایکفیک وولدک"** کو پیش فرمایا۔جبکہ بیشتر حضرات اسے فتویٰ کے باب سے قرار دیتے ہیں (اعلاء السنن ۱۵/ ۱۰۷)۔

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ "اسلامی عدالت" (۳۸۳) پر لکھتے ہیں کہ اگر مدعی علیہ مقدمہ کی اطلاع سے گریز کرے اسے رفع الزام سے عاجز تصور کرتے ہوئے قاضی مقدمہ کی سماعت کرے گا اور فیصلہ بھی۔

۴- جب غیر مسلم حکومت میں ارباب حل وعقد کے استصواب رائے سے قضائے شرعی کا نظام قائم کیا جاسکتا ہے اور وہ معتبر قرار پاتا ہے تو پھر ایسے مسلم حاکم وقاضی کا فیصلہ فرقت کیوں درست نہ ہوگا جسے غیر مسلم حکومت نے مقرر کیا ہے بشرطیکہ اس مسلمان قاضی وحاکم کا فیصلہ حدود شرع میں رہ کر ہو۔بندہ کے نزدیک اس مسئلہ میں اسے مسلم حاکم وقاضی کی حیثیت دیکر فرقت کے فیصلہ کو درست قرار دیا جانا چاہئے۔

اس کی تائید فتاویٰ دارالعلوم (۸/ ۱۴۸) سے بھی ہورہی ہے: "اور حاکم عدالت جو کہ مسلمان ذی اختیار ہو جیسے جج وغیرہ ان کو بھی حکم قضاء کا اس بارے میں (یعنی فسخ میں) دیا گیا ہے کہ ان کا فیصلہ معتبر ہوگا۔

فتاوی محمودیہ(۹/۳۵۵) پر ہے: ''کسی مسلم حاکم سے باقاعدہ نکاح فسخ کرایا جائے''
اسی طرح غیر مسلم ممالک کے مسلمان جج سے متعلق آپ کے مسائل اوران کا حل (۵/۴۰۰) پر ہے: ''اگر عدالت معاملہ کی پوری چھان بین اور گواہوں کی شہادت کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی کہ عورت واقعی مظلوم ہے اور شوہر اس کے حقوق ادا نہیں کررہا ہے اور عدالت کے حکم کے باوجود وہ طلاق دینے پر راضی نہیں تو اس کا تنسیخ نکاح کا فیصلہ صحیح ہے''۔

مولانا کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''اگر کسی جگہ فیصلہ کنندہ حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے اور اس کے فیصلہ سے فسخ وغیرہ بالکل نہیں ہوسکتا اور جہاں قاضی شرعی نہیں وہاں پر وہ حکام جج مجسٹریٹ وغیرہ جو حکومت کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے مطابق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہوجاتا ہے اور جہاں وہ بھی نہ ہوں تو وہاں مسلمانوں کی پنچایت کو بھی کچھ شرائط کے ساتھ نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے (حاشیہ کفایت المفتی ۹/۱۶۷)۔

حاکم جو گورنمنٹ کی طرف سے مقرر ہے اگر وہ مسلمان ہے تو قائم مقام قاضی ہوجاتا ہے کما صرح بہ فی الدر المختار: ''**ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو كان كافرا**'' (فتاوی دارالعلوم ۸/۱۴۸)۔

۵- وہ مسائل جن میں مسلم وغیر مسلم مساوی ہوں جیسے معاملات یعنی بیع وشراء، ہبہ، وصیت، ہتک عزت اور تعزیر مالی وتعزیر جسمانی، نزاعات مالی (منقولہ وغیر منقولہ) حبس وقیود وغیرہ میں غیر مسلم عدالتیں فیصلے کی مجاز ہیں۔ اور جن امور میں دونوں باہم مساوی نہیں جیسے طلاق، عتاق، حضانت، وراثت وغیرہ ان میں غیر مسلم عدالتیں اور حکام کسی عالم دین کو مکلف بنائیں گے کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کردے اور پھر غیر مسلم سیشن جج اس کے فیصلہ کو نافذ کردے جیسا کہ مفتی کفایت اللہ صاحب علیہ الرحمہ کی تحریر ماقبل میں پیش کی جاچکی ہے۔

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مفتی عبدالرحیم قاسمی☆

۱- شوہر طلاق دینے کا غیر مسلم کو وکیل بنا سکتا ہے اور وکیل ہونے کی حیثیت سے شوہر کی طرف سے غیر مسلم طلاق دے سکتا ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے:

"لو ارتد الوكيل والعياذ بالله كان علي الوكالة" وکیل مرتد ہونے کے بعد بھی وکالت پر برقرار رہے گا (فتاوی عالمگیری ۴/ ۶۰۹)۔

غیر مسلم عدالت میں شوہر نے درخواست دیکر گویا اپنی طرف سے غیر مسلم جج کو وکیل بنادیا لہٰذا غیر مسلم جج زوجین کے درمیان علیحدگی کا فیصلہ کرے گا تو وہ شوہر کی طرف سے طلاق ہی مانی جائے گی اور شرعاً یہ طلاق معتبر ہوگی۔

۲- مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ مرد اگر حاکم وقت کے سامنے درخواست پیش کرتا ہے یا مطبوعہ فارم پر سمجھ کر بغیر جبر و اکراہ کے دستخط کردیتا ہے جس میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ مذکورہ نکاح فسخ کردو تو اس صورت میں حاکم وقت کو مرد اپنا وکیل بناتا ہے کہ وہ اس کا وکیل بن کر اس کی تکمیل کرے اور اس کا جو نکاح مسماۃ کے ساتھ ہے اس کو فسخ کرے یا طلاق دیدے اس صورت میں نکاح ٹوٹ جائے گا اور شرعاً طلاق واقع ہوجائے گی، کیونکہ غیر مسلم کو بھی وکیل بنا کر اس طرح کا کام کرانا درست ہے (اسلامی قانون نکاح وطلاق ۱۵۰)۔

☆ مرکز دعوت وارشاد و افتاء ناظم جامعہ خیر العلوم، نور محل روڈ، بھوپال۔

۳- مفتی محمود صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے: اگر عورت عدالت میں جس کا حاکم غیر مسلم ہو طلاق یا فسخ نکاح کے لئے رجوع کرے اور جج اس کی درخواست پر اپنے قانون کے مطابق فسخ نکاح یا طلاق کا حکم نافذ کرتے تو اس سے شرعاً طلاق واقع نہ ہوگی، اور دونوں کے درمیان ازدواجی تعلقات ختم نہ ہوں گے، کیونکہ عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار شریعت نے نہیں دیا، لہٰذا اس کام کے لئے اس کا وکیل بنانا یا غیر اسلامی قانون کا سہارا لینا درست نہیں (قانون نکاح و طلاق ۱۵۱)۔

۴- مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے: آپ عدالت میں مقدمہ کر کے اس لڑکی کا نکاح فسخ کرالیں اگر مسلمان جج نکاح فسخ کرے تو وہ کافی ہے اور غیر مسلم جج نکاح فسخ کرے تو پھر مسلمان پنچایت سے بھی نکاح فسخ کرایا جائے، اس کے بعد لڑکی آزاد ہوگی (کفایت المفتی ۱۳۴/۶)۔

عورت کو لازم ہے کہ کسی مسلمان مجسٹریٹ کے سامنے اپنا معاملہ پیش کرے خواہ جدید فیصلہ حاصل کرلے یا فیصلہ سابق کی اس سے تنفیذ کرالے اس کے بعد نکاح ثانی کرسکے گی (کفایت المفتی ۲۴۶/۶)۔

۵- شامی میں ہے: "ان تقلید الکافر صحیح وان لم یصح قضائه علی المسلم حال کفره" (کافر کو فیصلہ کرنے کا ذمہ دار بنانا صحیح ہے، اگرچہ اس کے کفر کی حالت میں مسلمان کے متعلق اس کا فیصلہ صحیح نہیں) (شامی ۲۹۸/۴)۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا ہے اگر عدالت کا غیر مسلم حاکم نکاح فسخ کردے تو پھر مسلمان پنچوں سے فسخ کرائے پھر عدت گزارے تو آزاد ہو جائے گی، اگر غیر مسلم حاکم نکاح فسخ کردے تو عورت آزاد نہ ہوگی (کفایت المفتی ۱۳۵/۶)۔

مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ نے تحریر فرمایا ہے: غیر مسلم مجسٹریٹ (جج) کا فیصلہ

شرعاً معتبر نہیں لڑکی نکاح نہیں کر سکتی اور اگر کرے تو وہ غیر معتبر ہے، لہٰذا اس مقدمہ کو مسلم جماعت یعنی دیندار مسلم پنچایت کے سامنے پیش کیا جائے جس میں ماہر عالم بھی ہوں یہ پنچایت شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ معاملہ کی تحقیق کر کے فسخ نکاح کا فیصلہ کرے، اب عورت شرعی نقطۂ نظر کے بموجب آزاد ہوگی (فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۱۴۳)۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا سلطان احمد اصلاحی☆

۱ تا ۳- برطانیہ، امریکہ یا ہندوستان جیسے کسی سیکولر ملک میں وہاں کی غیر اسلامی عدالت میں مسلمان شوہر بیوی کے درمیان طلاق یا تفریق کی درخواست شوہر یا بیوی جس کی طرف سے بھی آئے یا اس مقصد سے فریقین میں سے کسی ایک کی درخواست سیکولر عدالت میں آئے اور دوسرا فریق حاضر عدالت نہ ہو یا حاضر تو ہو لیکن ہونے والے فیصلے کے حق میں اپنی طرف سے تفویض اور رضامندی کا اظہار نہ کرے، ان تمام طرح کی صورتوں میں غیر مسلم عدالت کی طرف سے طلاق، تفریق اور فسخ نکاح کا فیصلہ درست ہوگا اور عورت کو عدت گزرنے کے بعد نکاح ثانی کا اختیار رہوگا، اسلامی عدالت کے مسلمان قاضی کا فیصلہ بھی اس معاملے میں اس سے مختلف نہیں ہوگا۔ سو جبکہ یہ فیصلہ اسلامی شریعت کے مطابق ہو تو عدالت اور اس کے جج کے غیر مسلم ہونے سے اس میں کوئی فرق واقع نہ ہوگا۔ اس مسئلے میں حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کے دو فیصلوں سے روشنی پڑتی ہے جس کا ذکر ان کے آخری دور کی یادگار ''ملفوظات آزاد'' میں ہے۔

مولانا کا پہلا جواب جناب عبدالعزیز منڈل ڈاکخانہ چھوٹا شجاع پور ضلع مالدہ مغربی بنگال کے استفسار کے جواب میں ہے۔ سائل کا یہ خط ۲۵ ردسمبر ۱۹۵۲ء کا ہے۔ اس میں مسئلہ بی بی لطیف النساء بیگم کا ہے جن کا نکاح نابالغی کی حالت میں ان کے والد کی ولایت میں میاں

☆ ادارہ علم و ادب، دودپور، علی گڑھ۔

معبود بخش کے ساتھ ہوا تھا۔ تقسیم کے وقت میاں معبود بخش پاکستان چلے گئے۔ اور بار بار کی یاد دہانی کے باوجود نہ اپنی زوجہ کو ہندوستان سے پاکستان لانے کو تیار ہوئے نہ اس کو طلاق دینے کے لئے آمادہ ہوئے۔ مجبور ہو کر لڑکی کی طرف سے ہندوستان کی عدالت میں تفریق کا مقدمہ داخل کیا گیا۔ عدالت کے غیر مسلم حاکم نے پاکستان میں میاں معبود بخش کے خلاف نوٹس جاری کیا۔ اور اس کی طرف سے انکار ہو جانے پر فسخ نکاح اور زوجین میں تفریق کا فیصلہ دیدیا۔ لڑکی کے اطراف کے علماء کی طرف سے اس فیصلے کی مخالفت ہوئی کہ فسخ نکاح اور تفریق زوجین کے لئے حاکم کا مسلم ہونا شرط ہے، اس معاملے میں غیر مسلم حاکم کا فیصلہ شریعت میں معتبر نہیں۔ اس کے لئے مولانا اشرف علی تھانوی کی امداد الفتاوی جلد دوم کتاب النکاح ص ۴۹ کا حوالہ دیا گیا ہے۔

اس استفسار کے جواب میں مولانا ابوالکلام آزادؒ ارشاد فرماتے ہیں:

''عدالت نے جو فیصلہ کیا ہے وہ شریعت کے مطابق کیا ہے وہ نافذ ہو گیا۔ لڑکی عدت کاٹ کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے'' (ملفوظات آزاد ص ۱۲۱- ۱۲۲، اس سے پہلے اس استفسار کا مسئلہ ص ۱۱۹ سے ہے۔ ملفوظات آزاد مرتبہ محمد اجمل خاں۔ حالی پبلشنگ ہاؤس، دہلی۔ بار اول جولائی ۱۹۵۹ء)۔

مولانا کا دوسرا فیصلہ جناب محمد عاشق الٰہی کیر آف خطیب الدین احمد لیک روڈ تواری محلہ رانچی کے سوال کے جواب میں ہے۔ اس پر تاریخ ۲۵ رستمبر کی ہے۔ سن کا اندراج نہیں ہے۔ لیکن اس سے آگے کے خطوط ۱۹۵۲ء کے ہیں۔ اس لئے اغلب ہے کہ یہ خط ۲۵ رستمبر ۱۹۵۲ء کا ہوگا۔ اس میں مسئلہ یہ ہے کہ ایک لڑکی شادی کے بعد سسرال نہیں جانا چاہتی ہے، اس لئے کہ اس کے خاوند کو جذام کا سخت عارضہ لاحق ہے۔ اس کی وجہ سے اس نے عدالت میں فسخ نکاح کا مقدمہ دائر کیا۔ عدالت نے اس مسئلے میں ڈاکٹروں کی رائے پر اعتماد کرتے ہوئے یہ فیصلہ دیا کہ لڑکی اپنے خاوند کے یہاں نہیں جا سکتی۔ عدالت نے فسخ نکاح کے اپنے فیصلے کی دوسری وجہ ۱۹۲۹ء کے خلع بل کو قرار دیا جس کی رو سے اس طرح کے مرض کی صورت میں عورت

اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے۔چنانچہ ان سب نظریوں کے ماتحت (ماہرین فن اور وکلاء کی بحث خلع تل کے نقطۂ نظر سے)عدالت نے یہ فیصلہ دیا کہ لڑکی اپنے شوہر کے یہاں نہیں جا سکتی ہے اور اس لئے اس کا نکاح فسخ کر دیا جاتا ہے۔اس تفصیل کی روشنی میں سائل کی طرف سے پوچھا گیا ہے کہ عدالت کا یہ فیصلہ صحیح ہے یا نہیں اور اس فیصلے کے مطابق اس کا نکاح فسخ ہوا یا نہیں۔اب مولانا اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

''جو صورت آپ نے بیان کی ہے کہ ڈاکٹر کی تصدیق پر عدالت نے تفریق کا فیصلہ کیا ہے یہ ٹھیک ہے اور قابل عمل ہے'' (ملفوظات آزاد ص ۴۸ محولہ بالا۔ یہ استفسار اس سے پہلے ص ۴۷ سے جاری ہے)۔

ملفوظات آزاد کا یہ حصہ جو دینی مسائل کے سلسلے میں مولاناؒ کے جوابات پر مشتمل ہے، اس میں مولانا کے نام ۱۹۵۲ء سے لیکر ۱۹۵۷ء یعنی کہ ۲۲/فروری ۱۹۵۸ء مولانا کے انتقال کے چند ماہ پہلے تک کے استفسارات شامل ہیں۔مولاناؒ سے یہ جوابات ان کے سکریٹری محمد اجمل خان زبانی لے کر اسے ضبط تحریر میں لا لیتے تھے۔جوابات کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بڑی حد تک اس میں مولاناؒ کے الفاظ کی پابندی کی گئی ہے۔مولانا کے یہ ملفوظات ان کے انتقال کے ایک سال بعد ۲۲/فروری ۱۹۵۹ء کو تیار ہوئے اور اس کے کچھ ماہ بعد جولائی ۱۹۵۹ء میں اشاعت پذیر ہوئے۔یہ مجموعہ بڑے نوادرات پر مشتمل ہے۔اور اس کی بنیاد پر مولانا آزاد کی فقہی بصیرت، کے عنوان سے باقاعدہ پی ایچ ڈی کی جا سکتی ہے۔اوپر کے دونوں فیصلوں کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر ان کا مکمل عکس اس جواب کے ہم رشتہ ہے۔

۴- غیر اسلامی عدالت کے جج کے مسلمان ہونے سے بہت بڑا فرق نہیں پڑتا، اصل اہمیت اس کی ہے کہ فیصلہ اسلامی شریعت کے مطابق ہو۔غیر اسلامی عدالت کا مسلمان جج اپنے اختیار سے فیصلہ کا رخ بہت کچھ اسلامی شریعت کی طرف موڑ سکتا ہے۔لیکن فیصلہ اصلا ملک کے

دستور اور اس کے نظام عدل کے مطابق ہی ہوتا ہے، اس لئے جج کے مسلمان یا غیر مسلم ہونے سے عام حالات میں بہت زیادہ فرق نہیں پڑتا۔

۵- برطانیہ، امریکہ اور ہندوستان جیسی سیکولر عدالتوں کے سلسلے میں ان ملکوں کے مسلمانوں کے کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ مذہب پر عمل اور پرسنل لا کی آزادی کی دستوری دفعات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ متعلقہ عدالتوں میں شریعت کے ماہرین کا فاضل عدالتوں کے ججوں کے معاونین کی حیثیت میں تقرر کرائیں۔ جو مسلمانوں سے متعلق معاملات میں فاضل ججوں کی صحیح فیصلوں تک رسائی میں معاونت کرسکیں۔ ہندوستان میں بھی یہاں کے علماء وعمائدین اور پرسنل لا بورڈ کو سرکار سے الگ اپنی دار القضاؤں کے قیام سے زیادہ موجودہ عدالتوں پر اپنی گرفت بڑھانے کی ضرورت ہے۔ قوت نافذہ حکومت کے پاس ہی ہوتی ہے۔ اور اس کے بغیر فیصلوں کو وقار اور اعتبار حاصل نہیں ہوتا۔ آخری محمدیؐ شریعت سراپا عدل اور انسانیت کے لئے سراپا خیر و رحمت ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ سیکولر عدالتوں کے ججوں کو اس کی حکمتوں اور مصلحتوں کی صحیح تفہیم کرائی جائے۔ اس صورت میں مسلمانوں سے آگے غیر مسلم انسانیت تک بھی ان کی توسیع ہوسکے۔ حکمت عملی کے طور پر سیکولر عدالتوں کے شرعی ماہرین کا خرچہ مسلمان امت اٹھائے تو ان کی تقرری کی راہ مزید آسان ہوسکتی ہے۔

☆☆☆

غیر اسلامی عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا اختر امام عادل قاسمی ☆

شریعت اسلامیہ نے طلاق کا اختیار صرف مرد کو دیا ہے خواہ اس اختیار کو وہ خود استعمال کرے یا کسی کو اس معاملہ میں اپنا نائب و وکیل بنا دے، شوہر کی اجازت کے بغیر کوئی شخص کسی کا رشتۂ نکاح ختم نہیں کرسکتا، خود بیوی بھی اس باب میں شوہر کے فیصلہ کی پابند ہے، اس مسئلہ میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

البتہ مسلمانوں کی بڑی تعداد غیر مسلم ملکوں میں رہتی ہے جہاں رشتۂ نکاح ختم کرنے کا حق مرد و عورت دونوں کو مساوی طور پر دیا گیا ہے، اور دونوں کو قانونی طور پر یہ اجازت دی گئی ہے کہ عدالت کے ذریعہ رشتۂ نکاح سے آزاد ہوسکتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ ایک غیر شرعی عمل ہے جس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، فقہاء نے ایسے حالات میں دار القضاء یا شرعی پنچایت کی تجویز پیش کی ہے، یعنی اگر غیر اسلامی عدالت شوہر کی مرضی و اجازت کے بغیر طلاق کا فیصلہ سناتی ہے تو وہ طلاق معتبر نہیں ہوگی بلکہ ضروری ہوگا کہ مسلمان باہم مشورہ سے اپنا امیر یا قاضی (جو مسلمان ہو) منتخب کریں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو چند ارباب حل وعقد اور اصحاب علم و دیانت پر مشتمل ایک شرعی پنچایت تشکیل کریں جو ان کے عائلی شرعی مسائل کا فیصلہ کرے، یہ مسئلہ بھی غیر اسلامی عدالت کے فیصلے کے بعد اسی شرعی عدالت یا پنچایت کے سامنے پیش کیا جائے گا اور اس کا فیصلہ مسلمانوں

☆ مہتمم جامعہ ربانی منورواشریف، بہار۔

کے حق میں معتبر قرار پائے گا، یہی اس دور میں جمہور علماء کا متفقہ فیصلہ ہے۔

اس اصولی گفتگو کے بعد اس سلسلے میں پیدا ہونے والے بعض سوالات پر نظر ڈالی جاتی ہے:

۱- اگر شوہر خود غیر اسلامی عدالت میں رشتۂ ازدواج ختم کرنے کی درخواست دے اور اس کے بعد عدالت ضابطہ کی کاروائی کے بعد طلاق وفرقت کا فیصلہ کردے تو یہ فیصلہ معتبر ہوگا اور زوجین کے درمیان فرقت واقع ہوجائے گی، اس لئے کہ اس صورت میں غیر مسلم حاکم کو شوہر کا وکیل قرار دیا جائے، غیر مسلم شخص کو طلاق کا وکیل بنانا درست ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۲- دوسری صورت یہ ہے کہ غیر اسلامی عدالت میں عورت رشتۂ نکاح ختم کرنے کی درخواست دے اور عدالت شوہر کو طلب کر کے یا نوٹس بھیج کر اس سے منظوری حاصل کرے اور پھر عدالت ضابطہ کی کارروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ کرے تو فرقت واقع ہوجائے گی اور اس صورت میں بھی غیر مسلم حاکم کو شوہر کا وکیل سمجھا جائے گا۔

۳- تیسری صورت یہ ہے کہ عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت حاضر نہیں ہوا یا آیا مگر دستخط وتفویض پر راضی نہیں ہوا اور عدالت نے کارروائی کے بعد تفریق کا فیصلہ کردیا تو شرعی طور پر تفریق واقع نہیں ہوگی، اس لئے کہ عورت نہ خود طلاق دینے کی مجاز ہے اور نہ کسی کو اس کے لئے نائب ووکیل بنا سکتی ہے، اس صورت میں عورت پر لازم ہے کہ وہ کسی شرعی پنچایت یا دارالقضاء سے رجوع کرے جو اس معاملے میں فیصلہ کرے یا غیر اسلامی عدالت کے فیصلۂ فرقت کو قابل تنفیذ قرار دے (کمافی کفایت المفتی ۶/۱۶۵)۔

۴- اگر کسی جگہ دارالقضاء یا شرعی پنچایت کا نظام نہ ہو اور اس مجبوری کے تحت عورت کسی ایسے مسلم حاکم یا مجسٹریٹ سے رجوع کرے جو غیر اسلامی حکومت کی طرف سے مقرر ہوا اور وہ

حاکم اس سلسلے میں تفریق کی کارروائی کرے تو کیا یہ کارروائی شرعاً معتبر ہوگی؟......

فقہاء کی بعض تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایسے حاکم کا فیصلہ معتبر ہوگا بشرطیکہ وہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرے اور اسے اس کا قانونی اختیار بھی ہو، فقہاء نے غیر اسلامی حکومت کے تحت عہدۂ قضاء قبول کرنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ حق فیصلے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، شامی میں ہے:

"ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافراً ذکرہٗ مسکین وغیرہٗ الا اذا کان یمنعہٗ من القضاء بالحق فیحرم" (درمختار) **وبہ علم أن تقلید الکافر صحیح وإن لم یصح قضائہٗ علی المسلم حال کفرہ** (ردالمحتار ۸/۴۱ کتاب القضاء)۔

(عہدۂ قضا قبول کرنا سلطان عادل اور ظالم دونوں کی طرف سے جائز ہے بشرطیکہ کوئی چیز حق فیصلے سے مانع نہ ہو ورنہ پھر حرام ہوجائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ کافر کا قاضی بنانا درست ہے حالانکہ حالت کفر میں مسلمان کے خلاف اس کا فیصلہ درست نہیں ہے)۔

اسی جزئیہ کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"عورت کو لازم ہے کہ کسی مسلمان مجسٹریٹ کے سامنے اپنا معاملہ پیش کرے خواہ وہ جدید فیصلہ حاصل کرلے یا سابق فیصلہ کی اس سے تنفیذ کرالے اس کے بعد نکاح ثانی کرسکے گی"

(کفایت المفتی ۶/۲۷۲)۔

الحیلۃ الناجزۃ اور اسی طرح دوسری فقہ کی کتابوں میں بھی یہ مضمون تھوڑے فرق کے ساتھ آیا ہے۔

ہندوستان جیسے ملکوں میں جہاں اقلیتوں کو عائلی مسائل میں اپنے مذہب کے مطابق

فیصلہ کی آئینی اجازت ہے اور با قاعدہ یہاں مسلم پرسنل لا بورڈ جیسا فعال، قابل اعتماد اور ذمہ دار ادارہ موجود ہے جس کے پاس عائلی مسائل کا با قاعدہ طور پر مرتب مجموعہ موجود ہے، یہاں مسلم ججوں کے لئے بہر حال اس گنجائش سے پورا فائدہ اٹھانے کا موقعہ موجود ہے لیکن برطانیہ، امریکہ اور دیگر یورپی ممالک میں مسلمان ججوں کو شاید اس قدر آئینی اختیار حاصل نہ ہو، اس لئے ان ملکوں میں شرعی دارالقضاء، پنچایت یا کونسل سے ہی رجوع کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔

اس سلسلے کی مزید تفصیلات حضرت تھانویؒ کی کتاب ''الحیلۃ الناجزۃ''، حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کی کتاب ''کتاب الفسخ والتفریق'' اور مولانا یعقوب اسماعیل قاسمی مقیم برطانیہ کی کتاب ''اسلامی قانون نکاح وطلاق'' میں موجود ہیں۔

☆☆☆

کیا غیر مسلم جج مسلمانوں کا نکاح فسخ کرسکتا ہے؟

مولانا عبدالقیوم پالنپوری☆

شوہر کا اپنی بیوی کو طلاق دینے کا اختیار دینا تملیک ہے، چاہے اس کی مشیت کے ساتھ مقید ہو یا نہ ہو، وفی البدائع (۳/۱۲۲):"وأما قوله (الأمر آية) طَلِّقِيْ نَفْسَكِ فهو تمليک عندنا، سواء قيده بالمشئية أولا، ويقتصر على المجلس كقوله انتِ طالق ان شئت، وعند الشافعي هو توكيل ولايقتصر على المجلس قيده بالمشية أو لم يقيده"۔اور ہمارے نزدیک عورت کا یہ اختیار مجلس علم پر منحصر رہے گا۔

اور شوہر کا اپنی بیوی کو طلاق دینے کا اس بیوی کے علاوہ کسی اور کو اختیار دینا، اگر یہ اس شخص کی مشیت کے ساتھ مقید ہو تو یہ شرعاً تملیک وتفویض ہے، اور تملیک وتفویض اگر مطلق عن الوقت ہو تو مجلس علم پر منحصر رہے گی، علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"وأجمعوا على أن قول الزوج لأجنبي: طلق إمرأتي توكيل ولايتقيد بالمجلس ...... فإن قيده بالمشية بأن قال له: طلق إمرأتي إن شئت فهذا تمليک عند أصحابنا الثلاثة وعند زفر هو توكيل" (بدائع الصنائع ۳/۱۲۲)۔

(اور فقہاء نے اتفاق کیا ہے اس بات پر کہ شوہر کا قول کسی اجنبی سے کہ میری بیوی کو طلاق دیدے توکیل ہے، اور توکیل مجلس پر منحصر نہیں رہے گی، پس اگر اجنبی کے طلاق کے اختیار

☆ جامعہ نذیریہ کاکوسی، شمالی گجرات، ہند۔

کواس کی مشیت کے ساتھ مقید کیا اس طور پر کہ اس سے کہا کہ "اگر تو چاہے تو میری بیوی کو طلاق دیدے" پس یہ تملیک ہے ہمارے تینوں اصحابؒ (ابوحنیفہ وابو یوسف ومحمدؒ) کے نزدیک اور امام زفرؒ کے نزدیک یہ صورت بھی توکیل ہے)۔

توکیل وتملیک میں ایک فرق یہ ہے کہ موکل وکیل کو طلاق دینے سے پہلے معزول کرسکتا ہے جبکہ تفویض وتملیک میں اختیار دینے کے بعد معزول نہیں کرسکتا ہے۔مولانا خالد سیف اللہ رحمانی تحریر فرماتے ہیں:

"بیوی کے علاوہ دوسروں کو طلاق کا اختیار دینا بنیادی طور پر تو توکیل ہے،اور وکالت کبھی بھی واپس لی جاسکتی ہے،لیکن اگر کسی تیسرے شخص کی چاہت ومشیت پر طلاق کے استعمال کو موقوف کردیا جائے تو توکیل کے بجائے تفویض ہے،اب شوہر اس اختیار کو واپس نہیں لے سکتا ......اور سراجیہ میں ہے:"**لو قال لأجنبي: طلقها إن شئت ثم عزله لايصح**" (جدید فقہی مسائل ۳/۵۱)۔

۱۔ اس مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں یہ سمجھ میں آتا ہے کہ صورت مسئولہ میں غیر مسلم جج کو رشتہ ختم کرنے کا فیصلہ کرنے کی درخواست دینا یہ درحقیقت بیوی کے علاوہ اجنبی کو طلاق کا اختیار دینا ہے جو مشیت کے ساتھ مقید نہیں ،لہذا یہ توکیل ہے اور توکیل مجلس پر منحصر نہیں رہتی ہے ،لہذا وہ جج جب بھی فیصلہ کرے گا طلاق واقع ہوجائے گی،اور غیر مسلم کو بھی طلاق کا وکیل بنانا جائز ہے، جیسا کہ فقہی عبارتوں کے اطلاق سے سمجھ میں آتا ہے اور حسب ذیل جزئیہ سے بھی مستفاد ہوتا ہے:

"**ولو كان أحد الزوجين مسلماً و الوكيل (بالخلع على خمر أوخنزير) كافراً جاز الخلع ويبطل الجعل كذا في المبسوط**" (فتاوی ہندیہ ۳/۶۱۲)۔

(اگر میاں بیوی میں سے ایک مسلمان ہو اور خمر یا خنزیر پر خلع کا وکیل کافر ہو تو خلع جائز ہے اور جعل یعنی خمر یا خنزیر باطل ہے)۔

۳- اس صورت میں کہ محض عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں نہیں آیا یا آیا مگر دستخط یا تفویض پر تیار نہیں ہوا اور عدالت نے حالات کا جائزہ لیکر تفریق کا فیصلہ کردیا تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی، وہ عورت بدستور شوہر کی بیوی باقی رہے گی۔ حضرت مفتی محمود صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں: محض لڑکی کی خواہش پر کورٹ علیحدگی کردے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ وہ بدستور آپ کی بیوی رہے گی (محمودیہ ۱۶/۱۶۱)۔ ایک دوسرے جواب میں تحریر کرتے ہیں: غیر مسلم جج کا فیصلہ ایسے مسائل میں شرعاً معتبر نہیں ہے (محمودیہ ۱۶/۱۷۰)۔

الحیلۃ الناجزہ میں ہے: اگر کسی جگہ فیصلہ کنندگان حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے، اس کے حکم سے فسخ وغیرہ ہرگز نہیں ہوسکتا، "**لأن الكافر ليس بأهل القضاء على المسلم كما هو مصرح في كتب الفقه**" (بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ۶/۳۸۹)۔

۴- غیر مسلم حکومت کا جج اگر مسلمان ہو اور اس کو حکومت نے طلاق وفسخ جیسے مقدمات میں شرعی فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہو اور وہ مسلم جج شریعت کے مطابق فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور اس صورت میں طلاق واقع ہوگی، مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری تحریر فرماتے ہیں: اس قسم کے مقدمات کے فیصلہ کا حق شرعی قاضی کو ہوتا ہے اور جہاں شرعی قاضی نہ ہو اور مسلم جج کو گورنمنٹ نے اس جیسے مقدمات کا شرعی فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہو اور وہ مسلم جج شریعت کے مطابق فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے...... غیر مسلم جج کا فیصلہ ایسے مقدمات میں معتبر نہیں ہوتا (فتاویٰ رحیمیہ ۶/۳۸)۔

مفتی کفایت اللہ دہلوی تحریر فرماتے ہیں: ہاں ضرورۃ انگریزی عدالتوں کے مسلم جج یا منصف قائم مقام قاضی شرعی کے ہوسکتے ہیں، کیونکہ ان کو حکومت کی طرف سے معاملات مخصوصہ اہل اسلام مثل طلاق، نکاح، میراث وغیرہ میں احکام شرعیہ کے موافق فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے الخ (کفایت المفتی ۲/۲۲۳)۔

۵- مسلمانوں کو اپنے تمام نزاعات میں شرعی قاضی یا شرعی پنچایت سے فیصلہ کرانے چاہئے اور اپنے مقدمات کو غیر مسلم عدالت میں نہیں لے جانا چاہئے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی تحریر فرماتے ہیں: یوں تو مسلمانوں کے تمام نزاعات میں ضروری ہے کہ مسلمان حاکم فیصلہ کرے: "لأنه لا ولاية للكافر على المسلم" لیکن نزاعات کی ایک قسم تو ایسی ہے کہ ان کے لئے قاضی مسلم با اختیار کا ہونا اشد ضروری ہے، جس کے نہ ہونے کی وجہ سے بہت سی اسلامی ضرورتیں معطل ہی نہیں بلکہ مسلمان سخت مؤاخذات شرعیہ میں مبتلاء ہوتے ہیں، صرف مثال کے طور پر اس قسم کے چند مسائل ذکر کئے جاتے ہیں (کفایت المفتی ۲/۲۲۰)۔

مثلاً کسی عورت کا خاوند مفقود ہو یا مجنون یا عنین یا غیر مفقود یا معنت ہو یا عورت طلاق کا دعویٰ کرے اور گواہ بھی پیش کرے وغیرہ مسائل میں قاضی شرعی یا شرعی پنچایت کا فیصلہ ضروری ہے۔ وہی نکاح فسخ کرسکتا ہے، غیر مسلم جج کا فیصلہ بالکل معتبر نہیں، (کفایت المفتی حذف وزیادتی کے ساتھ ۲/۲۲۰)۔

☆☆☆

غیر مسلم عدالت میں طلاق وتفریق کا فیصلہ

مولانا ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی ☆

شریعت اسلامی نے رشتۂ نکاح کو ختم کرنے کا اصل اختیار شوہر کو دیا ہے،شوہر اگر کسی کو وکیل بنائے، یا عورت حاکم یا قاضی کے پاس جا کر فسخ نکاح کا مطالبہ کرے، اور شوہر انکار کرے، یا وہ غائب ہو تو ولایت عامہ حاصل ہونے کی وجہ سے مسلم قاضی طلاق دے سکتا ہے، ولایت حاصل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وکیل، قاضی اور حاکم مسلم ہو، کیوں کہ غیر مسلموں کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں ہے،اس سلسلہ میں قرآن کی واضح آیات موجود ہیں:

۱-"**ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا**" (النساء:۱۴۱)۔

(اللہ تعالی نے ہرگز کافروں کے لئے مومنوں پر کوئی راستہ نہیں بنایا)۔

۲-"**لایتخذ المومنون الکافرین أولیاء من دون المومنین ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شیٔ**" (آل عمران:۲۸)۔

(مومن ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق اور مددگار نہ بنائیں، اور جس نے ایسا کیا تو اس کا اللہ سے کوئی سروکار نہیں رہا)۔

۳-"**یا أیہا الذین آمنوا لاتتخذوا الیہود والنصاری أولیاء، بعضہم أولیاء، بعض، ومن یتولہم منکم فإنہ منہم**" (المائدہ:۵۱)۔

☆ لکچرر گورنمنٹ جونیر کالج ظہیرآباد، آندھراپردیش۔

(اے ایمان والو! تم یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور جو شخص ان سے دوستی کرے گا بے شک وہ ان ہی میں سے ہوگا)۔

۴-"یا أیها الذین اٰمنوا لاتتخذوا الذین اتخذوا دینکم هزوا ولعبا من الذین أوتو الکتاب من قبلکم والکفار أولیاء، واتقوا الله إن کنتم مومنین" (المائدہ: ۵۷)۔

(اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے، جو ایسے ہیں کہ انہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنا رکھا ہے، ان کو اور دوسرے کفار کو دوست مت بناؤ، اور اللہ سے ڈرو، اگر تم ایمان دار ہو)۔

۵-"یا أیها الذین اٰمنوا لاتتخذوا عدوی وعدوکم أولیاء تلقون إلیهم بالمودة" (الممتحنہ: ۱)۔

(اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو)۔

۱-شوہر کی طرف سے طلاق کی درخواست:

شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دے کہ وہ اپنا رشتۂ ازدواج ختم کرنا چاہتا ہے، اس کے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کردیا جائے، یہ درخواست گرچہ تفویض وتحکیم کے درجہ میں ہے، لیکن تفویض کی شرط یعنی ولایت نہ پائی جانے کی وجہ سے غیر مسلم حاکم اور جج کا فیصلہ معتبر نہیں ہوگا، صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

"وکذا الکافر لا ولایة له علی المسلم حتی لاتقبل شهادته علیه، ولأن هذه ولایة نظریة فلا بد من التفویض إلی القادر المشفق لیحقق معنی النظر، والرق یزیل القدرة والکفر یقطع الشفقة علی المسلم فلا تفوض

إليهما" (الہدایہ ۳/ ۱۹۳ کتاب الوکالۃ)۔

(اسی طرح کافر کو مسلم پر کوئی ولایت حاصل نہیں ہے، یہاں تک کہ اس کی گواہی مسلمان کے لئے قبول نہیں کی جائے گی، کیوں کہ یہ ولایت نظری ہے، تو ضروری ہے کہ قادر مشفق کو تفویض کیا جائے تا کہ مصلحت کی صفت متحقق ہو، اور غلامی قدرت کو اور کفر مسلم پر شفقت کو زائل کر دیتا ہے، لہذا ان دونوں کو تفویض نہیں کیا جائے)۔

۲-عورت کی طرف سے طلاق کی درخواست:

عورت کی طرف سے غیر مسلم عدالت میں درخواست دی جائے کہ اس کا رشتۂ نکاح ختم کر دیا جائے، عدالت شوہر کو بلا کر اس سے دستخط لے کہ جو فیصلہ ہوگا وہ اس کو منظور ہوگا، اور کارروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ کر دیا جائے، تو یہ فیصلہ شرعاً معتبر نہیں ہوگا، کیوں کہ غیر مسلم جج کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں ہے، فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"ولاتصح ولاية القاضي حتى يجتمع في المولى شرط الشهادة كذا في الهداية من الإسلام والتكليف والحرية" (الفتاوی الہندیہ ۳/ ۳۰۷، کتاب ادب القاضی)۔

(قاضی کی ولایت صحیح نہیں ہوگی، یہاں تک کہ ولی بنائے جانے والے قاضی میں شہادت کی شرائط یعنی اسلام، تکلیف (مکلّف ہونا) اور آزادی جمع ہوں)۔

اب رہا عدالت کا شوہر کو بلا دستخط لینا، یہ گویا عدالت زبردستی شوہر سے توکیل حاصل کر رہی ہے، اسلامی عدالت میں اس کی ضرورت نہیں ہے، شوہر کے دستخط کرنے اور نہ کرنے سے اس مسئلہ کے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

۳-شوہر عدالت میں حاضر نہ ہو:

تیسری صورت یہ ہے کہ عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں حاضر نہیں ہوا،

یا حاضر تو ہوا مگر دستخط نہیں کیا، اور عدالت نے حالات کا جائزہ لے کر تفریق کا فیصلہ کر دیا، تو بھی غیر مسلم جج کی تفریق سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

۴- غیر مسلم حکومت کے مسلم جج کا فیصلہ:

غیر مسلم حکومت کی طرف سے مقرر کردہ مسلم جج کا فیصلہ طلاق وتفریق کے مسئلہ میں معتبر ہوگا، کیونکہ کہ قاضی یا جج کا مسلمان ہونا کافی ہے، مسلم قاضی کا تقرر کرنے والے حاکم کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے، جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ اور فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

"وذكر في الملتقط: والإسلام ليس بشرط فيه، أي في السلطان الذي يقلد كذا في التتارخانية، ويجوز تقلد القضاء من أهل البغي" (الفتاوی الہندیہ: ۳/ ۳۰۷)۔

(ملتقط میں بیان کیا گیا ہے کہ قاضی مقرر کرنے والے سلطان کے لئے اسلام کی شرط نہیں، جیسا کہ فتاوی تاتارخانیہ میں ہے، اہل بغاوت کی طرف سے قاضی مقرر کرنا جائز ہے)۔

۵- غیر مسلم عدالت کے فیصلے:

جن مسائل میں سبب شرعی کا وجود کافی نہیں، بلکہ قاضی کا فیصلہ اور حکم ضروری ہے، اور جن مسائل میں شہادت ضروری ہے، جیسے حدود و قصاص، فسخ نکاح، رویت ہلال کا فیصلہ اور کسی شخص کو دیوالیہ (مفلس) قرار دینا وغیرہ۔ ان مسائل میں غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر نہیں ہوگا۔ اسی طرح شرعی امور کے خلاف فیصلہ کسی صورت میں قابل قبول نہیں ہوگا، ان کے علاوہ دوسرے مسائل جو شریعت کی نگاہ میں ناجائز نہ ہوں، ان میں غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر ہوگا، جیسے: ٹریفک، حفظان صحت، ماحول کا تحفظ، جان ومال اور عزت وآبرو وغیرہ کی حفاظت سے متعلق فیصلے۔

غیر مسلم حکومت کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں کے شرعی معاملات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے علاحدہ شریعت بنچ قائم کرے اور مسلمانوں کے عائلی اسلامی قوانین سے متعلق مقدمات کو مسلم

ججوں کے ذریعہ حل کرائے۔اگر اس کا انتظام نہ ہوسکے تو علاقہ کے مسلمان اپنے طور پر کسی ایک کو امیر منتخب کرلیں، اور امیر مسلمانوں کے شرعی وعائلی مسائل حل کرنے کے لئے دارالقضاء کا قیام عمل میں لائے، اور مسلمان شرعی مسائل میں دارالقضاء کی طرف ہی رجوع کریں، شرعی دارالقضاء کی موجودگی کے باوجود مسلمانوں کا شرعی مسائل میں غیر مسلم عدالت کی طرف رجوع کرنا جائز نہیں ہوگا۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق شرعاً معتبر ہے یا نہیں

مولانا محی الدین بڑودوی☆

۱- شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتا ہے کہ میں طلاق دینا چاہتا ہوں، رشتہ ازدواج ختم کرنا چاہتا ہوں (جبکہ شریعت نے طلاق دینے کا پورا اختیار شوہر کو دے رکھا ہے) تو شوہر کی یہ درخواست اس پر دلالت کر رہی ہے کہ وہ مجبوراً ملک کے قانون سے عاجز ہونے کی وجہ سے درخواست دے رہا ہے۔ تو اس کو شرعاً تحکیم نہیں مانا جاسکتا۔

کیونکہ تحکیم کی تعریف یہ ہے کہ "**تولية الخصمين حاكما يحكم بينهم وركنه لفظ الدال عليه مع قبول الآخر وشرطه من جهة المحكم بالكسر العقل لا الحرية والإسلام، فصح تحكيم ذمي ذميا وشرطه من جهة المحكم صلاحيته للقضاء**"۔

تحکیم فریقین کی طرف سے کسی کو اپنے معاملہ کا فیصل بنانا، ظاہر ہے مذکورہ صورت میں قانونی گرفت سے بچنے کے لئے وہ عدالت میں جا رہا ہے۔ اس لئے تحکیم کی تعریف ہی صادق نہیں آتی۔

☆ خادم دارالقضاء والافتاء بزم نصر المؤمنین، جامعہ شمس العلوم بڑودہ۔

حاکم پر بحث کرتے ہوئے علامہ شامیؒ نے ایک تنبیہ بزازیہ سے جو البحر الرائق میں ہے نقل فرمائی ہے۔اس کے بعد لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں اکثر قضاۃ رشوت وغیرہ کے ذریعہ منصب قضاء پر آتے ہیں، اس لئے وہ حقیقی قاضی نہیں ہیں بلکہ ان کی حیثیت مصالح کی سی ہے، اس کے بعد لکھتے ہیں :ویجوز أن یجعل حاکما بترافع القضیة۔یعنی ایسے قاضی کے یہاں جب مقدمہ پیش آئے تو اس کو حاکم (حکم) کا درجہ دیا جاسکتا ہے یہ قاضی حاکم (حکم ہوگا)۔

اس پر علامہ شامیؒ نے اعتراض نقل فرمایا ہے کہ مقدمہ کی یہ پیشی تحکیم کے طور پر نہیں ہے، بلکہ مدعی یہ سمجھ کر اس کے پاس گیا ہے کہ وہ حکم جاری کرے گا، اور مدعی علیہ کی حاضری ایسی صورت میں کبھی اشخاص یا جبر کی وجہ سے ہوتی ہے، اس لئے ایسے حاکم کو شرعا (حکم) نہیں بنایا جاسکتا۔

”واعترض بأن الدفع لیس علی وجه التحکیم بل علی اعتقاد انه ماضي الحکم، وحضور المدعی علیه قد یکون بالاشخاص والجبر فلا یکون حکما“ (ردالمحتار، ج/۸ص۱۲۵، زکریا دیوبند)۔

اس لئے سوال کی پہلی شق میں جج کو حکم نہیں مانا جاسکتا، پھر حکم کے لئے اہلیت کی وہی شروط ہیں جو قاضی شرعی کے لئے ہے، یعنی مسلم قاضی ہونا چاہئے اور قاضی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ مسائل مجتہد فیہ میں اختلاف فقہاء سے اچھی طرح واقف ہو۔

اس لئے مذکورہ صورت میں شوہر کی اس درخواست کو تحکیم قرار نہیں دے سکتے، اور یہ تفویض بھی نہیں ہے۔توکیل قرار دینے کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ وکیل سے مؤکل نے جو کچھ کہا ہے وہ کرے گا، اپنی مرضی کو اس میں دخل نہیں ہے۔اور مذکورہ صورت میں عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد فیصلہ کرے گی وہ خود مختار ہے، اس لئے عدالت کی حیثیت وکیل کی نہیں ہے کیونکہ توکیل کے بعد اس سے رجوع جائز ہے اور وکیل کو معزول بھی کیا جاسکتا ہے اور عدالت

میں رجوع نہیں ہوسکتا۔تفویض کا مطلب تملیک ہے اس کا خاص مفہوم وشرائط ہیں، اس لئے تفویض بھی نہیں ہے۔

”والفرق بينهما في خمسة أحكام ففي التمليك لايرجع ولايعزل ولايبطل بجنون الزوج ويتقيد بمجلس لابعقل فيصح تفويضه بمجنون وصبي لايعقل بخلاف التوكيل، أي في مسائل الخمس“ (درمختار مع الشامی ۴/ ۵۵۵،زکریا دیوبند)۔

۲- یہ بھی جبر کی صورت ہے، اس کو تحکیم یا تفویض نہیں قرار دیا جاسکتا،شوہر کے دستخط کی حیثیت اس فارم کی تفصیل سامنے آنے کے بعد طے کی جاسکتی ہے۔

۳- اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی۔

۴- مسلم قاضی یا حاکم یا تو بادشاہ مسلم کی طرف سے مقرر ہو یا تراضی مسلمین سے ہو،اسی طرح حکم بھی مسلم ہو اور تراضی طرفین سے ہو تو اسکا فیصلہ قابل تسلیم ہوگا،اگر غیر مسلم حکومت نے خاص مسائل مسلمین کے لئے مسلم جج تجویز کیا ہو اور وہ مسائل شرعیہ سے واقف ہو جیسے کہ معلوم ہوا کہ اجتہادی اختلاف سے بھی واقفیت ضروری ہے تو اس کا فیصلہ قابل تسلیم ہوگا،لیکن وہ مسلم جج حکومت اور عدالت کی طرف سے اس کا مجاز نہیں ہے کہ وہ اسلامی اصولوں کے ماتحت فیصلہ کرلے، بلکہ وہ اپنے ملک کے عام قانون کے مطابق ہی فیصلہ کرنے کا مجاز ہو تو اس کا فیصلہ شریعت میں قابل تسلیم نہیں ہے۔اسی طرح اگر اسلامی اصول کے ماتحت فیصلہ کا مجاز تو ہے مگر وہ اسلامی اصول سے متنازع فیہ مسئلہ میں واقفیت ہی نہیں رکھتا، جیسے آج کل مسلم جج تو اس کا فیصلہ قابل تسلیم نہیں ہے۔

”ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو كافرا ذكره مسكين وغيره إلا إذا كان يمنعه عن القضاء بالحق فيحرم“ (درمختار مع الشامی ج/ ۸/ص/ ۴۳،زکریا دیوبند)۔

۵- غیر مسلم عدالتوں کے وہ فیصلے جو معاملات واملاک و جائیداد متعلق ہوں جب تک نصوص شرعیہ سے ٹکراؤ نہ ہو قابل تسلیم ہو سکتے ہیں۔ جو فیصلے نصوص شرعیہ اور ضوابط شرعیہ سے ٹکراتے ہوں وہ قابل تسلیم نہیں ہے۔

خلاصہ:

۱-شوہر کی یہ درخواست اس پر دلالت کرتی ہے کہ وہ مجبورا قانون سے عاجز ہونے کی وجہ سے درخواست دے رہا ہے تو اس کو شرعا تحکیم نہیں مانا جاسکتا۔ تحکیم کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی۔

۲-یہ بھی جبر کی صورت ہے اس کو تحکیم یا تفویض نہیں قرار دیا جاسکتا۔ شوہر کے دستخط کی حیثیت فارم کی تفصیل سامنے آنے کے بعد طے کی جاسکتی ہے۔

۳-اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی۔

۴-اگر مسلمانوں نے اپنی تراضی سے یا طرفین نے اپنی مرضی سے یا مسلم قاضی یا مسلم حاکم یا بادشاہ مسلم نے کسی کو حکم بنایا تو اس کا فیصلہ قابل تسلیم ہوگا۔

غیر مسلم حکومت نے مسائل مسلمین کے لئے مسلم جج تجویز کیا ہو، اور وہ مسائل شرعیہ سے واقفیت رکھتا ہو، تو اس کا فیصلہ قابل تسلیم ہوگا۔

اگر جج مسلم ہے لیکن خاص مسلمانوں کے مسائل کے لئے مقرر نہیں ہوا بلکہ وہ اپنے ملک کے عام قانون کے مطابق ہی فیصلہ کرنے کا مجاز ہو تو اس کا فیصلہ قابل تسلیم نہیں ہے۔

۵-غیر مسلم عدالتوں کے وہ فیصلے جو معاملاتِ املاک و جائیداد میں ہوں اور نصوص شرعیہ سے ٹکراتے نہ ہوں تو قابل تسلیم ہو سکتے ہیں۔ جو فیصلے نصوص شرعیہ اور ضوابط شرعیہ سے ٹکراتے ہوں وہ قابل تسلیم نہیں ہے۔

غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق-ایک تحقیقی جائزہ

مولانا مسیح اختر☆

۱- شوہر کا غیر مسلم عدالت میں رشتۂ ازدواج کو ختم کرنے کی درخواست دینا نہ تفویض طلاق ہے نہ توکیل، تفویض تو اس لئے نہیں مان سکتے ہیں کہ تفویض کے الفاظ وعبارات متعین ہیں جو یہاں نہیں پائے جاتے ہیں اور بالفرض تفویض مان بھی لیں تو تفویض مجلس ہی کے ساتھ خاص ہوتی ہے جبکہ عدالت کی کارروائی ایک ہی مجلس میں نہیں ہوتی۔

"وألفاظ التفويض ثلثة: تخيير وأمر بيد ومشيئة" (شرح تنویر الابصار ۴/۴۱۵)۔"فلوقال له امر امرأتي بيدک فانه يقتصر على المجلس" (۴/۴۳۵، درمختار باب تفویض الطلاق) اور توکیل بھی نہیں مان سکتے ہیں، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

"إن صاحب الهداية جعل مناط الفرق بين التمليک والتوكيل مرة بأن المالک يعمل برأي نفسه بخلاف الوكيل ومرة بأنه عامل لنفسه بخلافه ومرة بأنه يعمل بمشيئة نفسه بخلافه ثم قال: بعد مايبحث في الأولين أن الفرق الثالث أصوب" (باب تفویض الطلاق، رد المحتار ۴/۴۱۵، دار الکتاب دیوبند)۔

(صاحب ہدایہ نے تملیک اور توکیل کے درمیان ایک مرتبہ یہ فرق بیان کیا ہے کہ مالک اپنی ذاتی رائے پر عمل کرتا ہے برخلاف وکیل کے اور ایک مرتبہ یہ فرق بیان کیا ہے کہ مالک

☆ جامعہ جلالیہ، ہوجائی، آسام۔

اپنی ذات کے لئے عمل کرتا ہے برخلاف وکیل کے اور تیسرا فرق یہ بیان کیا ہے کہ مالک اپنی ذاتی چاہت پر عمل کرتا ہے برخلاف وکیل کے، پھر پہلے دونوں فرق پر کلام کرنے کے بعد بیان کیا ہے کہ تیسرا فرق ہی زیادہ صحیح ہے)۔

پہلے اور تیسرے فرق کے اعتبار سے یہاں تملیک کی صورت بن رہی ہے نہ کہ توکیل کی، اس لئے شوہر کی درخواست کو تحکیم اور تملیک مانیں گے اور غیر مسلم جج کو اپنے فیصلے کا حاکم بنانا جائز ہے اور غیر اسلامی سرکاری عدالتوں کے غیر مسلم ججوں کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں غیر معتبر ہے، ارشاد ربانی ہے: "**فلا وربک لایؤمنون حتی یحکموک الخ**" (النساء۶۵)۔

اسی طرح قرآن کا فرمان ہے: "**لن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا**" (النساء۱۴۱)۔

(ہرگز نہ دے گا اللہ کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ)۔

دونوں آیتوں کے منفی خبر میں نہی کا معنی پوشیدہ ہے، اس لئے تمام فقہاء نے قضا کے شرائط میں مسلمان ہونا بیان کیا ہے، چنانچہ صاحب بدائع فرماتے ہیں:

"**وأما بیان من یصلح للقضاء فنقول: الصلاحیة للقضاء لها شرائط: منها العقل ومنها البلوغ ومنها الاسلام**" آگے فرماتے ہیں: "**فلا یجوز تقلید الجنون والصبی والکافر، لأن القضاء من باب الولایة بل هو أعظم الولایات وهؤلاء لیس لهم أهلیة أدنی الولایات وهی الشهادة فلا یکون لهم أهلیة أعلاها أولی**" (بدائع الصنائع ۵/ ۸ ۴۳-۹ ۴۳، مکتبہ دارالکتاب دیوبند، کتاب اداب القاضی)۔

(اور بہر حال ان لوگوں کا تذکرہ جو قضاء کی صلاحیت رکھتے ہیں سو ہم کہتے ہیں کہ قضا کی صلاحیت کے لئے چند شرائط ہیں: (۱) عقل (۲) بلوغ (۳) اسلام۔ آگے فرماتے ہیں: لہذا مجنون، بچہ اور کافر کو قاضی بنانا جائز نہیں، اس لئے کہ قضا ولایت کے باب میں سے ہے بلکہ سب

سے اہم ولایت ہے اور یہ لوگ ادنی ولایت یعنی شہادت کی اہلیت نہیں رکھتے لہٰذا اعلیٰ ولایت کی اہلیت بدرجہ اولی نہیں ہوگی) (ہکذا فی الفتاوی الہندیہ ۳/ ۳۰۷ کتاب ادب القاضی وفی الدرایلہ اہل الشہادة ۸/ ۲۳ الدر المختار مع رد المحتار کتاب القضاء)۔

۲، ۳، ۴- اگر کسی غیر اسلامی عدالت میں عورت رشتۂ نکاح کو ختم کرنے کی درخواست دیتی ہے اور غیر مسلم جج تفریق کا فیصلہ کردیتے ہیں تو اس سے تفریق نہیں ہوتی ہے خواہ شوہر سے دستخط لیکر ضابطہ کی کارروائی کریں یا بغیر دستخط لئے، غیر مسلم ججوں کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں غیر معتبر ہے کمامر فی جواب السوال الاول، چنانچہ مفتی محمود حسن صاحبؒ فرماتے ہیں: غیر مسلم جج کا فیصلہ فسخ نکاح میں کافی نہیں: (از محشی: اگر کسی جگہ فیصلہ کنندہ حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے اس کے حکم سے فسخ وغیرہ ہرگز نہیں ہوگا "لان الكافر ليس بأهل القضا على المسلم كما هو مصرح في جميع كتب الفقه") (فتاوی محمودیہ ۱۳/ ۱۷۳، مکتبہ ادارہ صدیق ڈھابیل، ہکذا فی کتاب الفتاوی ۶/ ۵۶)۔

اور اگر جج مسلمان ہو اور اس کا فیصلہ شریعت حقہ کے مطابق ہو تو فسخ نکاح صحیح ہوگا خواہ شوہر دستخط کرے یا نہ کرے (کفایۃ المفتی ۲/ ۲۱۴، امداد الفتاوی جدید ۳/ ۴۳۴ و ۲/ ۴۶۹، محمودیہ ۱۳/ ۱۷۰، کتاب الفتاوی ۶/ ۶۲)۔

۵- یوں تو مسلمانوں کے تمام نزاعات میں ضروری ہے کہ مسلم حاکم فیصلہ کرے، غیر مسلم عدالتوں سے اپنے نزاعات کا فیصلہ کرانا مسلمانوں کے لئے بالکل مناسب نہیں، "لأنه لاولاية لكافر على مسلم كما مر" لیکن وہ عائلی مسائل جن میں قضاء قاضی کی ضرورت ہوتی ہے ان کے لئے مسلم قاضی کا ہونا اشد ضروری ہے۔ مثلاً:

ا- بسا اوقات کسی عورت کا خاوند مفقود ہوجاتا ہے اور عورت بھی نوعمر اور محتاج ہوتی ہے، متاخرین حنفیہ کے فتوی کے بموجب گنجائش ہے کہ وہ اپنی خلاصی کی سبیل بہم پہنچائے لیکن اس

کی تکمیل بغیر مسلم قاضی کے فیصلے کے ممکن نہیں۔

۲-بہت سی نابالغہ لڑکیوں کا نکاح ان کے ولی کر دیتے ہیں، نکاح شرعاً درست ہو جاتا ہے مگر لڑکی اگر خیار بلوغ کو استعمال کر کے نکاح فسخ کرانا چاہے تو فسخ کے لئے مسلم قاضی کا فیصلہ ضروری ہے۔

۳-اگر کوئی اپنی ساس سے ناجائز حرکت کرے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے مگر تفریق کے لئے مسلم قاضی کا ہونا ضروری ہے۔

اسی طرح فسخ وتفریق کے بہت سے مسائل نیز رویت ہلال کی شہادت قبول کرنے نہ کرنے میں مسلم قاضی کا ہونا ضروری ہے۔ان مسائل میں غیر مسلم عدالتوں کے غیر مسلم ججوں کا فیصلہ کافی نہیں (مستفاد از کفایۃ المفتی ۲/ ۲۲۰)۔

البتہ وہ مسائل جن میں قضاء قاضی کی ضرورت نہیں صرف رفع نزاع کے لئے مجبوری میں غیر مسلم عدالتوں کی طرف رجوع کرے تو گنجائش ہونی چاہئے۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مفتی معزالدین قاسمی ☆

عام طور پر حاکم ومحکوم حکمراں و رعایا عوام اور عدلیہ ان میں آپس میں جو معاملات پیش آتے ہیں وہ تین قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) عبادات　　(۲) معاملات　　(۳) عقوبات (حدود)۔

عبادات:

جیسے نماز (جمعہ وعیدین کا قائم کرنا)۔ زکوۃ (جیسے اجتماعی زکوۃ کے وصول کرنے وخرچ کرنے کا نظم) اور حج وغیرہ وغیرہ۔

معاملات:

جیسے طلاق، خلع، نکاح، خرید وفروخت، ملازمت، لین دین۔ اسی میں معاشرت کے وہ احکام بھی داخل ہوں گے جو فریقین سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے آپسی تنازعات گھروں کی یا مال و جائیداد کی تقسیم پڑوسی کے حقوق وغیرہ۔

عقوبات:

(حدود) قصاص (جان کے بدلے جان) یا کسی نے کسی کی آنکھ پھوڑی تو جواب میں اس کی آنکھ پھوڑ دی جائے، اسی طرح حد زنا، حد قذف، لعان وغیرہ اس میں تعزیرات (سزائیں

☆ مہتمم دارالعلوم اورنگ آباد، مہاراشٹرا۔

مختلف قسم کی) وہ بھی شامل ہوں گی۔

ظاہر ہے کہ عبادات میں قول کافر کے قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، چنانچہ فقہاء کرام نے اس کی صراحت کردی ہے۔

اسی طرح عقوبات اس کے لئے دارالاسلام کا ہونا شرط ہے، چونکہ حدود وشریعت دارالحرب میں جاری نہیں ہوتی ہیں، درمختار میں ہے: **"لانہ لاحد بالزنیٰ فی دار الحرب"** (کتاب الحدود ۳؍۱۴۱)۔

اب رہا مسئلہ معاملات کا جیسے نکاح، طلاق، خلع وغیرہ تواس بارے میں عرض یہ کرنا ہے کہ ہندوستان میں علماء کرام کی مسلسل جدوجہد کے طفیل میں شریعت بل پارلیمنٹ میں پاس ہوا۔ اور انگریز ہی کے زمانے سے مسلم پرسنل لاء کے بارے میں طے پایا کہ اگر دونوں (میاں اور بیوی) اس کے مطابق فیصلہ کرنا چاہے تو جج مسلم پرسنل لاء (طلاق خلع نفقہ وغیرہ) میں شریعت (قرآن، حدیث وفقہ) کے مطابق فیصلہ دے گا۔ چنانچہ اس کے مطابق عدالتوں میں رجوع کیا گیا تو عام تر فیصلے شریعت کے مطابق ہوئے۔

اب یہ بات برطانیہ وغیرہ ممالک میں کس حد تک ممکن العمل ہے اور وہاں بھی اس قسم کی قانونی سہولت فراہم ہے یا نہیں اس کا علم نہیں۔ اور اگر اس قسم کا قانونی تحفظ حاصل نہ ہو تو عدالتیں جتنے بھی فیصلے میاں بیوی کے مابین کرے گی اس میں جبر کی صورت ہوگی اور جبراً کسی چیز کو لازم کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔ الا یہ کہ شوہر کی طرف سے تعدی اور ظلم ثابت ہوجائے تو اس صورت میں جج شوہر پر جبر کرسکتا ہے اور اس سے خلاصی کی کسی صورت (طلاق۔منظوری خلع) وغیرہ کو شوہر کی مرضی سے لاگو کرسکتا ہے۔ لیکن اس صورت میں بھی شوہر کی مرضی اصل ہوگی۔ چنانچہ اس قسم کی صورت میں مولانا تھانویؒ نے امدادالفتاوی (۲؍۴۴۳، کتاب القضاء) پر تحریر فرمائی ہے ملاحظہ ہو:

الجواب:- ''**قال اللہ تعالیٰ فأمسکوھن بمعروف ولاتمسکوھن ضراراً لتعتدوا**'' یہ آیت اپنے عموم الفاظ سے دال ہے تحریم اضرار اور ایجاب تسریح پر جبکہ امساک بالمعروف نہ ہو سکے پس جب صورت مسئولہ میں زوج پر تطلیق واجب ہے اور واجب پر قادر شخص پر جبر جائز ہے، اس لئے حالت کذائیہ میں حاکم سے استغاثہ و استعانت فی التطلیق بلا شبہ جائز ہے، باقی اگر شوہر باوجود اس کے طلاق نہ دے تو خود حاکم کا حکم بالتفریق نا کافی ہے۔ لفقد شرائطہ۔

لہٰذا ان ممالک کے مسلم باشندگان کو چاہئے کہ وہ کوشش وجد وجہد کر کے پارلیمنٹ میں یہ بل پاس کروائیں کہ ہم مسلمان برطانیہ اپنے مابین مسائل میں شریعت کے مطابق فیصلہ ہی چاہیں گے، لہٰذا شریعت کے مطابق فیصلے کئے جائیں اور مسلم جج کا تقرر کیا جائے تاکہ وہ فیصلہ کرے۔ چونکہ ہمارے مذہب اسلام میں غیر مسلم کا فیصلہ لاگو نہیں ہوتا ہے۔

الباب السادس فی ولایۃ القضاء صفحہ (۸۳،۸۴) پر علامہ ماوردیؒ نے اپنی مشہور کتاب ''**الأحکام السلطانیہ والولایات المینیۃ**'' میں چوتھی شرط کے تحت تحریر فرمایا: **والشرط الرابع: الإسلام یکون شرطاً فی جواز الشھادۃ مع قول اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ: ''ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلاً'' الاٰیۃ ولایجوز أن یقلد الکافر القضاء علی المسلمین ولا علی الکفار وقال ابو حنیفۃؒ: یجوز تقلیدہ القضاء بین أھل دینہ**''۔

مذکورہ صراحت سے جب یہ بات واضح ہوگئی کہ کافر ججوں کے فیصلے مسلمانوں کے حق میں شرعاً نافذ نہیں ہوں گے۔ جبکہ عام طور پر عدالتوں میں مسلم عورتوں کے مطالبہ پر یعنی درخواست دینے پر جج فسخ نکاح یا تفریق یا علیحدگی کا فیصلہ کر دیتے ہیں، اور شوہر کے خواہی نہ خواہی بلکہ حضور و عدم حضور کی صورت میں بھی فیصلہ صادر کر دیا جاتا ہے، تو اس صورت میں مسئلہ کا ایک

حل تو وہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اگر یہ بات حکومت مان لیتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس کو منوانا اتنا آسان نہیں ہے لیکن اس سلسلہ میں اگر کوششیں کی جائیں تو کوئی بعید نہیں کہ آج نہیں تو کل یہ بات تسلیم کی جاسکتی ہے۔

دوسرا طریقہ اس مسئلہ کے حل کا یہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں میں سے دینی شعور رکھنے والا عمومی طبقہ اور علماء کرام باہمی اتفاق سے ملک کے مختلف آبادی والے بڑے بڑے شہروں میں دارالقضاء (اسلامی عدالت) قائم کریں اور ان دارالقضاء میں معاملہ فہم تربیت یافتہ علماء کا تقرر کیا جائے اور وہ علماء کرام مسلمانوں کے آپسی نزاعات میں شرعی فیصلے صادر کریں۔

چونکہ علامہ شامی ودیگر فقہاء احناف نے اس کی صراحت کی ہے کہ "**یصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین**" قاضی قاضی ہوجائے گا مسلمین کی تراضی سے۔

علاوہ ازیں اگر سر دست یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر وہی طریقہ اختیار کیا جائے جس کو مولانا اشرف علی تھانویؒ نے "الحیلة الناجزہ" میں ذکر فرمایا: ہر جگہ کم از کم تین افراد پر مشتمل کمیٹیاں تشکیل دی جائیں جن میں کم از کم ایک عالم دین ہوں باقی حضرات معاملہ فہم دیندار ہوں وہ لوگ معاملہ کو شرعی بنیادوں پر حل کریں۔ کسی ایک کا فیصلہ نہ ہو بلکہ تینوں حضرات بالاتفاق کسی نتیجہ پر پہنچیں، چنانچہ اس قسم کی کمیٹیاں شرعی پنچایت ہوں گی اور ان کا فیصلہ قضاء قاضی کے حکم میں ہوگا۔ اس کی مزید تفصیلات "الحیلة الناجزہ" میں موجود ہیں۔

مذکورہ تین طریقہ ان ممالک میں مسلمانوں کے باہمی مسائل حل کرنے کے ہوسکتے ہیں، ان طریقوں کو اختیار کرکے شرعی بنیادوں پر مسائل طلاق وخلع وفسخ وتفریق کو حل کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق کا شرعی حکم

مولانا عبداللطیف پالنپوری☆

۱- "وأجمعوا علی ان قوله لأجنبی: طلق امرأتی توکیل ولایتقید بالمجلس وهو فصل التوکیل" (بدائع الصنائع ۳؍۱۲۲)۔

(اس بات پر اجماع ہے کہ کسی آدمی کا اجنبی شخص کو یہ کہنا کہ تو میری بیوی کو طلاق دیدے یہ توکیل ہے اور مجلس کے ساتھ مقید نہ ہوگی)۔

"إذا وکلت الذمیة مسلما بخلعها من الذمی علی خمر أوخنزیر جاز ولوکان أحد الزوجین مسلما والوکیل کافرا جاز الخلع ویبطل الجعل – کذا فی المبسوط" (ہندیہ ۳؍۶۱۲، باب الوکالۃ بالطلاق)۔

(جب ذمیہ نے کسی مسلمان کو ذمی سے شراب اور سور پر خلع کرنے کا وکیل بنایا تو جائز ہے، اور اگر زوجین میں سے ایک مسلمان ہو اور وکیل کافر ہو تو خلع جائز ہے اور اجرت باطل ہوجائے گی)۔

مذکورہ بالا دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ کسی اجنبی کو یہ کہنا کہ "طلق امرأتی" توکیل بالطلاق ہے، اور توکیل بالطلاق مجلس کے ساتھ مقید نہیں ہوتی، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ کافر کو خلع وطلاق جیسے مسائل میں وکیل بنانا صحیح ہے-سوالنامہ کی پہلی صورت میں شوہر کی طرف سے

☆ جامعہ نذیریہ، کاکوسی، گجرات۔

غیر مسلم عدالت میں رشتۂ ازدواج کو ختم کرنے کی درخواست دینا یہ توکیل بالطلاق ہے، جو شرعاً صحیح ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوا، لہٰذا غیر مسلم عدالت کا فیصلۂ طلاق معتبر اور نافذ ہوگا۔

لیکن بے غبار صورت یہ ہے کہ اگر شوہر قانونی مجبوری کی وجہ سے عدالت کے فیصلہ کے بغیر رشتۂ ازدواج کو ختم نہ کرسکتا ہو یا شوہر کے طلاق دینے کی صورت میں عورت کی طرف سے شوہر کے خلاف عدالتی کاروائی کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں شوہر قانونی طور پر اس سے تحفظ کے لئے غیر مسلم عدالت سے رشتۂ ازدواج کو ختم کرنے کا فیصلہ حاصل کرلے، اس کے بعد اپنے شرعی اختیار کی بنیاد پر طلاق دیدے۔

۲- دوسری صورت میں چونکہ شوہر کی طرف سے درخواست کی صورت میں صراحۃ توکیل بالطلاق نہیں پائی گئی، اور دستخط کرنے میں رضاء اور عدم رضاء دونوں کا احتمال ہے، لہٰذا عدم رضا کی صورت میں غیر مسلم عدالت کا فیصلہ شرعاً معتبر اور نافذ نہ ہوگا، اور رضاء کی صورت میں اگر اس کو دلالۃ توکیل بالطلاق مانا جائے تو عدالت کا فیصلۂ طلاق معتبر اور نافذ ہونا چاہئے۔

۳، ۴- الحیلۃ الناجزہ ۴۵ پر ہے: ہندوستان کی جن ریاستوں میں قاضی شرعی موجود ہیں، وہاں تو معاملہ سہل ہے، اور گورنمنٹی علاقوں میں جہاں قاضی شرعی نہیں ان میں وہ حکام، جج، مجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے موافق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے: "**لما في الدر المختار: ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو كافرا ذكره مسكين وغيره**" لیکن اگر کسی جگہ فیصلہ کنندہ حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے، اس کے حکم سے فسخ وغیرہ ہرگز نہیں ہوسکتا، "**لأن الكافر ليس بأهل القضاء على المسلم، كما هو مصرح في جميع كتب الفقه**" نیز فتاویٰ رحیمیہ میں

اس سلسلے کا ایک سوال وجواب مذکور ہے ملاحظہ فرمائیں:

سوال:-ایک عورت نے کنیڈا میں کورٹ میں درخواست دی کہ میں اپنے شوہر کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی مگر شوہر طلاق دینا نہیں چاہتا، یہی وجہ ہے کہ اس نے کورٹ میں نہ کسی تحریر پر دستخط کئے ہیں، نہ طلاق نامہ لکھنے کے لئے کہا اور نہ زبان سے طلاق دی، عورت نے اپنے دستخط کر کے کورٹ میں جو درخواست پیش کی اسی درخواست کو بنیاد بناتے ہوئے کورٹ نے اپنا تحریری فیصلہ عورت کو دیدیا، جس میں دونوں کے درمیان تفریق کردینے کا تذکرہ ہے تو شرعی اعتبار سے عورت پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور دونوں کے درمیان تفریق ہوگئی یا نہیں؟

جواب:-صورت مسئولہ میں عورت نے اپنے طور پر شوہر سے علیحدگی اختیار کرنے کے لئے کورٹ میں درخواست دی مگر شوہر طلاق دینا نہیں چاہتا، اسی وجہ سے نہ اس نے کسی تحریر پر دستخط کئے نہ خود طلاق نامہ لکھا نہ کسی کو لکھنے کے لئے وکیل بنایا اور نہ زبانی طلاق دی، کورٹ نے عورت کی درخواست پر فسخ نکاح کا فیصلہ کردیا تو یہ فیصلہ شرعی اعتبار سے غیر معتبر ہے اور اس سے نہ نکاح فسخ ہوگا اور نہ عورت پر طلاق واقع ہوگی۔

اس قسم کے مقدمات کے فیصلہ کا حق شرعی قاضی کو ہوتا ہے، اور جہاں شرعی قاضی نہ ہو اور مسلم جج کو گورنمنٹ نے اس جیسے مقدمات کا شرعی فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہو اور وہ مسلم مجسٹریٹ شریعت کے مطابق فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہوجاتا ہے، یا پھر دیندار مسلمانوں کی شرعی پنچایت (جماعت مسلمین) جس میں کم از کم ایک دو مستند عالم بھی ہوں، یہ پنچایت شرعی تحقیق کے بعد فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ بھی معتبر ہوتا ہے، غیر مسلم مجسٹریٹ کا فیصلہ ایسے معاملات میں معتبر نہیں ہوتا، لہٰذا صورت مسئولہ میں عورت یا تو شوہر سے طلاق حاصل کرے، اگر وہ انکار کرے تو خلع کرلے یا پھر شرعی پنچایت میں اپنا معاملہ پیش کر کے ان کے فیصلہ کے مطابق عمل کرے (فتاویٰ رحیمیہ ۸/۴۰۴ مکتبہ رحیمیہ گجرات راندیر)۔

مذکورہ بالا الحیلۃ الناجزۃ کی عبارت اور فتاویٰ رحیمیہ کے اس سوال وجواب سے سوالنامہ کی تیسری اور چوتھی صورت کا حکم بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ تیسری صورت میں اگر عدالت نے تفریق کا فیصلہ کردیا تو یہ فیصلہ شرعاً معتبر نہیں ہوگا، اور چوتھی صورت میں اگر مسلم جج کو گورنمنٹ نے اس جیسے مقدمات کا شرعی فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہو اور وہ مسلم جج شریعت کے مطابق فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ بھی شرعاً معتبر اور نافذ ہوگا۔

☆☆☆

فسخ نکاح میں غیر مسلم ممالک کے عدالتوں کا فیصلہ

مولانا محمد فاروق دربھنگوی

شریعت اسلامیہ نے کسی بھی مسلمان کے خلاف حکم و فیصلہ کے صحیح ہونے کے لئے قاضی وحاکم کے مسلمان ہونے کو ضروری قرار دیا ہے، بغیر صفت اسلام کے بہت ممکن ہے کہ ایک شخص حاکم وقاضی تو ہوجائے اور اس کے فیصلہ ذمی وکافر کے خلاف نافذ بھی ہو، لیکن کسی بھی مسلمان کے خلاف نافذ نہیں ہوں گے۔

"قال في البحر: وبه علم أن تقليد الكافر صحيح وإن لم يصح قضاءه على المسلم حال كفره" (شامی ۲۴)۔

(بحر الرائق میں فرمایا کہ اس سے معلوم ہوگیا کہ کافر کو منصب قضاء پر فائز کرنا صحیح ہے اگر چہ اس کا فیصلہ مسلم کے خلاف اس کے کفر کی حالت میں معتبر نہیں)۔

اور یہ اس لئے کہ حکم وقضا باب ولایت سے ہے، جس میں انسان اپنی بات دوسرے پر اس کے رضا وإباء دونوں صورت میں نافذ کرتا ہے، اور اس قسم کی ولایت کسی بھی کافر کو مسلمان پر حاصل نہیں، جیسا کہ امام ابو بکر جصاصؒ آیتِ کریمہ: "يا أيها الذين اٰمنوا لاتتخذوا الكافرين أولياء" کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

"اقتضت الاٰية النهي عن الاستنصار بالكفار والاستعانة بهم والركون عليهم، وهو يدل على أن الكافر لايستحق الولاية على المسلم" (احکام القرآن

للتھانوی ۲/ ۳۶۴)۔

(آیت پاک تقاضا کرتی ہے کہ کفار سے نصرت و مدد حاصل کرنا ان پر اعتماد اور بھروسہ کرنا ممنوع ہو، اور یہ آیت اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ کافر کو مسلمان پر کسی قسم کی ولایت کا استحقاق نہیں)۔

"وفي الهداية: لايجوز تحكيم الكافر ...... لانعدام أهلية القضاء وفي فتح القدير إلا أن يحكمه الذميان، لأنه من أهل الشهادة عليهم فهو من أهل الحكم عليهم" (فتح القدیر ۷/ ۲۹۶)۔

(اور ہدایہ میں ہے کہ کافر کو حاکم بنانا جائز نہیں، کیونکہ اس میں قضاء کی اہلیت پائی نہیں جاتی، اور فتح القدیر میں ہے کہ مگر جب دو ذمی کسی کافر کو حاکم بنائے تو ان کے خلاف کافر کا فیصلہ جائز ہوگا، اس لئے کہ کافر ذمیوں کے خلاف اہلیت شہادت رکھتا ہے تو ان کے خلاف فیصلہ کی بھی اہلیت ہوگی)۔

اسی لئے حضرات شوافع کے نزدیک کوئی کافر نہ تو ابتداءً کسی مسلم غلام کا مالک ہوسکتا ہے اور نہ تو اس کو خرید سکتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان پر کافر کے لئے سبیل کی نفی کی ہے، اور خرید وفروخت کے ذریعہ مالک ہوجانا، مسلمان پر سبیل و غلبہ کا حاصل ہوجانا ہے (الجامع لاحکام القرآن القرطبی ۳/ ۲۸۸، دار الفکر)۔

البتہ ہمارے احناف کے یہاں مسلمان غلام کا کافر مالک تو ہوسکتا ہے مگر بیچ کر اسے اپنی ملکیت سے نکالنے پر مجبور کیا جائے گا، تاکہ کافر کا غلبہ اور سبیل مسلمان پر لازم نہ آئے۔

"قال أبو حنيفه: الشراء صحيح ...... لكن يجبر الكافر أن يبيع العبد بحكم هذه الآية نظر للجانبين" (تفسیر مظہری ۲/ ۲۴۳، بیروت)۔

مذکورہ سطور سے معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی کافر کو کسی بھی مسلمان پر نہ کوئی غلبہ

اور تسلیل دیا ہے اور نہ ایسی تولیت دی ہے کہ اس کے ذریعہ سے کسی مسلمان کے خلاف اپنے قول کی تنفیذ کر سکے، اسی بنیاد پر کسی بھی کافر کی کوئی گواہی کسی بھی مسلمان کے خلاف قابل قبول نہیں۔

لہٰذا جب دو مسلمان کسی کافر کی عدالت میں مرافعہ قضاء کرے اور وہ کافر کسی ایک کے حق میں فیصلہ کردے تو ظاہری بات ہے کہ یہ فیصلہ دوسرے مسلمان کے خلاف ہوگا، اور مذکورہ تفصیلات کے خلاف لازم آئے گا، اس لئے اس کا فیصلہ شرعی اعتبار سے معتبر نہ ہوگا۔

چنانچہ ایسے ممالک جہاں کے حکام و جج غیر مسلم ہوں ان کے فسخ نکاح، وطلاق کے فیصلہ میں تفصیل ہوگی، وہ یہ کہ:

مرد یا زن کے مرافعہ معاملہ کے بعد اگر کافر جج شوہر کو بلا کر اس کے اختیار و رضاء سے طلاق نامہ لکھوائے یا لکھے ہوئے طلاق نامہ پر اس کے پڑھنے کے بعد بلا جبر و اکراہ دستخط کروائے، یا زبانی طلاق دلوائے، پھر جج فرقت کا فیصلہ نامہ تحریر کردے، تو ان تمام صورتوں میں طلاق واقع ہوجائے گی، اور حقیقت میں یہ طلاق شوہر کی جانب سے شمار ہوگی، حاکم کی جانب سے نہیں۔

لیکن اگر شوہر سے طلاق نہیں دلوائی بلکہ لڑکی یا لڑکا کی درخواست پر حاکم غیر مسلم نے خودمختاری کے ساتھ فیصلہ کردیا، تو اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ہاں اگر اس قسم کے غیر اسلامی ممالک میں منجانب حکومت مسلم حاکم ہوں اور وہ شریعت کے مطابق شوہر سے بیان لیکر مقدمہ کو صحیح قرار دے اور فسخ نکاح کا فیصلہ کردے تو یہ فیصلہ معتبر ہوگا (فتاوی محمودیہ ۱۳/۱۱۸، مبوب و معلق پاکستان)۔ تفصیل مذکور کے بعد خلاصۂ جواب حسب ذیل ہے:

۱- غیر مسلم عدالت میں شوہر کا رشتہ ازدواج کو ختم کرنے کی درخواست دینا تحکیم کی ایک صورت ہے جس میں تفصیل مذکور کے مطابق شوہر سے طلاق لیکر فرقت نامہ تحریر کردینا معتبر ہے،

ورنہ حاکم کا خودمختاری فیصلہ معتبر نہیں۔

۲- عدالت کا شوہر کو بلا کر دستخط لینا کہ "جو فیصلہ ہوگا تم کو منظور کرنا ہوگا" اگر شوہر نے اس شرط کو پڑھ کر بخوشی و رضا دستخط کر دیا تو شوہر کے اس دستخط کی حیثیت "امر بالید" کی ہوگی، گویا شوہر کا پڑھ کر بخوشی دستخط کر دینا اپنے رشتۂ ازدواج کا معاملہ بخوشی حاکم کے سپرد کر دینا ہے، کہ وہ باقی رکھے یا نہ رکھے، اور یہی مطلب ہے امر بالید کا، جیسا کہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

"الامر بمعنى الحال واليد بمعنى التصرف والمعنى حال طلاق المرأة الذى جعل زوجها فى تصرفها"۔

(امر بمعنی حالت، اور ید بمعنی تصرف اور امر بالید کا مطلب یہ ہے کہ عورت کے طلاق کی وہ حالت جس کو اس عورت سے شوہر نے اس کے تصرف میں دیدیا ہو)۔

"وفى البدائع لما جعل الأمر بيدها فقد خيرها بين اختيارها نفسها فى التطليق وبين اختيارها زوجها" (بدائع، ۲۴۸/۴، مکتبہ باز)۔

(اور بدائع میں ہے کہ شوہر نے جب عورت کے اختیار میں طلاق دیدی تو دو باتوں کے مابین اس کو اختیار دیدیا کہ آیا وہ طلاق دینے میں اپنے آپ کو اختیار کر لے یا اپنے شوہر کو حسب سابق اختیار کئے رہے)۔

لہٰذا اس صورت میں جب بھی حاکم فیصلہ کرے گا، اس کا اعتبار از روئے شرع ہوگا۔

۳- اس صورت میں حاکم غیر مسلم کا فیصلہ معتبر نہیں، البتہ حاکم مسلم، شرعی امور کا لحاظ کرتے ہوئے فیصلہ کر دے تو معتبر ہوگا۔

۴- غیر مسلم ممالک میں مسلم حاکم کا فیصلہ اگر شرعی ضابطہ کے مطابق ہو تو از روئے شرع اس کا اعتبار کیا جائے گا، اور حکومت غیر مسلم ہونے سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

☆☆☆

غیر اسلامی عدالتوں میں طلاق کے مسائل

حافظ شیخ کلیم اللہ عمری مدنی ☆

۱- مذکورہ درخواست کی حیثیت تفویض کی ہے اور غیر مسلم عدالت کو تحکیم کا اختیار نہیں دیا جاسکتا ، اور غیر مسلم جج صاحبان کا فیصلہ اگر اسلامی قوانین کے مطابق ہوں جس کی توثیق معتبر و مستند علماء یا اسلامی تحریکات وغیرہ کے ذریعہ ہو تو یہ فیصلہ قابل قبول ہوگا ورنہ نہیں' جیسا کہ مؤقر علماء کے فتاوی میں مذکور ہے:

"ولاتتوقف صحة الزواج بما هومتبع في القوانين الاستراليةلأن الزواج والطلاق من باب الولايةولا ولاية لغير المسلم على المسلم ولكن يجب ان يوثق هذا الزواج لدى الجهات الرسميةالاسلامية المختصة بذلک" (فتاوی معاصرۃ ۱/ ۲۰۲)۔

۲- غیر مسلم عدالتوں میں مسلم عورتوں کا خلع وغیرہ کے لئے رجوع کرنا درست نہیں ہے بلکہ معتبر و مستند علماء یا اسلامی تحریکات وغیرہ کے ذریعہ خلع کا مطالبہ کیا جائے پھر اس خلع پر عدالتوں کے ذریعہ توثیق کی جائے تو مناسب ہے۔

۳- غیر اسلامی عدالتوں کو میاں بیوی کے مابین تفریق کرانے کا حق حاصل نہ ہوگا، البتہ عدالت کا فرض ہے کہ قانونی کاروائی کے ذریعہ شوہر کو عدالت میں حاضر کیا جائے اور اسلامی

☆ مفتی جامعہ دارالسلام عمرآباد ٹمل ناڈو۔

قانون کے مطابق کاروائی کرائے۔

۴- مذکورہ صورت میں وہ مسلم جج ان غیر اسلامی ممالک وعدالتوں کا ایک کل پرزہ ہے، لہذا ان جج صاحبان کو مسلم حاکم یا قاضی کی حیثیت نہیں دی جاسکتی۔

۵- غیر اسلامی عدالتوں اور حکام کے فیصلے اسلام کے مطابق ہوں تو وہ قابل قبول ہوں گے جن کی توثیق مستند علماء کرام سے ہو ورنہ دیگر صورت میں مسلم پرسنل لاء میں دخل اندازی درست نہ ہوگی، لہذا ایسے ملکوں میں مسلم کمیونٹی / دارالقضاء وغیرہ کے ذریعہ سے مسلمان اپنے شرعی مسائل حل کرائیں۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا محمد احسن عبدالحق ندوی☆

نظام قضاء کا سب سے نازک پہلو یہ ہے کہ غیر مسلم جج کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں معتبر نہیں ہے، اسی طرح جو عورتیں سرکاری عدالتوں سے اپنا نکاح فسخ کروالیں تو وہ چاہے اسلامی قانون کے مطابق ہی کیوں نہ ہو، یہ فیصلے غیر معتبر ہیں اور عورت اپنے پہلے شوہر کی زوجیت میں باقی رہتی ہے اور یہ نکاح فسخ نہیں ہوتا ہے، نیز اس کے بعد کے تعلقات معصیت قرار پاتے ہیں، ایسی خواتین کے لئے اسلامی اور شرعی زندگی کی واحد راہ نظام قضاء کا قیام ہے (جدید فقہی مسائل ۴۴۶/۱)۔

فقہ کا یہ مسئلہ ہے کہ جو لوگ شہادت کے اہل ہیں وہ قضاء کے اہل ہیں اور شہادت کی اہلیت کے لئے جو شرط ہے وہی قضاء کی اہلیت کے لئے شرط ہے۔

شہادت کی اہلیت کے لئے کیا شرط ہے، علامہ شامی نے ''أہلہ أہل الشہادۃ'' کے تحت بحر کے حوالہ سے لکھا ہے: ''**وحاصله أن شروط الشهادة من الإسلام والعقل والبلوغ والحرية وعدم العمى والحد في القذف، شروط لصحت توليته ولصحة حكمه بعدها**'' (ردالمحتار، کتاب القضاء ۸/۲۳-۲۴)۔

(حاصل یہ ہے کہ شہادت کی شرائط یعنی اسلام، عقل، بلوغ، حریت، اندھا نہ ہونا اور محدود فی القذف نہ ہونا اور قضاء کے عہدہ پر کسی شخص کے تقرر کی صحت کے لئے اور تولیت کے بعد

☆ مرکز الإمام أبی الحسن الندوی دارعرفات رائے بریلی، یوپی۔

اس کے حکم کے صحیح ہونے کے لئے یہی شرطیں ہیں)۔

مذکورہ عبارت کے بعد علامہ شامی نے یہ لکھا ہے: "**مقتضاه أن تقليد الكافر لايصح وإن أسلم**" اس کا مقتضاء یہ ہے کہ کافر کو قاضی بنانا صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ اہلیت قضاء کے لئے اسلام شرط ہے، غیر مسلم حاکم کا فیصلہ کافی نہیں، اگر حاکم غیر مسلم ہوتو وہاں غیر مسلم حاکم سے یہ درخواست کی جائے کہ وہ اس معاملہ کے لئے کسی مسلمان عالم کو مجاز کردے کہ وہ شرعی فیصلہ کردے اور پھر حاکم اس فیصلہ کو اپنی عدالت سے نافذ کردے (کفایت المفتی ۱۳۲/۶)۔

اگر غیر مسلم حاکم نکاح فسخ کردے تو عورت آزاد نہ ہوگی اور دوسرا نکاح نہ کرسکے گی، حاکم کے ضمن میں جو عبارت ذکر کی گئی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی جگہ فیصلہ کنندہ حاکم غیر مسلم ہوتو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے، اور اس کے فیصلہ سے فسخ وغیرہ بالکل نہیں ہوسکتا اور جہاں قاضی شرعی نہیں وہاں پر وہ حکام جج مجسٹریٹ وغیرہ جو حکومت کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں، اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے موافق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہوجاتا ہے، اور جہاں وہ بھی نہ ہوں تو وہاں مسلمانوں کی پنچایت کو بھی کچھ شرائط کے ساتھ نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے (کفایت المفتی ۱۶۷/۶)۔

اسلامی نقطۂ نظر سے مسلمانوں پر غیر مسلم قاضی نہیں ہوسکتا، فقہاء کے یہاں اس سلسلہ میں صراحتیں موجود ہیں:

"**فلا تصح تولية كافر ...... الخ**" (البحرالرائق ۲۶۰/۶ أيضا، ردالمحتار کتاب القضاء ۲۴/۸)۔

اس لئے غیر مسلم جج کی طرف سے نکاح فسخ کردیا جائے تو شرعاً اس کا اعتبار نہیں، اصل یہ ہے کہ ایک بار نکاح کے وجود میں آجانے کے بعد پھر شوہر ہی اس بات کا اختیار رکھتا ہے

کہ اس رشتہ کو ختم کرے، لیکن چونکہ قاضی کو مسلمانوں پر عمومی ولایت ہے، اس لئے وہ بہ حیثیت ولی عورت سے ظلم کو دفع کرنے کے لئے نکاح کو فسخ کردیتا ہے، اب اس بات پر اجماع ہے کہ غیر مسلم کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں ہوسکتی، بلکہ اگر باپ خدانخواستہ مرتد ہوجائے تو مسلمان بیٹے پر اس کی ولایت باقی نہیں رہے گی، خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''لایتخذ المؤمنون الکفرین أولیاء من دون المؤمنین ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شیٔ إلا أن تتقوا منھم تقٰة'' (سورہ آل عمران:۲۸)۔

لہٰذا کسی غیر مسلم جج کا نکاح فسخ کردینا غیر معتبر ہے اور اگر عدالت فیصلہ بھی کردے تو اپنے علاقہ کے ''قاضی شریعت'' سے رجوع ہوکر دوبارہ اپنے معاملہ کی تنقیح کرانی چاہئے، (جدید فقہی مسائل ۱/۴۵۳)۔

مسلمانوں کے لئے قطعاً جائز نہیں کہ وہ اپنے معاملات غیر اسلامی سرکاری عدالتوں میں لے جائیں، غیر مسلم ججوں کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں غیر معتبر ہے، اور ان کا فسخ کیا ہوا نکاح باقی رہتا ہے اور نکاح ثانی جائز نہیں ہوتا۔

''ولاتصح ولایة القاضی حتی یجتمع فی المولی شرائط الشھادة من الإسلام والتکلیف والحریة'' (ہندیہ ۳/۳۷)۔

فقہاء نے یہ بات واجب قرار دی ہے کہ اگر مسلمان ایسے ملک میں ہوں، جہاں غیر مسلمانوں کا غلبہ ہو، تب ان پر واجب ہے کہ وہ اپنے لئے امیر منتخب کریں، جو ان کے باہمی مقدمات کے فیصلہ کے لئے قاضی کا تقرر کرے۔

''وفی الفتح وإذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منه کما ھو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیھم الکفار کقرطبة الآن، یجب علی المسلمین أن یتفقوا علی واحد منھم یجعلونه والیاً فیولی قاضیاً'' (رد المحتار کتاب القضاء ۸/۴۴)۔

اس لئے کسی مسلمان مرد یا عورت کا شرعی دارالقضاء کو چھوڑ کر غیر اسلامی اداروں سے فیصلہ کا طلب گار ہونا قطعاً ناجائز اور سخت گناہ ہے۔

مذکورہ بحث کے بعد سوالات کے جوابات ملاحظہ ہوں:

۱- شوہر کے غیر مسلم عدالت میں درخواست دینے کے بعد عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد طلاق وفرقت کا فیصلہ کردیتی ہے، اس صورت کا حکم یہ ہے کہ غیر مسلم عدالت کا یہ فیصلہ صحیح نہیں مانا جائے گا، اسی طرح درخواست کو تفویض وتحکیم بھی نہیں مانا جائے گا، غیر مسلم جج کا فیصلہ مسلمان کے حق میں غیر معتبر ہوگا۔

۲- عدالت میں عورت کی طرف سے رشتۂ نکاح ختم کرنے کے درخواست آتی ہے، عدالت شوہر سے اس بات پر دستخط لیتی ہے کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تمہیں منظور کرنا پڑے گا، کارروائی کے بعد عدالت علاحدگی کا فیصلہ کردیتی ہے، اس صورت کا حکم یہ ہے کہ نہ ہی علاحدگی ہوگی اور نہ ہی دستخط کی کوئی حیثیت ہوگی۔

۳- عدالت نے حالات کا جائزہ لیکر جو فیصلہ کیا ہے وہ صحیح نہیں مانا جائے گا۔

۴- اگر جج غیر مسلم حکومت اور غیر مسلم عدالت کا ہے، مگر وہ مسلمان ہے، تو اس کو مسلم حاکم و قاضی کی حیثیت دی جائے گی، اور وہ جو فیصلہ کرے گا، اگر وہ فیصلہ شرعی قاعدہ کے مطابق ہے تو اس کے فیصلۂ فرقت کا اعتبار ہوگا اور اگر شرعی قاعدہ کے مطابق نہیں ہے تو نہیں ہوگا۔

۵- غیر مسلم عدالتیں اور حکام مسلمانوں کے شرعی معاملات میں کسی حد تک فیصلہ نہیں کرسکتے، اسی طرح اگر وہ فیصلہ کردیں تو مسلمان ان کے فیصلوں کا اعتبار نہیں کرسکتے، راقم الحروف کی یہی رائے ہے جو اوپر سوالات کے جوابات کے ضمن میں ذکر ہوئیں۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا رضوان الحق مظاہری☆

۱- رشتۂ نکاح کو توڑنے اور ختم کرنے کا حق شریعت نے شوہر ہی کو دیا ہے، شوہر کے علاوہ کسی کو یہ حق شوہر کی طرف سے اس کی نیابت اور شوہر کی اجازت سے حاصل ہوتا ہے مثلاً یہ حق شوہر کی اجازت کے بعد تفویض کی صورت میں یا شوہر کی اجازت کے بعد توکیل کی شکل میں دوسرے کو حاصل ہوتا ہے اور کبھی حاکم کو حاصل ہوتا ہے، اس شرط کے ساتھ کہ حاکم قاضی شرعی اور مسلمان ہو، مگر یہاں شوہر کا غیر مسلم عدالت میں درخواست دینا اس کو فقہاء کی تشریح کے مطابق تفویض مانا جاسکتا ہے اور عدالت کا فیصلہ کارروائی کے بعد طلاق کا معتبر اس لئے مانا جائے گا کہ شوہر نے اپنی نیابت عدالت کو سپرد کیا ہے اور عدالت محض شوہر کا وکیل ہے نہ کہ فیصل (چوں کہ غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر نہیں ہے) یہاں جج صرف وکیل ہے اگر چاہے تو شوہر اپنے اس درخواست کو واپس لے سکتا ہے اور اپنی نیابت کا حق ختم کرسکتا ہے۔

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں: "وإذا قال لرجل :طلق امرأتي فله أن يطلقها في المجلس وبعده وله أن يرجع، لأنه توكيل واستعانة فلا يلزم ولا يقتصر على المجلس باب تفويض الطلاق فصل في المشية" (ہدایہ ثانی)۔

(اور جب کہا کسی مرد سے: میری بیوی کو طلاق دیدے تو اس کے لئے اختیار رہے کہ وہ

☆ مدرسہ اعجاز العلوم احمد نگر، مہاراشٹرا۔

اس کو مجلس اور مجلس کے بعد طلاق دے اور شوہر کے لئے جائز ہے کہ وہ رجوع کرے، کیوں کہ یہ توکیل ہے اور استعانت لہٰذا لازم نہ ہوگا اور نہ مجلس پر منحصر ہوگا)۔

اسی طرح علامہ عینی الحنفیؒ البنایہ شرح ہدایہ میں تحریر فرماتے ہیں: "أما جواز التطليق للوكيل فلأنه أقامه مقام نفسه، وأما جواز ذالك بدون قيد المجلس فكان الوكيل أجنبي وقد يقدر على أن يعين الوكيل في المجلس وقد لايقدر فلم يقتصر على المجلس" (حوالہ البنایہ شرح ہدایہ ۵/۳۹۴)۔

(بہر حال طلاق کے لئے وکیل بنانے کا جواز اس لئے ہے کہ وکیل کو اپنے قائم مقام بنانے کی وجہ سے اور مجلس کے علاوہ میں جواز کا قید اس بنا پر ہے کہ وکیل اجنبی ہے، اس لئے اس کو مجلس کے بعد بھی یہ اختیار باقی رہے گا)۔

علامہ ابن نجیمؒ مصری لکھتے ہیں: "لوقال لرجل: طلق امرأتي لم يتقيد بالمجلس لأنه توكيل و استعانة فلا يقتصر على المجلس وأشار إلى انه له الرجوع عنه" (البحر الرائق ۳/۲۳۰، مطبوعہ رشیدیہ پاکستان)۔

(اگر کہا کسی مرد سے کہ میری بیوی کو طلاق دیدے تو مجلس کے ساتھ خاص نہ ہوگا، اس لئے کہ وکالت نام ہے مدد و استعانت کا، لہٰذا مجلس کے ساتھ خاص نہ ہوگا اور یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ شوہر کو اس سے رجوع کا حق ہے)۔

علامہ محقق ابن ہمام لکھتے ہیں: "أي للقائل أن يرجع، لأن هذا توكيل والتوكيل استعانة فلا يلزم وله أن يرجع ولا يقتصر، وللوكيل ان يفعله بعد المجلس" (فتح القدیر ۴/۹۹)۔

(طلق امرأتی کہنے والے کو اجازت ہے کہ وہ اپنے قول سے رجوع کرلے، اس لئے کہ توکیل اصل میں استعانت ہے، لہٰذا لازم نہ ہوگا اور شوہر کے لئے رجوع کرنا جائز ہوگا)۔

فقہائے کرام کی ان تمام تشریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر کے درخواست پر جج صرف وکیل ہے جس کو شوہر کی طرف سے نیابت حاصل ہے اور وہ مجلس میں اور مجلس کے بعد عمل کرسکتا ہے، نہ کہ اس معنی کر کہ غیر مسلم جج ہونے کے اعتبار سے اس کا فیصلہ قبول کیا جائے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ عورت کی طرف سے عدالت میں درخواست آتی ہے کہ میرا رشتۂ نکاح ختم کیا جائے عدالت شوہر کو بلا کر اس سے دستخط لیتی ہے کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور کرنا ہوگا اور کارروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ کیا جاتا ہے اس صورت حال کا کیا حکم ہوگا اور شوہر کے دستخط کی کیا حیثیت ہوگی؟

"وفي البحر إن المراد الاكراه على التلفظ بالطلاق، فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لاتطلق لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولاحاجة هنا" (حوالہ بحر الرائق کتاب الطلاق رد المحتار ۲/ ۴۴۰)۔

(اگر شوہر سے جبراً تلفظ طلاق کہلوائے تو طلاق واقع ہوجائے گی، لیکن اگر جبراً اس سے لکھوائے تو طلاق واقع نہ ہوگی کتابت اگرچہ تلفظ کے قائم مقام ہوتا ہے مگر ضرورت کے وقت)چوں کہ جج اور حاکم غیر شرعی کے سامنے شوہر دستخط کرتا ہے نہ تو طلاق کا پتہ ہے نہ ہی طلاق نامہ کے مضمون کا کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے یا اس میں آئندہ کیا لکھا جائے گا اور کارروائی کے بعد طلاق کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور شوہر سے دستخط لینا ایک دھوکا اور فریب ہے جو درست نہیں ہے۔

(۳) تیسری صورت یہ ہوتی ہے کہ عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں نہیں آیا یا آیا تو مگر دستخط و تفویض پر تیار نہیں ہوا اور عدالت نے حالات کا جائزہ لیکر تفریق کا فیصلہ کردیا تو اس کا کیا حکم ہوگا جبکہ اس صورت میں جو فیصلہ ہوا ہے اس کی بابت شوہر کی طرف سے کوئی آمادگی نہیں ہے۔

(۴) چوتھی صورت: کیا مسئلہ میں اس سے بھی کچھ فرق پڑسکتا ہے کہ جج اگرچہ غیر مسلم

حکومت کا اور غیر مسلم عدالت کا ہے مگر مسلمان ہے وہ اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت اس قسم کا کام بھی کرتا ہے تو کیا اس کو مسلم حاکم و قاضی کی حیثیت دی جاسکتی ہے اور اس حیثیت سے اس کے فیصلہ فرقت کا اعتبار کیا جاسکتا ہے۔

جواب: قواعد اسلامی اور اسلامی نقطۂ نظر بالکل واضح ہے کہ مسلمانوں پر غیر مسلم حاکم و قاضی ہو ہی نہیں سکتا، فقہاء کرام کے یہاں اس سلسلے میں بہت زیادہ صراحتیں موجود ہیں۔ (دیکھئے البحر الرائق علامہ ابن نجیم کی کتاب القاضی جلد ۷، ردالمحتار جلد ۴)۔

اس لئے غیر مسلم جج و قاضی کی طرف سے نکاح فسخ کردیا جائے تو شرعاً اس کا اختیار نہیں ہے (جدید فقہی مسائل)۔ کیوں کہ بات اصل یہ ہے کہ ایک بار نکاح وجود میں آجانے کے بعد شوہر ہی اس بات کا اختیار رکھتا ہے کہ اس رشتہ کو ختم کرے، لیکن چوں کہ قاضی کو مسلمانوں پر عمومی ولایت حاصل ہے، اس لئے وہ بہ حیثیت ولی عورت سے ظلم کو دفع کرنے کے لئے نکاح کو فسخ کرسکتا ہے۔ اس بات پر اجماع ہے کہ غیر مسلم کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں ہوسکتی بلکہ اگر باپ بھی مرتد ہوجائے خدانخواستہ تو مسلمان بیٹے پر اس کی ولایت باقی نہیں رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **"لایتخذ المؤمنون الکافرین أولیاء من دون المؤمنین ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شئ"** (قرآن)۔

(اہل ایمان مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو اولیاء نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے گا تو وہ اللہ کے یہاں کسی شمار میں نہیں)۔

لہٰذا کسی غیر مسلم جج کا نکاح فسخ کردینا غیر معتبر ہے اور عورت اس کو فسخ سمجھ کر کسی دوسرے مرد سے اپنا نکاح کرلیتی ہے تو یہ ناجائز اور حرام ہوگا۔

(۵) وہ مسلمان جج اور قاضی جو غیر اسلامی حکومت کی طرف سے مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے کے پابند بنائے گئے ہیں اور وہ اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت اس کام کو انجام

دیتے ہیں تو اس کو مسلم جج اور قاضی کی حیثیت دی جاسکتی ہے۔

چنانچہ امداد الفتاویٰ (۳/ ۲۲۷ کتاب القضاء) میں یہ جواب اس طرح سے موجود ہے: "قاضی آں کہ برائے فصل خصومات حاکم ساختہ شود برائے عموم نفاذ احکام مثل وطریق ست نویست از سلطان گو کافر باشد درین ملک آن احکام کہ برائے ایں غرض از سرکار مامور کردہ می شوند، اگر مسلمان باشند در حکم قضا ة ہشتہ" (وہ قاضی جو جھگڑوں کو مٹانے کے لئے اور مسلمانوں کے عمومی احکام وغیرہ کی نفاذ کے لئے بنائے گئے ہوں تو اس کو تولیت حاصل ہے، اگر چہ کافر بادشاہ کی طرف سے ہو اور اسی طرح سرکار کے طرف سے مامور کردہ مسلمان مسلمانوں کے لئے فیصلہ کرے تو وہ قضاء کے حکم میں ہوگا)۔

"وفی الدر المختار: ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافراً ذکرہ مسکین وغیرہ"۔

(جائز اور صحیح ہے قاضی بنانا بادشاہ کی طرف سے بادشاہ عادل ہو یا ظالم یہاں تک کہ اگر بادشاہ کافر بھی ہو تو اس کا قاضی مقرر کرنا درست ہے) (حوالہ الدر المختار کتاب القاضی)۔

☆☆☆

غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق کا شرعی حکم

مولانا افتخار احمد مفتاحی☆

طلاق حق شرعی ہے جو شوہر کو حاصل ہوتا ہے، اس لئے شوہر کو چاہئے کہ اگر حالات سخت پریشان کن ہیں اور ازدواجی زندگی خوشگوار گزرنے کا امکان نہیں ہے تو اپنی بیوی کو از خود طلاق دے دے اور اگر طلاق از خود دینے میں کچھ دشواری پیدا ہونے کا امکان ہے تو اپنی بیوی یا اپنے کسی ولی یا جماعت المسلمین کو یہ حق سپرد کردے، غیر مسلم عدالت کو اپنا حق شرعی تفویض نہ کرے، اس لئے کہ غیر مسلم عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد بھی طلاق وفرقت کا فیصلہ کردے گی تو بھی وہ شرعاً معتبر نہیں ہوگا (الحیلۃ الناجزہ)۔

"لایتخذ المؤمنون الکفرین أولیاء من دون المومنین"۔

اس لئے میری رائے یہ ہے کہ کسی شوہر کو اپنا حق شرعی غیر مسلم عدالت کو سپرد کرنے سے روکا جائے باوجود اس کے اگر شوہر غیر مسلم عدالت میں یہ درخواست دیتا ہے کہ میرے رشتہ ازدواج کے انقطاع کا فیصلہ کردیا جائے اور اس کے بعد عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد علاحدگی کا فیصلہ کردیتی ہے تو بھی غیر مسلم عدالت کے اس فیصلہ کا اعتبار نہ کیا جائے۔

شریعت نے جہاں سخت مجبور کن حالات میں شوہر کو طلاق کا حق دیا ہے وہیں یہ حق عورت کو بھی خلع کی شکل میں مرحمت کیا ہے اور یہ بات بھی اپنی جگہ محقق ہے کہ طلاق دینے کا حق

☆ استاذ جامعہ مفتاح العلوم مئو۔

شوہر ہی کو حاصل ہے، ہاں اگر شوہر اپنا حق کسی دوسرے کو دیدے تو نیابت میں اسے یہ حق حاصل ہوجاتا ہے، لیکن اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کے حقوق کی رعایت بھی نہیں کرتا اور نہ ہی اسے طلاق دیکر اپنی زوجیت سے علیحدہ کرتا ہے، عورت مجبور ہوکر غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتی ہے کہ میرا رشتۂ نکاح ختم کردیا جائے عدالت شوہر کو بلاکر اس سے دستخط لیتی ہے کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور کرنا ہوگا اور کارروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ عدالت کی طرف سے صادر کردیا جاتا ہے، اس سلسلہ میں عرض ہے کہ غیر مسلم عدالت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ شوہر کے حق طلاق کو بالجبر سلب کرے اور جدائیگی کا فیصلہ کردے، اولاتو اسلامی نقطۂ نظر سے مسلمانوں پر غیر مسلم قاضی نہیں ہوسکتا "لأن الكافر ليس بأهل للقضاء على المسلم" اور نہ ہی غیر مسلم جج کا فیصلہ شرعی معاملات میں مسلمانوں کے حق میں معتبر ہے: "لايتخذ المؤمنون الكفرين أولياء من دون المؤمنين ومن يفعل ذالک فليس من الله في شيء إلا ان تتقوا منهم تقاة" (آل عمران)۔

اس لئے عورت کو چاہئے کہ اولاً خلع کرانے کی کوشش کرے شوہر کو روپیہ پیسہ کا لالچ دیکر خلع پر راضی کرے یا مہر کی ادائیگی شوہر کے ذمہ باقی ہو تو شوہر سے کہہ دے کہ آپ مجھے خلع دے دیجئے، میں مہر کو معاف کردوں گی، اگر شوہر راضی ہوجاتا ہے تو فبہا ورنہ عورت اپنا معاملہ شرعی قاضی یا مسلمان حاکم اور جہاں یہ میسر نہ ہو تو جماعت المسلمین (مسلمان پنچایت جس میں تجربہ کار عالم بھی ہو، یا عالم کی رائے کے مطابق عمل ہوتا ہو) کے سامنے پیش کرے غیر اسلامی عدالت میں اپنا شرعی معاملہ لے جانا یہ مذہب سے دوری کی علامت ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں عورت نے نامناسب اقدام کیا ہے، عورت کو چاہئے تھا کہ پہلے خلع کی کوشش کرتی ہوسکتا تھا کہ شوہر مال کے دام میں آکر بیوی کو بطور خلع جدا کرنے پر راضی ہوجاتا، بصورت دیگر عورت جماعت المسلمین کی طرف رجوع کرتی لیکن عورت نے ان راستوں کو چھوڑ کر غیر اسلامی عدالت کی طرف رجوع کیا جو کسی طرح درست نہیں تھا۔

البتہ عدالت کا شوہر سے بالجبر دستخط لینا درست نہیں ہے اور نہ ہی اس کا اعتبار ہوگا، اس لئے کارروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ غیر اسلامی عدالت کی طرف سے صادر کرنا شرعاً معتبر نہیں ہونا چاہئے۔

۳- عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں نہیں آیا یا آیا تو مگر دستخط وتفویض پر تیار نہیں ہوا۔اس سے یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ شوہر طلاق دینا نہیں چاہتا اسی وجہ سے نہ اس نے کسی تحریر پر دستخط کیا نہ خود طلاق نامہ لکھا اور نہ زبانی طلاق دی اور عدالت نے حالات کا جائزہ لیکر تفریق کا فیصلہ کردیا تو یہ فیصلہ شرعی اعتبار سے غیر معتبر ہے اور اس فیصلہ سے نہ نکاح فسخ ہوگا اور نہ عورت پر طلاق واقع ہوگی، عورت کو چاہئے تھا کہ شوہر کو خلع پر آمادہ کرتی بصورت دیگر اس قسم کے مقدمات کے فیصلہ کا حق شرعی قاضی کو ہوتا ہے اور جہاں شرعی قاضی نہ ہوں جماعت المسلمین کو فیصلہ کا حق ہوتا ہے؟ قاضی یا جماعت المسلمین کے پاس اس معاملہ کو پیش کرتی لیکن اس کے باوجود عورت نے غیر اسلامی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا جبکہ غیر اسلامی عدالت کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں ہوتا، اس لئے غیر اسلامی عدالت نے عورت کی درخواست پر اگر فسخ کا فیصلہ کردیا تو شرعاً معتبر نہیں ہونا چاہئے۔

۴- اسلامی قانون کے مطابق اگر شوہر بیوی کو نہ اچھائی سے رکھتا ہے اور نہ ہی اسے طلاق دیکر جدا کرتا ہے تو قاضی کو حق ہے کہ حالات کا جائزہ لیکر فسخ نکاح کا فیصلہ کردے، لیکن فسخ نکاح کے لئے قاضی کا مسلمان ہونا ضروری ہے اور جہاں قاضی شرعی نہیں ان میں وہ حکام جج مجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے موافق فیصلہ کریں تو ان کا فیصلہ قضاء قاضی کے قائم مقام ہوتا ہے، خلاصۂ کلام یہ کہ جج اگرچہ غیر مسلم حکومت وغیر مسلم عدالت کا ہے مگر مسلمان ہے تو اس کا فیصلہ معتبر ہونا چاہئے۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کا مسئلہ

مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی، اندور

۱- زوج اگر خود اپنی رضا وخوشی سے طلاق کا اختیار کسی غیر مسلم جج کو تفویض کردے اور جج اسکی طرف سے طلاق دیدے تو یہ طلاق میرے نزدیک نافذ اور واقع ہوگی اور یہ طریقہ صحیح و درست ہوگا۔

۲، ۳- البتہ دوسری وتیسری صورت میں غیر مسلم جج کا فیصلہ شرعاً نافذ نہ ہوگا۔

۴- حالات حاضرہ میں بالخصوص ایسے غیر مسلم ممالک جہاں شرعی قضاء کا نظام نہ ہو غیر مسلم عدالت کے "مسلم جج"، کو مسلم حاکم اور قاضی کی حیثیت دی جاسکتی ہے اور اس کا تفریق وفسخ نکاح کا فیصلہ نافذ اور قابل اعتبار ہوگا؟

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کا فیصلہ

مفتی محمد حنیف☆

شریعت اسلامیہ نے رشتہ نکاح کو ختم کرنے کا حق شوہر کو ہی دیا ہے،شوہر کے ماسوا کسی کو یہ حق نہیں دیا،اگر کسی کو یہ حق ہوتا ہے تو شوہر کے نیابت ہی میں ہوتا ہے یہ نیابت وکیل کی بھی ہوسکتی ہے اور کبھی حاکم وحکم کو بھی یہ حق حاصل ہوتا ہے،لیکن اس زمانہ میں جس طرح شوہر کو طلاق کا حق حاصل ہے اسی طرح بہت سے ممالک میں عورت کو بھی یہ حق حاصل ہے اور وہاں کے عدالت کے ذریعہ یہ کاروائی کی جاتی ہے جس کے جج عموماً غیر مسلم ہوتے ہیں اور یہ کاروائی کبھی شوہر کی رضامندی سے کی جاتی ہے اور جدائیگی کر دی جاتی ہے اور کبھی صرف عورت کی درخواست سے شوہر کی رضامندی کے بغیر دونوں کے درمیان جدائی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے،تو کیا شریعت میں اس کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟اس کو سمجھنے کے لئے پہلے قاضی کے اوصاف معلوم کر لئے جائیں تو مسئلہ کی تہہ تک پہنچنے میں بصیرت حاصل ہوگی۔

قاضی کے اوصاف:

قاضی کی اہمیت کیلئے چند چیزیں ضروری اور لازمی ہیں اس کا مسلمان ہونا، مکلف ہونا، عاقل اور بالغ ہونا، آزاد ہونا، وہ اندھا نہ ہو، بہرا نہ ہو، گونگا نہ ہو، اور نہ ہی محدود فی القذف ہو،خلاصہ یہ کہ قاضی شہادت کا اہل ہو اور کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ اگر وہ پائی جاتی ہیں تو ترجیح کا

☆　جامعہ اسلامیہ عربیہ کاشف العلوم ایجوکیشن ٹرسٹ۔

سبب بنتی ہیں البتہ ان میں کمی آنے سے قضاء کی اہلیت سے خارج نہیں ہوتا۔

(۱) اہل الرائے ہونا، (۲) عدالت کا ہونا۔

دوسری بات یہ ہے کہ وہ سلطان یا امیر جس کی طرف سے عہدۂ قضاء سپرد ہوا ہے اس کا عادل ہونا، اہل الرائے ہونا، شریعت کے اصول وفروع سے واقف ہونا اور اسکا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے بلکہ اگر ظالم یا فاسق ہے یا کافر ہے تو بھی وہ کسی کو عہدۂ قضاء سپرد کرسکتا ہے اور قاضی کے لئے اس عہدہ کو قبول کرنا جائز ہے۔

"ولا تصح ولاية القاضي حتى يجتمع في المولى شرائط الشهادة كذا في الهداية من الاسلام والتكليف والحرية وكونه غير أعمى ولا محدودا في القذف ولا أصم ولا أخرس ...... ويكون من أهل الاجتهاد والصحيح أن أهلية الاجتهاد شرط الأولوية حتى لو قلد جاهل وقضى هذا الجاهل بفتوى غيره يجوز كذا في الملتقط ...... وكذالک العدالة عندنا ليست بشرط في جواز التقليد لكنها شرط الكمال فيجوز تقليد الفاسق وتنفذ قضاياه إذا لم يجاوز فيها حد الشرع ...... ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولكن إنما يجوز القضاء من السلطان الجائر إذا كان يمكنه من القضاء بحق ...... ولا يجوز طاعته في الجور وذكر في المتقط والإسلام ليس بشرط فيه أي في السلطان الذي يقلد كذا في التاتار خانية (عالمگیری ۳۰۷/۳)، **ويجوز تقليد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو كافرا"** (الدر المختار مع رد المحتار کتاب القضاء جلد نمبر ۵)۔

البتہ جہاں قاضی یا جج مسلمان نہ ہو تو وہاں مسلمانوں کی پنچایت کو بھی نکاح فسخ کرنے کا اختیار رہتا ہے یعنی قاضی کے حکم میں ہوتا ہے، شرط یہ ہے کہ فیصلہ شریعت کے موافق ہو (حاشیہ کفایت المفتی جلد نمبر ۶، صفحہ نمبر ۱۶۷)۔

وکیل کے اوصاف:

وکیل ہر وہ شخص ہوسکتا ہے جو عقل رکھتا ہو یعنی نفع ونقصان کو پہچانتا ہو اور جس چیز کا وہ وکیل ہوا ہے اس سلسلہ میں قصدوارادہ بھی متحقق ہو۔

"ویشترط أن یکون الوکیل ممن یعقل العقد ویقصد لأنه یقوم مقام المؤکل فی العبارة فیشترط أن یکون من أهل العبارة" (ہدایہ ثالث صفحہ نمبر ۱۷۹)،

نیز وکیل کیلئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔

"إذا وکل المسلم أو الذمی حربیا مستأمنافی دار الاسلام بخصومة أو بیع أو غیر ذالک جاز .... ویجوز وکالة المرتد بأن وکل المسلم مرتدا وکذا لو کان مسلما وقت التوکیل ثم ارتد فهو علی وکالته إلا أن یلحق بدار الحرب فتبطل الوکالة" (عالمگیری جلد نمبر ۳، صفحہ نمبر ۵۶۳)۔

اس وضاحت کے بعد صورت مسئلہ کی توضیح کی جاتی ہے: (۱) کہ اگر مسلمان مرد طلاق کے لئے مقدمہ دائر کرتا ہے اور کورٹ کا غیر مسلم جج قانونی کاروائی کے بعد دونوں کے درمیان جدائیگی کر دیتا ہے تو اب اس فیصلہ کے مطابق اسلامی اعتبار سے طلاق واقع ہوجائے گی، کیونکہ شریعت اسلامی نے طلاق کا حق مرد کو دیا ہے اور مرد اپنے مقدمہ کے ذریعہ کورٹ کے جج کو وکیل بناتا ہے کہ وہ اسکا وکیل بن کر اس کا نکاح فسخ کر دے، اس صورت میں نکاح ٹوٹ جائے گا اور شرعا طلاق واقع ہوجائے گی کیونکہ غیر مسلم کو وکیل بنا کر اس طرح کا کام کرانا درست ہے۔

۲- اگر عورت مقدمہ دائر کرتی ہے اور طلاق کا مطالبہ کرتی ہے تو اب اگر شوہر عورت کے مطالبہ طلاق کو قبول کر لے تو اگر چہ شوہر نے پہلے طلاق نہیں دی تھی اس کے باوجود حسب قاعدہ **المرء یؤخذ باقرارہ** اور حسب ضابطہ کہ عاقل، بالغ، مسلمان کے قول وفعل کو مهما امکن کے درجہ میں محمل صحیح اور حسن پر محمول کیا جائے گا، لہٰذا بطریق اقتضاء النص اس قبول شوہر کو ایقاع

طلاق قرار دے کر محض ایک طلاق کے وقوع کا حکم کیا جائے گا۔

۳- عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں آیا لیکن اس نے عورت کے دعوی طلاق کو منظور نہیں کیا تو اگر عدالت شوہر سے ایقاع کے الفاظ کہلوائے خواہ جبر واکراہ کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ احناف ؒ کے نزدیک مکرہ کی طلاق واقع ہے، **وطلاق المکرہ واقع** (الہدایہ/۳۵۸)، اور ایسی صورت میں عورت کسی شرعی پنچایت میں طلاق حاصل کرنے اور اسکے ذریعہ تفریق حاصل کرنے کی محتاج نہ ہوگی، البتہ اگر ایقاع طلاق کے الفاظ کہلوائے بغیر محض عیسائی یا کسی غیر مسلم جج کے تفریق کر دینے سے طلاق واقع نہ ہوگی اور نہ ہی تفریق واقع ہوگی تو اگر اس صورت میں واقعی شوہر نان ونفقہ نہیں دیتا اور کھلم کھلا ظلم کرتا ہے اور طلاق شرعی دیکر آزاد بھی نہیں کرتا تو اس صورت میں عورت مسلم شرعی پنچایت کی طرف سے شرعی تفریق یا طلاق لینے کی محتاج ہوگی۔

۴- جی ہاں غیر مسلم کی عدالت میں اگر مسلمان جج ہے اور وہ شریعت کے مطابق فیصلہ کر دے تو اس کا اعتبار ہوگا، کیونکہ مقلد کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے: "**والاسلام لیس بشرط فیہ**" (عالمگیری جلد نمبر ۳ صفحہ نمبر ۳۰۷)۔

۵- غیر مسلم عدالتیں اور حکام عقائد اور اصول اسلام کے حدود وقیود میں رہ کر اگر فیصلہ کرتے ہیں تو مسلمانوں کے معاملات میں ان کے فیصلے کا اعتبار ہوتا ہے، عقائد، عبادت، معاملات، معاشرت، اخلاق کے بابت اصول اسلام کے خلاف غیر مسلم حکام اور عدالت کے فیصلے کا اعتبار نہیں ہوگا، مذہبی رواداری کا پورا پورا پاس ولحاظ مسلمان کے لئے بہت ضروری ہے۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک کی عدالتوں میں تفریق کا فیصلہ شریعت کی نظر میں

مفتی محمد ارشد فاروقی ☆

اسلامی نظام حکومت دنیا میں رائج نہ ہونے کے باعث انسان زندگی گزارنے کا نظام اپنے دماغ کے تخیلات ومفروضے کے مطابق بناتا ہے اور آئے دن اس میں تبدیلی کرتا ہے، تاریخ انسانیت ابدی قانون، مکمل لائحۂ عمل اور مستقل نظام زندگی پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ساری انسانیت کی فلاح وبہبود اور میپ روٹ صرف دین الٰہی ہے، اسی نے انسان کی تخلیق کی، وہی اس کے نظام سے اس کی فطرت سے واقف ہے۔ **وهو اللطيف الخبير**۔

اس حقیقت کا تقاضا ہے کہ امت مسلمہ نظام اسلامی کو خود اپنے اوپر نافذ کر کے دنیا کے سامنے نمونہ پیش کرے اور دنیا کو یقین دلائے کہ اس سے بہتر کوئی نیا عالمی نظام نہیں ہوسکتا اور دعوتی سرگرمیوں کا بار بار جائزہ لیا جائے، امت کے کاندھوں پر اصل ذمہ داری انسانیت کی رہنمائی کرنی ہے۔

جب اسلامی تعلیمات حیات کے ہر شعبے کو حاوی ہوگی تو عائلی معاشرتی زندگی کی مشکلات بہ سہولت حل ہوں گی اور سارے فیصلے اسلامی عدالتوں کے ذریعے ہو کر انصاف وعدل سے دنیا بھرے گی۔

☆ صدر شعبہ افتا جامعۃ الامام محمد انور دیوبند۔

لیکن جب تک نسیم صبح کے تازہ جھونکے مشام جاں نہیں بنتے بادسموم کی حرارت و مرارت برداشت کرتے ہوئے فقہ الاولویات کے پیش نظر حکمت عملی سے کام لینا فقہاء امت کا شیوہ ہے۔

موجودہ حالات میں ہر غیر مسلم ملک میں آباد مسلم اقلیت کے سربراہ علماء و دانشوروں اور سیاست میں سرگرم مسلمانوں کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ انہیں اس ملک میں ''مسلم پرسنل لا'' کو تحفظ حاصل ہو اس مقصد کے حصول کے لئے تمام ممکنہ ذرائع کا استعمال کیا جانا چاہئے۔

سوالات کے جوابات:

۱- شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتا ہے کہ وہ رشتۂ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہے لہٰذا اس کے حق میں رشتے کے انقطاع کا فیصلہ کردیا جائے، عدالت ضابطہ کی کاروائی کے بعد طلاق وفرقت کا فیصلہ کرتی ہے، اس صورت کا کیا حکم ہوگا اور کیا اس درخواست کو تفویض و تحکیم مانا جاسکتا ہے اور اسی بنیاد پر غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر ہوگا؟

اس صورت کو اگر اس پس منظر میں دیکھا جائے کہ شوہر طلاق دینے پر آمادہ ہے اور وہ اپنے ملکی قانون کے بعض نتائج سے بچنا چاہتا ہے، اس لئے وہ اپنے طور پر طلاق تو دے چکا ہے لیکن عدالت کے سامنے وہاں کے ضابطے کا پابند رہ کر درخواست گزار ہوتا ہے۔ تو مسئلہ بالکل واضح ہے، شوہر نے خود طلاق دی البتہ اس کا رجسٹریشن اس نے عدالت کی کارروائی کے ذریعہ کرادیا۔

اسلام نے شوہر کو طلاق کا اختیار دیا ہے اس کا استعمال ہی رشتہ نکاح کو ختم کرتا ہے، اس لئے شوہر کی طرف سے فرقت وجدائی اور نکاح کے رشتے کے خاتمے کی درخواست بے معنی ہے صرف ملکی نظام ظاہری رسم کی تکمیل ہے۔

اس صورت کو تحکیم نہیں قرار دیا جاسکتا ہے، کیونکہ ان معاملات میں کافر جج نہیں بن

سکتا۔المرغینانی لکھتے ہیں: "ولایجوز تحکیم الکافر" (کافر کو فیصل بنانا درست نہیں ہے) (باب التحکیم کتاب ادب القاضی الہدایہ ۳/۱۴۴)۔

اگر شوہر نے سوال میں بیان کردہ شکل میں صرف درخواست برائے انقطاع نکاح دی ہے اور کافر جج نے فرقت کا فیصلہ کیا تو شرعی اعتبار سے یہ فیصلہ معتبر نہیں ہوگا۔

لیکن ملکی حالات وقوانین کے پیش نظر مسلم تنظیموں یا علماء کی ذمہ داری ہوگی کہ ایسے عدالتی فیصلوں پر نظر رکھیں اور اس صورت میں شوہر سے طلاق دلوائیں تاکہ شرعی طور پر یہ دونوں اجنبی ہوجائیں اور اس کشمکش کے شکار نہ رہیں کہ عدالت کے فیصلے سے طلاق نہ پڑنے کی وجہ سے رشتہ قائم ہے اور عدالت کی نظر میں نہیں، اس لئے مفاسد سے بچانے کے لئے اس طرح کے اقدام کی فوری ضرورت ہے۔

۲- عورت نے عدالت میں درخواست دی کہ رشتہ نکاح ختم کیا جائے، عدالت شوہر کو بلا کر اس سے دستخط لیتی ہے کہ جو فیصلہ ہوگا منظور ہوگا۔ پھر عدالتی کارروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔اس صورت حال کا کیا حکم ہوگا۔شوہر کے دستخط کی کیا حیثیت ہوگی؟

اس صورت میں عدالت کی طرف سے علاحدگی کا فیصلہ زوجین کے حق میں غیر معتبر ہوگا شوہر کی سادے کاغذ یا جو فیصلہ ہوگا کے مضمون پر دستخط سے طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ طلاق نامہ لکھنے یا لکھانے اور طلاق نامہ کے مضمون کو پڑھنے یا سننے کے بعد اپنی مرضی سے دستخط کرنے کی صورت ہی میں طلاق معتبر ہوتی ہے، "لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة" (بے شک تحریر تلفظ کا کام بہ وقت ضرورت کرتی ہے)(مطلب فی المسائل- رد المحتار علی الدر المختار ۱/۵۷۹)۔

عدالت کی طرف سے جو کاغذ پیش کیا گیا کہ شوہر اس پر دستخط کردے اسے کسی صورت میں طلاق نامہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔

پھر جج کا یہ کہنا کہ جو کارروائی کی جائے گی اسے قبول کرنا ضروری ہوگا۔ تو اس عدالت کے کافر جج کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے اور شریعت کی اصطلاح میں وہ اس کا اہل نہیں ہے۔

اس طرح کے حالات کے شکار جوڑوں کو عدالتی فیصلے کے بعد مقامی شرعی اتھارٹی سے رجوع کرنا ضروری ہے تاکہ شریعت کے صریح احکام کی خلاف ورزی سے بچ سکیں اور وہ شرعی اتھارٹی شوہر سے طلاق دلانے کی کوشش اس صورت میں کرے جب ازدواجی زندگی کا نباہ مشکل ہوجائے۔

یا مسلمان عدالتوں میں اسلامی عائلی قوانین سے واقف مسلم جج کے تقرر کا مطالبہ کریں اور ایسے تنازعات کے لئے وہ فیصل کا کام کرے تو یہ عدالتی کارروائی درست تسلیم کی جائے گی اور اسے جزوی قاضی یا حکم کی حیثیت حاصل ہوگی۔

۳- عورت نے عدالت میں درخواست دی شوہر عدالت میں نہیں آیا یا آیا مگر دستخط پر تیار نہیں ہوا عدالت نے تفریق کردی۔ شوہر کی طرف سے کوئی آمادگی نہیں ہے؟

عورت نے یک طرفہ عدالت میں درخواست دے کر تفریق وعلاحدگی کا مطالبہ کیا اور عدالت نے شوہر کو بلایا پر وہ نہیں آیا پھر عدالت نے کارروائی کرتے ہوئے تفریق کا فیصلہ سنادیا۔ یہ فیصلہ شوہر اور بیوی کے رشتۂ نکاح پر قطعی اثر انداز نہیں ہوگا۔ شوہر نے طلاق نہیں دیا، اس لئے بندھن نہیں ٹوٹا۔

غیر مسلم عدالت کا غیر مسلم جج قاضی یا حکم کی اہلیت نہیں رکھتا، اس لئے اسے تفریق یا فسخ کا حق حاصل نہیں "والنکاح لا ینقطع إلا بالطلاق أو الفسخ والتفریق من أھله" (خلاصة البحر والفتح ورد المحتار علی الدر المختار)۔

اس مسئلے کو مقامی شرعی اتھارٹی سلجھائے زوجین کو جمع کرکے شرعی حل تک پہنچے۔

۴- اگر غیر مسلم حکومت کی عدالت میں مسلم جج متعین ہے اور وہ مسلم مسائل کے تصفیے پر

مامور ہے اور مسلم پرسنل لا سے واقف بھی ہے، اگر وہ فسخ و تفریق کے فیصلے شرعی تعلیمات کے مطابق کرتا ہے تو اس کا فیصلہ بطور ''حکم'' یا جزوی قاضی معتبر ہوگا۔

۵- یہ سوال تو تفصیل طلب ہے اصولی بات یہ ہے کہ دینی امور بہ شمول مسلم پرسنل لا میں غیر مسلم عدالتوں اور حکومتوں کا فیصلہ حکمت عملی سے ٹالا جائے تدین میں گوارہ نہیں تمدن میں استخارہ نہیں۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا ریاض احمد قاسمی☆

۱- اسلامی قانون کے مطابق غیر مسلم جج کا کیا ہوا فیصلہ مسلمان فریقین کے حق میں ضرورۃً معتبر ہوگا، آج ہندوستان اور اس طرح کے دوسرے ممالک میں مسلمان اسی اصول پر عمل پیرا ہیں، دراصل دنیا میں جب سے جمہوری نظام رائج ہوا ہے، اسی وقت سے اسلامی عدالت اور مسلمان قاضی کے بجائے جمہوری عدالت اور غیر مسلم جج کے فیصلے مسلمانوں کے لئے مشکلات پیدا کرتے رہے ہیں، لیکن چونکہ مسلمان بھی اسی جمہوری نظام کا ایک حصہ ہیں، اس لئے انہوں نے "مالا یدرک کلہ، لا یترک کلہ" کے تحت اپنا یہ حق تو تسلیم کرا لیا کہ مسلم فریقین کے عائلی مسائل میں اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا، لیکن اس کے لئے عدالت اسلامی ہوگی، اور قاضی بھی مسلمان ہوگا، یہ نہ ہوسکتا تھا نہ ہوا، یہ ہے وہ اضطرار اور مجبوری کی حالت، جس میں غیر مسلم عدالت کا فیصلہ ایک مسلمان کے حق میں معتبر مان لیا گیا۔

پس صورت مذکورہ میں چونکہ شوہر نے خود درخواست دی ہے، اس لئے یہ درخواست "تفویض طلاق" ہوگی اور اس پر غیر مسلم جج کا فیصلہ طلاق معتبر ہوگا، بشرطیکہ ضابطے کی کاروائی اسلامی قانون کے مطابق کی گئی ہو۔

۲- شوہر کے دستخط کی حیثیت یہ ہوگی کہ اسلامی قانون کے مطابق جو فیصلہ ہوگا، وہ مجھے

☆ استاذ، جامعہ رحمانی خانقاہ، مونگیر۔

منظور ہوگا، میں اس پر راضی ہوں، لہٰذا اگر عدالت نے اسلامی قانون کے مطابق وجوہ تفریق میں سے کسی وجہ کی بنا پر علاحدگی کا فیصلہ کیا، تو علاحدگی واقع ہوجائے گی، ورنہ محض عورت کے مطالبے پر علاحدگی کا فیصلہ کیا گیا تو یہ فیصلہ معتبر نہ ہوگا۔

۳- عورت اگر واقعی مظلوم ہے اور وجوہ تفریق میں سے کوئی وجہ موجود ہے، جس کی بنا پر اسلامی قانون کے مطابق کارروائی مکمل کر کے تفریق کا فیصلہ عدالت نے کیا ہے، تو وہ فیصلہ مسلمان شوہر کے حق میں نافذ ہوگا، خواہ وہ اس پر آمادہ نہ ہو، اس لئے کہ یہ ضرورت اور اضطرار کی حالت ہے اور فقہاء نے قاضی یا حکم کے مسلمان ہونے کی جو شرط لکھی ہے، وہ اسلامی نظام حکومت کی صورت میں ہے، اس فرق کے لئے مکی اور مدنی زندگی کے معاشرتی احوال و واقعات رہنمائی کرتے ہیں۔

۴- جمہوری نظام حکومت میں قاضی بنانے والی حکومت، یا خود قاضی کے بجائے اس فیصلے کو دیکھا جائے گا، جو قاضی نے دیا ہے، اگر وہ فیصلہ فرقت، وجوہ تفریق میں سے کسی وجہ کی بنیاد پر اسلامی قانون کے مطابق دیا گیا ہے، تو معتبر ہوگا ورنہ نہیں، اس باب میں قاضی کے مسلمان ہونے کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہے، کیونکہ بہر حال وہ ملکی قانون اور ارباب حکومت کے وضع کئے ہوئے قوانین کا پابند ہے۔

☆☆☆

غیر مسلم عدالتوں کے ذریعہ دی گئی طلاق کا مسئلہ

سید عبدالحفیظ الحجاوی

اس سوال کے جواب سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس پر غور کرلیا جائے کہ عقد نکاح بھی شرعی اعتبار سے صحیح منعقد ہوا ہے یا نہیں؟ تا کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ دونوں کے درمیان رشتہ صحیح قائم ہوا ہے اور وہ جو طلاق دے گا تو طلاق صحیح طریقے پر اپنے محل میں واقع ہوگی۔ اس طرح اس مسئلہ کی پانچ شکلیں بنتی ہیں:

پہلی شکل:

شوہر نے صراحت کے ساتھ طلاق کا تلفظ نہیں کیا، تو ایسی صورت میں غیر مسلم جج کے لئے عدالت سے اس شوہر کے خلاف طلاق کا حکم صادر کرنا جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

”ولن يجعل الله للكافرين علي المؤمنين سبيلا“ (سورۂ نساء:۱۴۱)۔

دوسری شکل:

غیر مسلم جج کو شوہر نے طلاق کا حق سپرد کردیا تو وقوع طلاق کے لئے ضروری ہوگا کہ شوہر خود پہلے طلاق کا تلفظ کرے، اس لئے کہ وہی طلاق کا مالک ہے اور اسی کے صریح الفاظ طلاق سے طلاق واقع ہوگی، غیر مسلم جج کے حکم سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

تیسری شکل:

توکیل وتفویض کے ختم ہونے کے بعد غیر مسلم عدالت کے لئے قطعی اس کی گنجائش نہیں ہوگی کہ وہ مسلم شوہر کی طرف سے طلاق دیدے، کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: "**ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا**" (سورہ نساء:۱۴۱)، اور اگر شوہر کے خلاف طلاق کا فیصلہ کردے تو یہ فیصلہ محض جبراً اس کو اقرار کروانے اور فرمانبردار بنانے کے مرادف ہوگا۔

چوتھی شکل:

اگر غیر مسلم عدالت میں مسلم جج ہو تو ظاہر بات ہے کہ وہ ملکی قانون کی پاسداری بھی کرے گا اور پابند بھی ہوگا، اور آپ جانتے ہیں کہ قضاۃ تین طرح کے ہوتے ہیں جس میں سے ایک جنت میں اور دو جہنم میں ہوں گے اور وہ بھی اسلامی قانون کے تحت فیصلے کرنے والے ہوں گے، تو پھر غیر اسلامی قانون کے تحت فیصلے صادر کرنے والے ججوں کیا حال ہوگا؟

پانچویں شکل:

ممکن ہے کہ غیر اسلامی عدالتوں کے ذریعہ صادر ہونے والے فیصلے کی حیثیت اقرار طلاق کی ہوگی یا اس کی حیثیت شقاق ونزاع کے معاملہ میں بینہ کی ہوگی، بہر صورت اسے پرسنل لاء اور احوال شخصیہ کے پس منظر میں دیکھا جانا چاہئے۔

☆☆☆

غیر مسلم ملکوں میں بذریعہ عدالت طلاق کا شرعی حکم

مولانا نثار احمد گودھروی☆

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں کہ اگر کسی جگہ فیصلہ کنندہ حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے، اس کے حکم سے فسخ وغیرہ ہرگز نہیں ہوسکتا: "**لأن الکافر لیس بأهل للقضاء علی المسلم کما هو مصرح في جمیع الکتب**"۔

حتی کہ اگر روداد مقدمہ غیر مسلم مرتب کرے اور مسلمان حاکم فیصلہ کرے یا بالعکس تب بھی فیصلہ نافذ نہ ہوگا، اسی طرح کسی مقدمہ کی سماعت تو مسلمان حاکم نے کی لیکن تفریق سے قبل غیر مسلم حاکم آ گیا اور اس نے تفریق کر دی یا بالعکس تو وہ تفریق نہ ہوگی اور اگر فیصلہ کسی جماعت کے سپرد کیا جائے اور چند اشخاص کی کمیٹی میں ان سب ارکان کا مسلمان ہونا شرط ہے کوئی غیر مسلم جج او رمجسٹریٹ بھی اس کا رکن ہو تو شرعاً اس جماعت کا فیصلہ کسی طرح معتبر نہیں ایسے فیصلہ سے تفریق وغیرہ ہرگز صحیح نہ ہوگی، غیر مسلم ممالک میں اگر حاکم مسلمان نہ ہو یا حاکم قواعد شرعیہ کے مطابق فیصلہ نہ کرتا ہو تو عورت کی علاحدگی کے لئے بغیر خاوند کی طلاق کے کوئی صورت نہیں ہے، حتی الامکان لازم ہے کہ خلع وغیرہ کے ذریعہ تفریق عمل میں لائی جائے، لیکن مجبوری کی صورت میں مسلمانوں کی پنچایت میں معاملہ پیش کرنے کی گنجائش ہے، کیونکہ مالکیہ کے مذہب میں قاضی نہ ہونے کی حالت میں یہ صورت بھی جائز ہے کہ محلّہ کے دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت جس کی

☆ دارالافتاء جامعہ رحمانیہ، گودھرا۔

تعداد کم از کم تین ہو پنچایت کرے اور واقعہ کی تحقیق کر کے شریعت کے موافق حکم کردے یہ بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے، لہٰذا غیر مسلم ممالک میں اگر عدالت کے ذریعہ طلاق دلوائی جائے اور مجبوراً ایسا کرنا پڑتا ہے تو عدالت کے باہر شرعی طریقہ سے دوبارہ معاملہ کرلیا جائے۔

☆☆☆

جدید فقہی تحقیقات

چوتھا باب

اختتامی امور

مناقشہ:

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا قاری عبداللہ سلیم، شکاگو امریکہ:

یہ اجتماع ایسے حضرات کا اجتماع ہے جن کے بارے میں امید یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی کا فیصلہ خیر کا ہے، کیونکہ حدیث میں فرمایا گیا ہے: **"من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ في الدین"** جن کو دین میں تفقہ اور بصیرت فقہی حاصل ہوتو یہ سمجھا جائیگا کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے اس فرد کے لیے خیر کا فیصلہ فرمایا ہے، ماشاء اللہ یہاں تو سب اہل خیر جمع ہیں، جہاں تک فقہ اکیڈمی کا تعلق ہے میں آج سے تقریباً ۲۸ سال پہلے جب امریکہ گیا، اس وقت اس ملک میں کچھ حالات ایسے تھے کہ بعض بنیادی اہم تعلیمی ادارے کچھ ابتلاء کا شکار تھے، پریشانیاں تھیں، تشویش تھی۔ اس وقت میرے قلب ودماغ پر کچھ بوجھ تھا اور ایسا خیال آرہا تھا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ قافلہ علم جو مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفا سے روانہ ہوا اور بغداد وخراسان اور سمرقند وبخارا ہوتے ہوئے دلی پہنچا اور دلی سے دیوبند آیا، اب اس قافلہ کا کوچ کسی اور طرف ہونے والا ہے، افسوس تھا اس صورت حال پر اور بوجھ سا تو کچھ عرصہ کے بعد یہ اطلاع ملی کہ ایک فقہ اکیڈمی قائم ہوئی اور اس میں اس وقت جو مجھے اطلاع ملی کہ نوجوان علماء اس میں حصہ لے رہے ہیں، مسائل پر بحث ومباحثہ مذاکرہ ہورہا ہے تو خوشی ہوئی، لیکن تفصیل معلوم نہیں تھی، اس دوران مولانا مجاہد الاسلام صاحب نور اللہ مرقدہ تشریف لائے، میرے یہاں قیام ہوا اور وہ اپنے ساتھ پانچ جلدیں فقہ اکیڈمی کے سمینار کی، جو

اس وقت تک سمینار ہو چکے تھے ان کی لے کر آئے اور کچھ تفصیلات بھی بتائیں بہت خوشی ہوئی اور ذہن ودماغ میں جو بادل چھائے ہوئے تھے اور افسردگی طاری تھی ، واقعہ یہ ہے کہ وہ سب چھٹ گئے اور ایسا ہوا جیسا کہ یوں کہیے کہ دن نکلتا ہے، سورج طلوع ہوتا ہے تو روشنی پھیلتی ہے تو بدن میں چستی آتی ہے کچھ وہی کیفیت محسوس ہوئی ، پھر دوبارہ مولانا مجاہد الاسلام صاحب تشریف لائے تو اور تفصیلات سامنے آئیں تو اللہ ان کو واقعی جزاء خیر دے، کہ انھوں نے علماء کو اس کام پر لگادیا کہ وہ مسائل میں بحث کریں، غور وفکر کریں، اس کے لیے مطالعہ کریں لکھیں، پڑھیں، یہ بہت بڑا کام ہوا، جہاں تک میرا تعلق ہے، میں سمجھتا ہوں کہ جتنے حضرات یہاں تشریف رکھتے ہیں اور جن کے مقالات اور تقریریں یہاں آئیں گی میں اپنے کو ان سب سے فروتر سمجھتا ہوں، بغیر کسی تواضع کے، تواضع نہیں حقیقت ہے، مگر میں آیا کیوں ہوں، آیا اس لیے کہ آپ حضرات کو ان ہی آنکھوں سے، ان ہی گنہگار آنکھوں سے دیکھ لوں اور دوسری بات یہ ہے کہ بھئی گجرات میں ہو رہا ہے تو یہاں آکر کھچڑی، کڑھی کھالیں گے اس سے زیادہ کوئی اور مقصد نہیں، اس مدرسہ میں گزشتہ سال بھی میں حاضر ہوا تھا۔

گزشتہ سال مجھ سے میرے عزیز محترم مولانا ندیم الواجدی صاحب نے باصرار اس کا مشورہ دیا کہ میں گجرات کے مدارس بھی دیکھوں، پھر میں نے کہا کہ بھائی میں ضرور چلنے کو تیار ہوں مگر آپ کو بھی ساتھ چلنا ہوگا، وہ بھی اور ان کے بیٹے اور میرے نواسے مولانا یاسر یہ سب ساتھ ہوئے اور یہاں کئی مدرسے دیکھنے کا موقع ملا اور یہاں بھی حاضر ہوا، دل باغ باغ ہوا اور جا کر کے وہاں اپنی تقریروں میں تذکرہ کیا اور لوگوں کو وہاں غیرت دلائی کہ بھائی تم لوگ اتنے بڑے ملک میں رہتے ہو یہاں کچھ کام نہیں ہو رہا ہے دیکھو وہ غریب ملک ہندوستان وہاں کیسا کیسا کام ہو رہا ہے۔ تو اللہ نے پھر دوبارہ یہاں حاضری کا شرف عطا فرمایا، حضرت مولانا عبداللہ صاحب نے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔

جہاں تک ان مسائل کا تعلق ہے جو اس سمینار میں زیر بحث ہیں میں سمجھتا ہوں کہ سب مسائل کسی نہ کسی انداز میں فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں، چاہے وہ تورق کا مسئلہ ہو، بیع عینہ ہو، اسی طرح سے کاروبارے میں باپ بیٹے کی شرکت کے مسائل ہوں یا اسی طرح سے قربانی میں کس مقام کا اعتبار ہو یہ مسئلے اور اسی طرح سے غیر مسلم جج اور قاضی اور مجسٹریٹس کے ذریعہ سے فیصلۂ طلاق کے مسائل ہوں اور اسی طرح سونے اور چاندی کے زکوۃ کے مسائل یہ سب فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں، اب مسائل کی نوعیت کچھ اس طرح کی ہے کہ بعض اقوال اس میں ہیں مگر اس پر فتوی نہیں ہے، مفتی بہ اقوال نہیں ہیں، تو اس سمینار کا اور ایسے سمینار کا مقصد یہ ہے کہ ان اقوال پر غور کر کے یہ دیکھا جائے کہ موجودہ حالات میں ہم کس قول کو لیں۔ اگر ضرورت ہے کہ مفتی بہ قول کو چھوڑ کر غیر مفتی بہ قول کو لے لیں؟ اس میں حرج کیا ہے؟ یا اسی طرح آج افتتاحی اجلاس میں تذکرہ ہو رہا تھا کہ اگر دوسرے مسالک کے ائمہ کے اقوال کو لے لیا جائے تو اس کی کہاں تک گنجائش ہے اور مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی نے ٹھیک فرمایا تھا کہ یہاں ہندوستان میں رہتے ہوئے بعض دفعہ اندازہ نہیں ہو پاتا ان حضرات کو جو صرف ہندوستان ہی میں رہتے ہیں اور ان کو باہر جانے کا موقع نہیں ملا کہ وہاں نوعیت مسائل کی کیا ہیں؟ میں عرض کرتا ہوں کہ یہ طلاق ہی کا مسئلہ ہے، بات یہ ہے کہ مثلاً امریکہ جہاں میں ہوں وہاں ایک بات کو تو اصولی طور پر یوں کہیے کہ اس کو قانونی حیثیت دی گئی ہے کہ مسائل کو مذہب کی روشنی میں طے نہیں کیا جائے گا۔ کہہ سکتے ہیں آپ کہ لامذہب ملک ہے یا اس ملک کا قانون جو ہے لامذہبیت پر مبنی ہے آپ کہہ سکتے ہیں، مگر اسی کے ساتھ ایک عجیب بات یہ ہے کہ بعض اسٹیٹس یا بعض اسٹیٹس کی کاؤنٹیز کچھ ایسی ہیں کہ وہاں میں پہلے یہ بات بتلا دوں کہ نکاح اور شادی کے لیے رجسٹریشن ضروری ہے، رجسٹریشن میں دو مرحلے ہیں: ایک تو یہ کہ لڑکا جس کو شوہر بننا ہے اور لڑکی جس کو دلہن بننا ہے۔ ان دونوں کو کاؤنٹی کے آفس میں جانا ہوتا ہے، کاؤنٹی جیسے یہاں تعلقہ اور تحصیل ہوتی ہے اس میں جانا ہے اور ان

سے میرج لائسنس لینا ہے، یعنی شادی کرنے کا اجازت نامہ، وہ اجازت نامہ لے کر میرے پاس آئے یا کسی اور ادارے کے پاس آئے نکاح پڑھوانے کے لیے، ان کے پاس سرٹیفیکٹ اگر نہیں ہے تو پھر ہم میں سے کوئی اس کے لیے تیار نہیں ہوتا کہ نکاح پڑھائے۔ نکاح ویسے تو پڑھ سکتے ہیں مگر ادارے کی طرف سے اس کو تصدیق نامہ یا یوں کہیے کہ نکاح نامہ بھر کے نہیں دے سکتے ہم اس کو کاغذ پر، تو وہ لائسنس لینا ہے، اس لائسنس پر لکھا ہوا ہوتا ہے کہ یہ میرج سول ہے یا ریلیجیس میرج ہے، بعض کاؤنٹی کے فارم میں یہ لکھا ہوا ہوتا ہے، تو ہم لوگ یہ کرتے ہیں کہ سول کو کاٹ دیا، ریلیجیس میرج ہوگیا اور نکاح پڑھ دیا نکاح ہوگیا، اس کو ہم نے اپنا سرٹیفیکٹ دے دیا، اس کی ضرورت تو اس لیے ہے کہ اس میں زیادہ تفصیلات ہیں کہ گواہ کون ہیں اور مہر کتنا ہے؟ کیوں کہ یہ چیزیں جو ہیں اس کا تعلق وہاں کے قانون سے نہیں ہیں وہ نہیں جانتے کہ گواہ کی کیا اہمیت ہے وہ نہیں سمجھتے کہ مہر کیا چیز ہے؟ وہ نکاح کو تو جانتے ہیں لیکن مہر کا کوئی تذکرہ ان کے قانون میں نہیں ہے، اس لیے ہم کو سرٹیفیکٹ دینا پڑتا ہے کہ مہر اتنا ہے اور نکاح کے گواہ یہ یہ ہیں، پھر اس کو کاؤنٹی کی طرف سے اس بات کا ایک تصدیق نامہ مل جاتا ہے کہ بھائی یہ فلاں جو ہے اس کی شادی فلاں سے ہوگئی ہے۔

اب مسئلہ جو ہے یہ ہے کہ نکاح رجسٹرڈ ہوگیا ہے، اب اگر طلاق کی نوبت آئے تو جب تک کہ طلاق بھی رجسٹرڈ نہ ہو، اس وقت تک چاہے یہ ہزار مرتبہ بھی طلاق کہتا پھرے، وہاں کے نظام میں اور وہاں کے قانون کے مطابق اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور جب حیثیت نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مرد شوہر ہے اور یہ عورت اسی طرح سے بیوی ہے اور یہ عورت کسی جگہ شادی نہیں کرسکتی اور یہ مرد بھی کوئی دوسری شادی نہیں کرسکتا کیوں کہ تعدد ازدواج کی اجازت نہیں ہے، دونوں بندھے ہوئے ہیں قانونی طور پر دونوں کو ساتھ رہنا ہے، یہ مشکل ہے، میں نے کچھ مسلمان وکیلوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا، مجھے اندازہ ہوا کہ یہ وکیل حضرات بھی

اپنے فیلڈ کی بات کو جانتے ہیں اس سے آگے کی بات جانتے ہی نہیں مگر اب کیا کرسکتا تھا ان کے سامنے میں نے مسئلہ رکھا کہ بھائی جب یہاں کا قانون مذہب کو اہمیت نہیں دیتا، اس کے باوجود نکاح کے متعلق جو میرج لائسنس ہے اس پر لکھا ہوا ہے کہ یہ نکاح ریلیجس ہے اور تقریب نکاح کا انعقاد ریلیجس ہوا ہے یا سول، تو میں نے کہا کہ جب انہوں نے مذہب کو اس حد تک تسلیم کرلیا ہے، آپ لوگ مجھے یہ بتائیں کہ طلاق کے مسئلہ کو بھی تو اسی طرح منظور کرنا چاہئے یہاں کے قانون میں، اس کی کیا صورت ہے، ان سارے وکیلوں نے ہاتھ اٹھا دیا کہ بھائی یہ ہمارے بس کا نہیں ہے کام۔ تو بھائی پھر ہم کس سے بات کریں، انھوں نے کہا یہ مسئلہ چوں کہ حکومت سے متعلق ہے، قانون سے متعلق ہے، آپ سیاسی لوگوں کو استعمال کریں، آپ کا دباؤ ہوگا سیاسی اعتبار سے تو شاید بات آگے بڑھ جائے یہ ہم وکیلوں کے کرنے کا کام نہیں، انھوں نے تو ہاتھ اٹھا دیا، تو یہ صورت وہاں ہے۔

جیسے یہاں دارالقضاء ہیں، میں نے وہاں جانے کے بعد ایک دو سال کے بعد دارالقضاء قائم کیا اور اسی طرح کے جو نکاح وطلاق کے مسائل ہیں اس کے لیے، مگر اس پورے عرصے میں تجربہ یہ ہوا کہ ہم کامیاب نہیں ہیں، اس لیے کہ ایک طرف تو یہ ہے کہ عورت ہو عام طور پر اپنا کیس لے کر آتی ہے اور ہم اس کیس کو اگر نہ لیں، مثال کے طور پر عورت اگر جو شکایات پیش کررہی ہے وہ شکایات عندالشرع معتبر نہیں ہیں، ان کے اوپر کوئی کارروائی نہیں ہوسکتی ہم انکار کردیں کہ بھائی یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے، جاؤ اسی شوہر کے ساتھ رہو، تو وہ عورت سیدھے کورٹ میں چلی جاتی ہے اور امریکہ کا قانون یہ ہے کہ اگر عورت جاکر یہ کہہ دے کہ میرا اس شخص سے دل نہیں ملتا، میں نے شادی کی اس وقت بہت اچھا لگتا تھا یہ مگر اب نہیں اچھا لگتا اس وقت میرے دل پر اس کی وجہ سے بڑا دباؤ رہتا ہے، میں سکون نہیں محسوس کرتی، میں اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی، عدالت کہتی ہے کہ جاؤ خدا حافظ، بہت اچھی بات ہے، نہیں رہنا چاہتی تو جاؤ۔ تو حقیقت یہ ہے کہ

جس طرح سے دو متعاقدین کوئی بزنس، کوئی معاملہ کرنا چاہتے ہیں دونوں فریق برابر کا درجہ رکھتے ہیں، اگر ایک فریق اس عقد کو ختم کرنا چاہتا ہے تو وہ ختم کرسکتا ہے، ٹھیک یہی صورت ان کے یہاں نکاح کی ہے، لہذا متعاقدین میں سے ایک کہتا ہے کہ بھائی اس کو پرولا ونگ نہیں کرسکتے، اس کو اب زیادہ دیر تک نہیں چلا سکتے، انھوں نے کہا ٹھیک ہے اللہ حافظ، تو وہ وہاں فیصلہ کرا لیتی ہے اور مولوی صاحب نے فیصلہ نہیں کیا، چلو بھائی جج سے فیصلہ کرالو اور جاؤ چھٹی، اس کو چونکہ قانونی طور پر یہ جواز حاصل ہوگیا کہ وہ چوں کہ شوہر کے نکاح سے نکل گئی کسی اور مرد سے شادی کرسکتی ہے یہ ہے ایک بڑی نازک اور پیچیدہ صورت، اس واسطے حقیقت یہ ہے کہ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ غیر مسلم جج کا فیصلہ تفریق نکاح کے تعلق سے معتبر ہے کہ نہیں؟

یہ جو اس میں بحثیں ہیں جو ہمارے سامنے رکھے ہوئے ہیں اس میں ایک صورت تو وہی ہے کہ شوہر جائے کورٹ میں اور کہے کہ صاحب میں اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں، آپ فیصلہ کردیجئے، ایک صورت تو وہ ہے، میں کہتا ہوں کہ اس میں آسانی ہے کہ بھائی ٹھیک ہے شوہر کو کہہ دیں اگر ہماری بات اس تک پہنچ سکتی ہے کہ تو بھی منہ سے طلاق دیدے، ختم ہوجائے گا مسئلہ اور کورٹ سے بھی اس کی اجازت ہوجائے گی تا کہ قانونی طور پر بھی ایک دوسرے سے الگ ہوجائیں، پھر دونوں دوسری شادیاں کرسکتے ہیں، لیکن زیادہ الجھاؤ اس صورت میں ہے جبکہ کورٹ میں جارہی ہے عورت، اور عورت جو ہے وہ فیصلہ کرانا چاہتی ہے اب کیا ہو، یہ مسئلہ بہت الجھا ہوا ہے، ابھی ہم آپس میں باتیں کررہے تھے، ایک جزئیہ اس وقت ہم نے دیکھا ہے لیکن نظر اس پر نہیں گئی، شامی میں کتاب القضاء میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ اگر غیر مسلم ملک میں جہاں حکومت اقتدار غیر مسلموں کے پاس ہے اور مسلمان وہاں رہتے ہیں اگر غیر مسلم جج و قاضی حکومت کی طرف سے مسلمانوں کے لیے مقرر کیا جائے اور مسلمان اس سے راضی ہوں کہ ہمارے مسائل کے لیے جو قاضی و جج بنایا گیا ہم اس پر راضی ہیں اور وہ غیر مسلم ہے۔تا تارخانیہ

کے حوالہ سے موجود ہے کہ پھر اس کا فیصلہ معتبر ہوگا، اس پر فتوی تو نہیں ہے، غیر مفتی بہ قول ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ہم اس طرح کی چیزوں کو ذرا چھان پھٹک کر کے کس طرح ہم اس کو آگے بڑھا سکتے ہیں، اگر ہم نے اس کو بالکل ہی بلاک کر دیا کہ نہیں کوئی صورت نہیں ہے جیسا کہ فتوی ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ امریکہ اتنا بڑا ملک ہے، برطانیہ ہے، یوروپ کے اور ممالک ہیں، وہاں فتوی ہمارا ہو گیا، مسئلہ کا حل ہو گیا، اسی طرح لٹکا رہے، یا پھر یہ کہیے کہ ایسے تو طلاق دیدی ہے، مگر دونوں ساتھ رہنے پر مجبور ہے اس لیے کہ قانون کا ڈنڈا ان کے سر پر ہے، یا پھر یہ کہ اس نے کورٹ سے فیصلہ لے لیا اور اس کے بعد شوہر نے طلاق نہیں دی اور اس نے جا کر دوسری شادی کر لی تو فتوی کی رو سے تو حرام کاری ہو رہی ہے، اور یہ ایک آدھ مسئلہ نہیں ہے، ہزاروں ایسے مسائل ہیں، میں خوب جانتا ہوں کہ میں جس وقت گیا تھا اس وقت مسلمان اتنی بڑی تعداد میں نہیں تھے، اٹھائیس سال میں تو تین گنا آبادی بڑھ گئی ہے مسلمانوں کی، اس لیے مسائل بھی زیادہ سامنے آ رہے ہیں، تو ایک تو اس مسئلہ پر بھی ہمیں غور کرنا ہے۔

دوسرا مسئلہ جو اگرچہ اس نشست میں اس پر بحث نہیں ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ زکوۃ کا مسئلہ ہے اور اسی طرح کرنسی کا مسئلہ ہے یہ ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں تو ان سے متعلق بھی ہم کو غور کرنا ہے، کیوں کہ اس وقت ہم سب لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ہے کہ اکنامی جو ہے کرنسی، اس کے پیچھے سونا ہے، جب کہ یہ بات ختم ہو چکی ہے بلکہ اب دوسری چیزیں ہیں اور اس میں اس بات کو بھی دیکھنا ہے کہ بعض حکومتیں بعض وقت زائد کرنسی چھاپ دیتی ہیں یوں کہیے کہ جتنی اکنامی کی نوعیت ہے اور جو ویلیو ہے وہاں، اس سے زیاد چھاپ دیتے ہیں تب اس صورت میں کرنسی کی کیا نوعیت ہوگی، اس کی جو نشست ہے اس میں انشاء اللہ اس پر بحث ہوگی، اس وقت کی نشست میں تو طلاق کے مسئلہ پر بحث چل رہی ہے، مجھے عرض کرنا ہے کہ آدھی دنیا نہیں بلکہ آدھی دنیا سے زائد کے مسائل جو ہیں وہ بڑے الجھے ہوئے ہیں اور اگر ہم کسی طرح

کسی دوسرے قول کو بھی لیتے ہیں، مجھے معلوم نہیں، میں نے اس حد تک تحقیق نہیں کی ہے میں نے اپنے لڑکوں سے بھی کہا تھا کہ بھائی کتابوں میں تلاش کرو اس مسئلہ کو، آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ شوافع کے یہاں نکاح جو ہے اس پر غلبہ عقد کا ہے، معاملہ کا، حنفیہ کے یہاں اس میں تعبدی شان غالب ہے، شوافع کے یہاں جو ہے وہ معاملہ کی نوعیت زیادہ غالب ہے، اصول الشاسی میں موجود بھی ہے تصریح ہے، لیکن اس کے باوجود مسلمان جج کی قید کیوں ہے؟۔

مولانا یاسر ندیم:

ابھی حضرت مولانا قاری عبداللہ سلیم صاحب نے اصول الشاشی کے حوالہ سے جو بات نقل کی ہے کہ حضرات شوافع کے نزدیک طلاق اور نکاح کو معاملات کا درجہ دیا جاتا ہے جب کہ حضرات احناف کے نزدیک عبادت کا، تو بات یہ ذہن میں آتی ہے کہ نکاح اور طلاق پر اگر غور کیا جائے تو ان میں معاملاتی پہلو غالب ہے، عباداتی پہلو بھی اگرچہ پایا جاتا ہے لیکن غالب معاملاتی پہلو ہے، یہی وجہ ہے کہ نکاح اور طلاق میں نیت کا اعتبار نہیں کیا جاتا جبکہ ہر عبادت میں نیت کا اعتبار کیا جاتا ہے تو اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ نکاح اور طلاق معاملہ ہے تو اس میں کافر کی توکیل بھی جائز ہونی چاہئے، اگر مرد کی طرف سے توکیل جائز ہے جیسا کہ حضرت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے بات آئی کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اگر عورت کی طرف سے توکیل ہو اور قاضی تفریق کرا دے، اسباب تفریق وہی ہوں جن کا شریعت نے اعتبار کیا ہے تو اب تفریق نافذ ہونی چاہئے، لیکن اگر اسباب تفریق وہ نہ ہوں محض یہ ہو کہ میرا اس کے ساتھ دل نہیں ملتا، اس لیے مجھے علیحدگی چاہیے تو اب وہ فیصلہ شرعاً نافذ العمل نہیں ہونا چاہئے۔

مولانا صبیح اختر قاسمی:

......آواز نہیں آئی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو خیال ظاہر کیا گیا میری رائے

ہے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نکاح اور طلاق کے متعلق عقد کا مکمل اعتبار نہیں کرتے صرف نکاح کے مسئلہ میں مہر کی حیثیت کے متعلق حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ عقد کے پہلو کو غالب مانتے ہیں ورنہ طلاق کے مسئلہ میں تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی احناف کی طرح مرد کو ہی مکمل اختیار رہے، عورت کے اختیار کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے، اس لیے ہمارے کناڈا کے جو بزرگ نے فرمایا تھا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسا معاملہ ہے کہ جانبین کی رضامندی پر موقوف ہے، اس پر غور کرنا چاہئے، اس کے متعلق بات نہیں سمجھ میں آئی، میں سمجھتا ہوں کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا طلاق کے مسئلہ میں بھی احناف ہی کی طرح مسلک ہے، صرف مہر کے مسئلہ میں ان کا اختلاف ہے اس میں وہ معاملہ کے پہلو کو غالب مانتے ہیں۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی:

مسئلہ زیر بحث کے سلسلہ میں، میں نے مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے دو جوابات نقل کیے تھے جو بہت ہی اہم تھے اس مسئلہ میں، جن کا تذکرہ ملفوظات آزاد میں ہے جو ان کی آخری زندگی کی کتاب ہے، غالباً وہ جواب تاخیر سے پہنچا کہ نہ اس کا تذکرہ تلخیص میں آیا ہے اور نہ عرض مسئلہ میں آیا، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس کی طرف توجہ ہوجائے۔ اس میں ایک مسئلہ ہے اس مسئلہ کی اہمیت اس لیے بھی ہوجاتی ہے کہ اس میں یہ کہا گیا تھا کہ وہاں کے علماء امداد الفتاوی کے حوالہ سے اس کی مخالفت کررہے ہیں، میں اس کی دو تین لائنیں پڑھنا چاہتا ہوں، یہ مسئلہ بی بی لطیف النساء بیگم کا ہے کہ ان کا نکاح نابالغہ کی حالت میں ان کے والد کی ولایت میں میاں معبود بخت کے ساتھ ہوا تھا، تقسیم ہند کے وقت میاں معبود بخت پاکستان چلے گئے اور بار بار یاددہانی کے باوجود نہ اپنی زوجہ کو ہندوستان سے پاکستان لانے کو تیار ہوئے، نہ اس کو طلاق دینے کے لیے آمادہ ہوئے مجبور ہوکر لڑکی کی طرف سے ہندوستان کی عدالت میں تفریق کا مقدمہ داخل کیا گیا، عدالت کے غیر مسلم حاکم نے پاکستان میں میاں معبود بخت کے خلاف نوٹس جاری کیا اور ان

کی طرف سے اپیل نہ ہونے کی بنا پر فسخ نکاح اور تفریق زوجین کا فیصلہ دے دیا لڑکی کے اطراف کے علماء کی طرف سے اس فیصلہ کی مخالفت ہوئی کہ فسخ نکاح اور تفریق زوجین کے لیے حکم کا مسلم ہونا شرط ہے، اس معاملہ میں غیر مسلم حاکم کا فیصلہ شریعت میں معتبر نہیں، اس کے لیے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی امداد الفتاوی جلد دوم کی کتاب النکاح ص ۴۹ کا حوالہ دیا گیا ہے۔

اس استفسار کے جواب میں مولانا آزاد فرماتے ہیں: ......مولانا کے الفاظ ہیں:

عدالت نے جو فیصلہ کیا ہے وہ شریعت کے مطابق کیا ہے وہ نافذ ہوگیا لڑکی عدت کاٹ کر دوسرا نکاح کرسکتی ہے، دوسرا مسئلہ ہندوستان سے متعلق ہے، جذام کا مرض ہے، لڑکی تفریق چاہتی ہے اور وہ طلاق نہیں دے رہا ہے، اس مسئلہ میں اس نے کورٹ میں درخواست دی اور اس کورٹ نے تفریق کردی، اس پر مولانا لکھتے ہیں کہ جو صورت آپ نے بیان کی ہے کہ ڈاکٹر کی تصدیق پر عدالت نے تفریق کا فیصلہ کیا ہے یہ ٹھیک ہے اور قابل عمل ہے، میں چاہتا ہوں کہ اس نظریہ سے حضرات فقہاء کوئی رائے قائم کریں۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

بھائی مولانا آزاد کی یہ رائے تھی جو مولانا نے فتاوی نقل کیے ہیں ....مولانا آزاد کی یہ رائے تھی کہ غیر مسلم جج کا جو فیصلہ ہے طلاق کے بارے میں اسے مانا جائے گا، بہر حال اسے دیکھ لیا جائے کہ وہ چیز کہاں سے لی گئی، ان کی رائے ہے سن لیا آپ نے، دلیل تو کوئی نہیں دی۔

مولانا عثمان بستوی:

مجھے دو صورتوں کے متعلق ذکر کرنا ہے، ایک پہلی صورت، ایک دوسری صورت۔ پہلی صورت میں اس کی تعیین ہو جانا ضروری ہے کہ یہ تفویض ہے یا توکیل، اس لیے کہ ایسے ہی کہہ دینا کہ تفویض یا توکیل کسی میں داخل کر کے حکم لگا دیا جائے یہ بات صحیح نہیں ہے، سوال یہ ہوتا ہے

کہ یہ توکیل ہے، اس لیے کہ عدالت کوشوہر کی طرف سے اس بات کا علم ہوجاتا ہے کہ اس کی طرف سے رضا پائی گئی ہے فسخ کرنے کی، لہٰذا اس کی طرف سے عدالت نکاح فسخ کردے اس معنی کر یہ توکیل ہے۔لیکن اس معنی کر دیکھا جائے کہ عدالت اپنی صوابدید کے مطابق فیصلہ کرے گی یا صرف شوہر کے کہنے کی وجہ سے فیصلہ کرے گی۔اگر اپنی صوابدید کے مطابق فیصلہ کرتی ہے تو یہ تفویض بنتی ہے نہ کہ توکیل۔

اب اس پر دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ تفویض بنے گی تو مجلس کے ساتھ خاص رہے گا اور سوال میں جو عبارت ذکر کی گئی ہے اس میں اس تفویض کو عام نہیں کیا گیا، اس سے پتہ یہ چلتا ہے کہ یہ مجلس کے ساتھ خاص ہے لہٰذا اگر دوسری مجلس میں وہ فیصلہ کرتا تو فیصلہ نافذ نہیں ہوگا لیکن اگر سوال پر پوری طرح سے غور کیا جائے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ نہیں، جب شوہر اس کو کہتا ہے کہ سوچ کر کے اور اپنی صوابدید کے مطابق اگلی مجلسوں میں میرے حق میں فیصلہ طلاق کا کردیا جائے ،میری طرف سے فیصلہ کردیا جائے، اس کا مطلب لازمی طور پر یہ نکلتا ہے کہ تم کو مطلق اختیار ہے کہ جب چاہو، جس طرح سے چاہو اپنی صوابدید کے مطابق فیصلہ طلاق کا کردو، اس لیے مجلس کے ساتھ اختصاص ضروری نہیں ہوا، اس لیے کہ ثابت بالاقتضاء کا ثابت بالنص جیسے کہ اعتدی کے مسئلہ میں حضرات فقہا فرماتے ہیں تو اسی طرح سے یہاں اس کو تفویض ہونا چاہئے۔

اور اگر اس کو توکیل مانا جائے تو دوسری خرابی یہ ہوگی کہ جیسے ہم نے کہا یہ بات آتی ہے کہ شوہر جب اس کو بلائیں گے، عدالت فیصلہ کردیگی تو وہ کہہ دے گا کہ ہاں ہم نے طلاق دیدیا، مسئلہ صاف ہوجائے گا،لیکن کبھی کبھی یہ صورت پیدا ہوجائیگی اگر توکیل ہے تو رجوع کا حق ہوتا ہے اس کو،اور تفویض ہے تو رجوع کا حق نہیں ہوتا ہے،توکیل اگر مانیں گے تو وہ کہہ سکتا ہے کہ ہم نے رجوع کرلیا۔اور اگر تفویض مانیں گے تو وہ کہے گا کہ ہم نے رجوع کرلیا تو عورت یہ کہے گی کہ تمہارے رجوع کا کوئی اعتبار نہیں، اس لیے فیصلہ جو تم نے کیا ہے اسی کے مطابق اس پر عمل لازم ہوگا، اس

لیےاس مسئلہ پرضروری ہے یہ تعیین کرنا کہ یہ تفویض ہے یا توکیل، اس کے بغیر مسئلہ حل نہیں ہوگا، اس لیے کہ دونوں جہتوں کے احکام الگ الگ ہیں۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

آپ کی رائے کیا ہے تفویض ہے یا توکیل؟

مولانا عثمان بستوی:

میری سمجھ سے یہ تفویض ہے، اس لیے کہ عدالت اپنی صوابدید کے مطابق فیصلہ کرتی ہے نہ کہ شوہر کے تابع ہوکر۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

جو جج ہے اگر اس کو معلوم ہو کہ آپ اس کو وکیل اور اپنا مفوض سمجھتے ہیں تو وہ تو واقعی توہین عدالت کا دعوی دائر کرسکتا ہے، یہاں مسئلہ صرف اتنا ہے کہ شرعی بنیاد پر کیا ایسی کوئی تکییف ممکن ہے، جہاں اس طرح کی صورت حال ہے، دارالقضاء اور شرعی پنچایتیں وہاں پر آپ کی قائم نہیں ہیں، وہاں اگر عدالت سے اس طرح کی طلاق ہوجاتی ہے تو جو تینوں صورتیں سوالنامہ میں ذکر ہے، ان میں کسی میں بھی کوئی توجیہ یا تصویر ایسی ممکن ہے جو شرعی لحاظ سے قابل اعتماد ہوسکے۔

مولانا عثمان بستوی:

دوسری صورت سے متعلق جو یہ بات آئی تھی کہ شوہر کی طرف سے دستخط لے لی جاتی ہے کہ عدالت جو فیصلہ کرے گی وہ تم کو منظور ہوگا، تو چوں کہ دونوں طرف سے اس کو اختیار حاصل ہوگیا ہے، اس لیے یہ تحکیم کی صورت بنتی ہے، البتہ اگر شوہر کے اوپر زبردستی، کسی بھی طرح سے چاہے وہ اکراہ ملجی ہو یا غیر ملجی۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

اس کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے یہ بتائیے۔

مولانا عثمان بستوی:

اس کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ یہ تحکیم کی صورت ہے۔

تیسری بات مجھے یہ کہنی ہے کہ اس مسئلہ میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ حضرات شوافع یا کسی دوسرے دبستان فقہ سے لے کر کے اس کے متعلق فیصلہ کیا جائے تو اس سلسلہ میں الحیلۃ الناجزۃ کی پوری تصویر ہمارے سامنے ہونی چاہئے کہ دوسرے دبستان فقہ پر فیصلہ کرنے کے لیے ایک تو ان کے مسالک کے علماء سے رجوع کیا جائے، ہم اس سلسلہ میں اپنی طرف سے کوئی رائے قائم نہ کریں، یہ ہماری طرف سے زیادتی ہوگی۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

ہاں مسئلہ یہی ہے، اب تو ماشاء اللہ کتابیں ہر فقہ کی خوب موجود ہیں، مطالعہ کر سکتے ہیں آپ، اتفاق سے جو مفتی آئے ہوئے ہیں شافعی المسلک ہیں ان سے بھی رجوع کر سکتے ہیں آپ۔

مولانا عثمان بستوی:

الحیلۃ الناجزۃ میں مسئلہ صاف لکھا ہوا ہے کہ ایک مفتی سے رجوع نہیں کیا گیا تھا اس مسلک کے جتنے ماہرین تھے سب سے رجوع کیا گیا تھا۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

نہیں بات یہ ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کارنامہ انجام دیا ہے، انھوں نے ایک ایسا قدم اٹھایا جس کی انتہائی ضرورت تھی، جو پہلے لوگوں نے نہیں اٹھایا تھا، ان کو ضرورت محسوس ہوئی، انھوں نے قدم اٹھایا، اب یہ ضروری نہیں کہ ہر مسئلہ میں مکمل وہی نہج ہو، بالکل وہی نہج ضروری ہو۔

مولانا عثمان بستوی:

بالکل وہی تیج نہیں ہو لیکن ان کے ماہرین کو ضرور شامل کیا جائے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

ہاں تحقیق ضرور کی جائے، تحقیق ہوتی رہے گی۔

مولانا محمد رمضان علی:

جی! مطلب پہلے یہ ہے کہ جو فقہاء توکیل کی تعریف کرتے ہیں، وہ توکیل کی تعریف یہاں پر بالکل صادق آرہی ہے کہ شوہر کی درخواست کو توکیل ہی مانا جائے، پھر دوسری بات یہ کہ کافر کو وکیل بنایا جاسکتا ہے یا نہیں، تو اس سلسلہ میں فتاوی ہندیہ اور دوسرے فقہاء نے صراحت کی ہے، علامہ کاسانی نے بھی صراحت کی ہے کہ مرتد کو وکیل بناسکتے ہیں تو کافر کو بدرجۂ اولی۔

پھر تیسری صورت یہ ہے کہ کیا جیسے نکاح ہے طلاق ہے ان معاملات میں بھی شوہر وکیل بناسکتا ہے یا نہیں، اس کی بھی فتاوی ہندیہ میں صراحت ہے: "ویجوز التوکیل بالنکاح والطلاق والعتاق" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر جو ہے طلاق کا بھی وکیل بناسکتا ہے اور ایک بات یہ جو آئی تھی کہ وکیل کو معلوم بھی ہو کہ اس کو وکیل بنایا جارہا ہے، اس کی فقہاء نے کہیں صراحت نہیں کی ہے۔ البتہ اس کی صراحت ضرور ہے کہ جب وکیل کو معزول کیا جائے تب اس کو یہ علم ہونا ضروری ہے کہ اس کو اس سے معزول کیا جارہا ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

وکیل کے لئے۔

مولانا محمد رمضان علی:

نہیں علم ضروری نہیں ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

ٹھیک ہے، اچھی بات ہے۔

مفتی زاہد علی:

میں یہ بات عرض کرنا چاہ رہا ہوں کہ ہندوستان میں دستور ہند کی دفعہ ۲۵ کے تحت فنڈامنٹل ...... بنیادی حق مانی جاتی ہے اس کے تحت سپریم کورٹ نے یہ وضاحت کی ہے کہ پرسنل لاء کا وہ حصہ جو لازمی ہے وہ تو گویا تسلیم کیا جائے گا لیکن جو غیر لازمی ہے، فروعی ہے، جس کا دوسروں کے حقوق سے بہت زیادہ تعلق ہے اس کو اس درجہ میں نہیں رکھا جائے گا، اس سلسلہ میں میرا خیال یہ ہے کہ جو تحریک اس زمانے میں شروع ہوئی تھی اور کاظمی صاحب نے یہ پیش کیا تھا کہ مسلم جج عدالتوں میں ہوں اور جناح صاحب نے اس کی مخالفت کی تھی، اس کو ہمارے فقہ اکیڈمی اور پرسنل لاء کی طرف سے دوبارہ پیش کیا جائے اور مسلم جج فسخ نکاح کے لیے اور اسی طرح خلع کے لیے لازمی قرار دینے کی کوشش کی جائے اور مجھے خاصی امید ہے کہ اس میں کامیابی حاصل ہوگی، اس سلسلہ میں صرف اتنا کہنا ہے مجھے کہ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے علاوہ ذیلی عدالتیں کوڈی فیکیشن نہ ہونے کی وجہ سے صرف مفتی کے فتوی کی بنیاد پر فیصلے کیا کرتی ہیں یہ سمجھ لینا بہت ضروری ہے کہ ذیلی عدالتوں کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے، سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے فیصلوں کے علاوہ اور ہمارے پاس صرف ریزولیشن کے لیے تین چیزیں موجود ہیں: شریعۃ اپلیکیشن ہے ۱۹۳۷ کا ریزولیشن آف مسلم میرج ایکٹ جیسا آپ نے فرمایا تھا ۱۹۳۹ کا اور اس کے علاوہ مسلم مطلقہ ایکٹ، لیکن اس کے علاوہ کوئی چیز کوڈی فیکیشن کی شکل میں نہیں ہے لہٰذا مفتی کا جو فتوی ہوتا ہے ہندوستانی دستور کے مطابق دفعہ ۲۵ کی وجہ سے ذیلی عدالتیں مفتی کے فتوی کو صرف نافذ کرتی ہیں، لہٰذا مفتی کفایت اللہ صاحب نے جو فتوی دیا ہے وہ نہایت اہم ہیں اس کو بہت اچھی طرح سے ہندوستانی مسائل میں جہاں دار القضاء اور شرعی پنچائتیں قائم نہیں ہیں، بہت اچھی طرح

سے فیصلہ کیا جاسکتا ہے اور کرایا جاسکتا ہے اور باقی کوشش کی جائے دار القضاء کے قیام کی۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

بہر حال حوصلہ ہے کہ قاضی بل پیش کیا جائے، اس کے لیے جد و جہد کی جائے، ہمارے بزرگوں نے یہ خواب دیکھا تھا اور کوششیں کی تھی اور ہم مایوس نہیں ہیں ان شاء اللہ حالات سے، باقی میں علی گڑھ حاضر ہوا تھا کچھ اور مسائل آپ نے ذکر کیے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اسٹیج سے وہ زیادہ پیش کرنے کی چیز ہے، ہم لوگ بیٹھ کر بات کرلیں گے ،انشاء اللہ، اس وقت جو مسئلہ ہے زیر بحث، اس کے بارے میں ہم چاہتے ہیں کہ لوگوں کی رائے آئے۔

مفتی عبد القیوم راجکوٹی:

غیر مسلم جج قاضی ہے یا حکم ہے یا وکیل ہے یہ تو بعد میں طے گا، میں نے مولانا سے ایک بات پیش کی کہ اس سلسلہ کے انجام کے اعتبار سے کچھ سوچا جائے، میں نے لکھا ہے کہ اسلامی فقہ میں بہت سے مسائل ایسے ہیں جو فی نفسہ ذاتا جواز کا حکم رکھتے ہیں، لیکن سدا للباب یا انجام میں فساد کے اعتبار سے ناجائز کا حکم ہے، اس پر آیت کریمہ "**لا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدواً بغیر علم**" دال ہے، گر بالفرض غیر مسلم جج کا فیصلہ طلاق یا فسخ نکاح میں جائز مانا جائے تو طلاق اور فسخ نکاح کی شرح میں اضافہ ہونے کا قوی اندیشہ ہے، حالانکہ شرعی رو سے بلا ضرورت شدیدہ شوہر کا طلاق دینا یا عورت کا بلا وجہ طلاق حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ دوسری خرابی یہ ہوئی کہ مسلم پرسنل لا بورڈ یا امارت شرعیہ بہار اڑیسہ و جھارکھنڈ نے متعدد جگہوں میں دار القضاء قائم کر رکھا ہے اور دیندار لوگ ان دار القضاء کی طرف اپنے مسائل میں رجوع کرتے ہیں۔ اگر غیر مسلم جج کا فیصلہ جائز قرار دیا جائے تو جاری شدہ دار القضاء پر زبردست اثر پڑے گا، بلکہ ہوسکتا ہے کہ حکومت اپنے زور سے جاری شدہ دار القضاء کو بند کرنے کا

فیصلہ کرے کہ اب تو ہم فیصلہ کر ہی رہے ہیں آپ کے دارالقضاء کی ضرورت نہیں، تیسری وجہ اگر غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر مانا گیا تو بہت ممکن ہے کہ حکومت ہند دیگر اسلامی امور میں دخل گیری کے بہانے تلاش کرنے لگے، جیسا کہ ماضی میں ہو چکا ہے، لہٰذا ان ہی بصیرت کے لیے یہ لمحۂ فکریہ ہے کہ اس سلسلہ میں سوچ سمجھ کر غیر مسلم جج کی حیثیت متعین کریں۔

مولانا عبدالقادر عارفی (ایران):

ہمارے یہاں بھی ایک مسئلہ میں پریشانیاں ہیں، عرض کرنے کا مطلب تو یہ ہے کہ دوستوں کے یہاں اگر کوئی حوالہ ہو، اس سلسلہ میں کوئی مشورہ ہو تو ہماری رہنمائی فرمائیں، آج کل ہمارے یہاں ایک مسئلہ چل رہا ہے، اس کو مختصراً ایک منٹ میں عرض کرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ وہاں نکاح اور عقد کے بعد حکومت کی طرف سے، سرکاری سطح پر ایک قانون ہے کہ لوگ اس کو محضری کہتے ہیں، اس میں ایک کتابچہ ہوتا ہے پھر اس میں شوہر اور زوجین دونوں کے دستخط ہوتے ہیں تو اس میں ایک مصیبت میں ہم پھنسے ہوئے ہیں کہ اس میں اگر پورے کاپی میں دستخط ہو جائے تو جتنے بھی اختیار ہیں شوہر کے ہاتھ میں طلاق کے سلسلہ میں، نکاح کے سلسلہ میں، وہ سارے اختیارات عورت کے اختیار میں چلے جاتے ہیں، تو جس طرح پہلے شوہر تھا، زوجین میں بالکل تبدیلی آجاتی ہے گویا کہ زوج، زوجہ بن جاتا ہے اور زوجہ زوج مثلاً اگر یہ ہوا تو آپ طلاق دے سکتے ہیں دلوا سکتے ہیں، اگر یہ ہو گیا یہ ہو گیا پتہ نہیں کتنے وہاں مواد ہیں جس کو مادہ کے تحت کہتے ہیں، تو اب اس سلسلہ میں یہ مسئلہ وہاں چل رہا ہے کہ کچھ لوگ جو پڑھے لکھے ہیں وہ پڑھتے ہیں اور اس وقت سوچتے بھی نہیں کہ آئندہ کیا ہوں گے تو پڑھ کر وہ دستخط کر دیتے ہیں، سمجھتے بھی نہیں ہیں اور سب پر دستخط کر کے اس کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ پھر کئی سالوں کے بعد کوئی جھگڑا، کوئی پریشانی ہو جاتی ہے تو اس سلسلہ میں وہ پھر درخواست دیتے ہیں محکمہ میں، اسی سلسلہ میں سرکاری سطح پر یا قضاۃ کے ماتحت محکمہ کی طرف سے طلاق دلوائی جاتی ہے۔ اب اس سلسلہ میں

وہاں ہمارے علماء میں یہ بات چل رہی ہے کہ اس طلاق کا اعتبار ہوگا کہ نہیں ایک تو یہ ہے کہ زوجہ پڑھ کر اس پر دستخط کرتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جو پڑھے لکھے بھی نہیں ہیں وہ ایسے ہی دستخط کر کے اپنا وہ کاپی لینا چاہتے ہیں، ان کو ضرورت ہے اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو دستخط نہیں کرتے ہیں، ایک دو جگہ دستخط کر کے باقی چھوڑ دیتے ہیں، تو اس سلسلہ میں فقہی عبارتیں بھی بہت مختلف ہیں بزرگوں کی مختلف عبارتیں ہیں جو وہاں پریشانی کا سبب بن گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ حضرات ہماری رہنمائی فرمائیں حوالہ کے سلسلہ میں، کوئی کتاب کا حوالہ دیدیں یا کوئی عبارت ہمیں دکھا دیں تو بہت اچھا ہوگا۔

مولانا حسین فلاحی (قاضی دار القضاء کوکن):

اصل میں جزئیہ کے تعلق سے حضرات شوافع کے مسالک کی بات آئی تھی تو شوافع مسلک کے اعتبار سے صراحت کرنا مناسب ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک نکاح میں عقد اور عبادت کا دونوں پہلو ہے الا یہ کہ عقد کا پہلو غالب مانا گیا ہے وہ بھی چند امور میں، جس کی صراحتیں شوافع کی جو کتب فقہیہ ہیں، ان میں موجود ہیں۔ دوسری جو بات آئی جس کی طرف شیخ ممدوح صاحب دامت برکاتہم نے بھی صراحت کی، اور شوافع کی جو مفتی بہ اور معتمد علیہ کتابیں ہیں ان میں صراحت آئی ہے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد شیخین یعنی امام نووی اور امام رافعی جس قول پر متفق ہوں اس پر فتوی دیا جائے، ان دونوں میں اختلاف ہو تو امام نووی کی بات مانی جائے، ان دونوں میں بھی اختلاف ہو، اس کے بعد بھی اگر کوئی ایسا مسئلہ ہو تو علامہ ابن حجر ہیثمی اور علامہ شمس الدین ......رحمۃ اللہ علیہ کی بات معتبر مانی جاتی ہے تو شوافع کے تنقیح طبقۂ ثانی کے جو فقہا ہیں ان کی کتابوں میں یہ بات ملتی ہے کہ اگر کہیں نظام قضاء کے اعتبار سے کوئی چیز قائم نہ ہو تو ایسی صورت میں اگر عورت اپنے شوہر سے نان ونفقہ کے اعتبار سے عاجز ہے تو وہ جو

ہے تین دن تک انتظار کرے اور اس کے بعد اپنا نکاح وہ بذات خود فسخ کرسکتی ہے، البتہ صاحب ترشیح ......علامہ بعلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں صراحت کی ہے کہ بہتر ہے کہ کم از کم تین علماء کے سامنے وہ اپنی بات رکھے، وہ علماء تحقیق کریں اور پھر وہ علماء اس عورت کو نکاح کے فسخ کی اجازت دیدیں اور اس سے فسخ کے کلمات خود کہلوائے۔ دوسری بات جو چل رہی ہے اس کے اعتبار سے یعنی وہ ممالک جہاں اقلیتیں موجود ہیں تو جیسے کہ بات آئی احتیاط کی بھی ضرورت ہے کہ ہم کوئی ایسا فیصلہ نہ کریں کہ حکومت کو مواد مل جائیں، لیکن اگر کوئی ضرورت ہے اور انتہائی ضرورت ہے تو ایسی صورت میں اگر وہاں شافعی عوام ہوں تو اس بات کی طرف بھی نشاندہی کی جاسکتی ہے کہ ضرورت کے تحت حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے اعتبار سے جو تنقیح ثانی کے فقہاء نے ضرورتاً، یعنی با قاعدہ کتابوں کے اندر صراحت موجود ہے شوافع کی، کہ اگر کسی جگہ نظام قضا قائم نہ ہو، مسلمانوں کے عام مصالح معطل ہو رہے ہوں تو ایسی صورت میں حکومت اگر کسی غیر کو بھی قاضی متعین کر رہی ہے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا بغیۃ المستر شدین صفحہ ۳۴۵ میں بھی اس کا حوالہ موجود ہے، شوافع کی ایک مفتی بہ کتاب ہے "الغور البهية" اس کی جلد ۱۰ صفحہ ۱۶۲ پر بھی یہ عبارتیں موجود ہیں۔ اگرچہ شیخ الاسلام زکریا انصاری نے اس کی مخالفت کی، لیکن بعد کے جو فقہاء ہیں، جن کی بات شوافع کے یہاں فی الوقت معتبر ہے ان کے یہاں تو فتوی اسی بات پر دیا جاتا ہے، جزاکم اللہ۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

جزاکم اللہ آپ نے اچھی عبارتیں سنائی ہیں میں چاہوں گا کہ اس مسئلہ پر جو فقہ شافعی کی اور تصریحات ہیں ان کو آپ جمع کریں، یہاں کی لائبریری الحمد للہ اچھی ہے، یہاں کی لائبریری میں فقہ شافعی کی کتابیں بھی آپ کو ضرور ملیں گی، تو ان مزید حوالوں کو آپ مکمل کریں ان شاء اللہ۔ اور یہ جو مسئلہ ہے اس کا ذکر انھوں نے بھی کیا تھا جو ہمارے مہمان ہیں کہ فقہ شافعی میں

اس کی گنجائش ہے کہ اگر نفقہ نہ ادا کرنے کا مسئلہ ہے، بعض اسباب اس طرح کے ہیں اور شوہر حقوق کو نہیں ادا کرتا ہے تو گویا اس میں گنجائش اس طرح کی ہے تو ہمارے سامنے جو بھی اس طرح کی عبارتیں ہیں ہونی چاہئے۔ اب وقت کافی ہو چکا ہے، میں معذرت خواہ ہوں بہت سے حضرات سے جنھوں نے اپنا نام یہاں بھیجا ہے، میں درخواست ضرور کروں گا کہ آپ کے ذہن میں جو بات بھی ہے جو پیش کرنا چاہتے ہیں وہ آپ لکھ کر یہاں بھیج دیں تا کہ کمیٹی کے حوالہ وہ چیز ہو جائے، آخر میں قاری عبد اللہ سلیم صاحب کچھ فرمانا چاہتے تھے میں ان سے درخواست کرتا ہوں کہ فرمادیں۔

مولانا قاری عبد اللہ سلیم (شکاگو امریکہ):

بات یہ ہے کہ عدالت میں شوہر جارہا ہے یا عورت جارہی ہے، یہ مسئلہ توکیل کا ہے یا تفویض کا ہے، دیکھنا یہ ہے کہ خود مدعی اس کے ذہن میں کیا ہے، حقیقت معاملہ کی اور واقعہ کی کیا صورت ہے، میں امریکہ میں ہوں میرے خیال سے اور یوروپی ممالک ہیں وہاں صورت یہ ہے کہ کورٹ میں ہم اس لیے نہیں جاتے کہ ہم اس کو وکیل بنارہے ہیں یا اس کو اپنا اختیار تفویض کر رہے ہیں بلکہ وہاں مسئلہ یہ ہے کہ نکاح اور نکاح سے بڑھ کر طلاق، ان ملکوں میں یہ حق نہ شوہر کا ہے نہ بیوی کا ہے بلکہ یہ حق صرف کورٹ کا ہے، یہ صورت حال ہے، اسی واسطے میں نے عرض کیا تھا کہ جو میرج لائسنس ہے اس میں تو گنجائش دی گئی ہے کہ یہ نکاح مذہبی ہو یا سول ہو، لیکن طلاق کے لیے نہیں تیار ہیں وہ کہ یہ حق کورٹ سے ہٹ کر دوسرے کو دیا جائے وجہ اس کی یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ وہ اس مسئلہ کو مذہبی اصل سے مانتے نہیں ہیں، ان کے ذہن میں یہ ہے کہ جو حقوق ہیں وہ متاثر نہ ہوں، ان کا تحفظ کس طرح سے ہو سکے؟

یہ کام عدالت کا ہے، اس لیے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ طلاق جو ہے چونکہ اس میں حقوق متاثر ہونے والے ہیں لہذا کورٹ اس کا فیصلہ کرے گا، اب مثلاً میں عرض کرتا ہوں کہ ایک مرد جاتا ہے

کورٹ میں اور جا کر یہ کہتا ہے کہ صاحب میں طلاق دینا چاہتا ہوں، آپ اس کا فیصلہ کر دیجئے عورت جو مدعی علیہا ہے، جب جج اس کو بلا کر پوچھتا ہے کہ بھائی تمہارا شوہر تم کو طلاق دینا چاہتا ہے تم کیا کہتی ہو؟ اگر عورت مثلاً یہ کہے کہ صاحب میرا تو کوئی والی، وارث نہیں میرا کوئی ٹھکانہ نہیں، مجھے کہیں سے مدد اور سپورٹ ملنے والی نہیں، میرے بچے بھی ہیں چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، ان کی دیکھ ریکھ کے لیے ہم دونوں کی ضرورت ہے اور شوہر کو کیا شکایت ہے، میں شکایتیں دور کرنے کے لیے تیار ہوں، میں اس شوہر کو چھوڑنا نہیں چاہتی، لہٰذا جج فیصلہ نہ کرے میرے نکاح اور شادی کے فسخ کا، تو جج جو ہے فسخ نہیں کرے گا، اب اگر یہ وکیل ہوتا شوہر کا مثلاً تو پھر اس کو فیصلہ کرنا تھا، اگر یہ تفویض کا مسئلہ ہوتا تو جج فیصلہ کر دیتا، مگر نہ یہ توکیل ہے نہ تفویض، اس لیے اس مسئلہ پر ہمیں زیادہ بحث کرنے کے بجائے اس پر دیکھنا ہے کہ بھائی مسئلہ وہاں توکیل یا تفویض کا نہیں ہے وہ تو یہ سمجھا جا رہا ہے کہ طلاق دینے کا حق عدالت کو ہے چاہے وہ شرعاً صحیح ہے یا غلط ہے چوں کہ حق اسی کو ہے اس لیے میں اس کورٹ میں آیا ہوں تا کہ جج فیصلہ کر دے تفریق کا۔ مسئلہ یہ ہے۔ اس لیے اس میں غور ہونا چاہئے اور اسی طرح سے وہ معاملات جس میں قضاء قاضی کی مثلاً ضرورت نہیں ہے، سوال یہ ہے کہ ولایت عامہ جو قاضی کو حاصل ہے اور ایک طرف یہ بھی ہے کہ صاحب مسلمانوں کے اوپر ولایت عامہ غیر مسلموں کو حاصل نہیں ہوگی تو اس صورت میں کوئی بھی معاملہ ہو چاہے وہ مالیات سے متعلق ہو یا کسی اور چیز سے، اگر جج فیصلہ کرے تو وہ فیصلہ ماننا ہوگا ورنہ جیل جائے، تو پھر اس صورت میں ہم کونسے مسئلہ میں یہ کہیں گے کہ یہاں تو قضاء قاضی جو ہے اس میں مسلمان ہونے کی شرط نہیں ہے یہاں تو شرط ہے۔ یہ سب چیزیں الجھی ہوئی ہیں، میرا خیال یہ ہے کہ اس میں تھوڑا ان سب پہلوؤں پر نظر کرتے ہوئے غور کیا جانا چاہئے اور خاص طور پر ہمارے مولانا صاحب نے شافعی مسلک کی کتابوں کا حوالہ دیا وہ اس معاملہ میں، میں سمجھتا ہوں کہ بہت مدد و معاون ثابت ہوگی انشاء اللہ جزاکم اللہ خیراً۔

مفتی صباح الدین ملک:

ایک بات تو ابھی ہمارے...... کہ اس کی تین صورتیں بنتی ہیں: تحکیم ہے، تفویض ہے، توکیل ہے، کیا ضروری ہے کہ ہم اس مسئلہ کو صرف تین ہی فریم میں دیکھیں، کہ تحکیم ہے، تفویض ہے اور توکیل ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

چوتھا فریم کیا ہے؟ وہ بتائیں۔

مفتی صباح الدین ملک:

چوتھی صورت، پانچویں صورت اور چھٹی صورت بھی نکالی جاسکتی ہے مجھے جو بات کہنی ہے وہ اصل میں یہ ہے کہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے پانچ سوالات اٹھائے تھے، تین کا جواب تو انھوں نے دے دیا، پھر ان کا میلان اس طرف ہوا کہ توکیل مان لیا جائے .... ابھی جو آپ نے یہ مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے جو مثالیں پڑھی، اس میں بھی صورت حال یہ ہے کہ جو فیصلے جس سے اتفاق کیا ہے مولانا آزاد نے وہ وہ شکلیں ہیں جب کہ ایک غیر مسلم قاضی نے جو فیصلہ دیا ہے وہ شریعت کے مطابق ہے۔ یعنی اگر وہ مسلمان قاضی بھی ہوتا تو فیصلہ وہی ہوتا۔ تو میں یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ مولانا خالد سیف اللہ صاحب کے مطابق اگر وہ بات مان بھی لی جائے تو یہ شرط اس میں ماننا پڑے گا کہ توکیل مان کر بھی اور نکاح کو اس دائرہ میں شامل کرکے بھی یہ شرط لگانی پڑے گی کہ اگر غیر مسلم قاضی ہو اس کا فیصلہ شریعت کے مطابق ہو تب ہی وکالت بھی ختم ہوسکے گی اور نکاح کو بھی اس دائرہ میں رکھنا ہوگا۔ ایک دوسری بات یہ کہنی ہے کہ اصل میں ہم لوگ سب پر یہ بات واضح ہوگی، میں صرف یاد دہانی کرانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس مسئلہ کا جو بھی حل نکالیں گے وہ حل آپ کا دائمی نہیں ہوسکتا ہے، کوئی حل ایسا نہیں ہوسکتا کہ جس پر آپ کو اطمینان ہوجائے۔ وجہ یہ ہے کہ ایک بے اقتدار اور بے اختیار شریعت کا مسئلہ ہے،

شریعت کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ ایک قانون ہوتا ہے۔اور کوئی بھی قانون ہو اس پر گفتگو کی جاتی ہے تو قانون کے پیچھے قوت نافذہ ہونی چاہئے۔ ہم لوگوں کا مسئلہ یہ ہے جو پوری دنیا میں عام ہے اس وقت، وہ یہ ہے کہ ہمارے پاس شریعت اور اللہ اس کے پیچھے سینکشن ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

مولانا صباح الدین صاحب بہت فکری موضوع شروع ہو گئے اب، وقت نہیں ہے چھوڑ یئے اس موضوع کو۔

مفتی صباح الدین ملک:

مسئلہ یہ ہے کہ جو مقابل میں دوسری تہذیب ہے وہ تو اپنے معیار کے مطابق جو سماجی یعنی حقوق نسواں ......۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

بھائی میں بھی بول سکتا ہوں اس موضوع پر، یہ موضوع چھوڑ یئے۔

مفتی صباح الدین ملک:

تو پوری صورت حال بدلی ہوئی ہے صرف یہ ہوسکتا ہے کہ ہم اپنی شریعت کو ایمانی، رضا کارانہ صورت سے اس کو ہم نافذ کریں جو ہم ہندوستان میں بھی کر رہے ہیں، شرعی پنچایت کے ذریعہ اور ایمانی قوت کے ذریعہ۔

مولانا عبد اللہ کاپودروی:

معزز مفتیان کرام! اس وقت ہم کس طرف جار ہے ہیں، ہمیں سوچنا چاہئے کہ نصوص قطعیہ میں کسی طرح کا تغیر، تبدل اور تشہی، اباحت پسندی کسی طرح روا نہیں ہے اس وقت غیر مسلم جج کا کوئی بھی فیصلہ، خاص کر طلاق کے بارے میں اس لیے صحیح نہیں ہے کہ وہ حقیقت میں قرآن و حدیث کے احکام کو بدل کر، اس طرف لے جا کر عورتوں کو آزادی دینا چاہتے ہیں، ایسی آزادی

جو اسلام سے ہٹ کر ہو، آج اگر اس پر فیصلہ کیا تو میں افریقہ میں کئی سال جاچکا ہوں، یو، کے (U.K) کے حالات سے واقف ہوں ایسا دروازہ کھل جائے گا، ایسا دروازہ کھل جائے گا کہ ہماری ساری عورتیں، مائیں، بہنیں کورٹ کچہری کے مقدموں اور فیصلوں کے ذریعہ تفریق ہی تفریق کرتی رہیں گی، نسلیں خراب، برباد ہوجائیں گی، اسلام پر باقی رہنا دشوار ہوجائے گا اس لیے کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہم اس کے جواز کی کوئی شکل اختیار کریں، بلکہ ہم یہ سوچیں کہ ایسی فاسقہ فاجرہ عورت جو اسلامی احکام کو ماننے کے لیے تیار نہیں اور غیر مسلم جج کا سہارا لے کر قرآن و حدیث کے خلاف فیصلہ چاہتی ہو، کیا ہم اس کا تعاون کر سکتے ہیں، قرآن شریف میں صاف لفظوں میں انکار کردیا "ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان" تو یہ درحقیقت اس کے جواز کی شکل سوچ کر، ہم ایک دروازہ کھول رہے ہیں اس بات کی طرف کہ ہمارے ایسے ممالک کے اندر رہنے والی فاسقہ فاجرہ عورتیں: آہستہ آہستہ اس کا رواج بڑھتا جائے اور تمام مسلمان پریشان ہوجائیں۔

آخری بات میں سنالوں، میرے سامنے میرے ساتھ پڑھے ہوئے ۴۵/سال کی عمر کی عورت تھی اور وہ اپنے ۵۵/سال کے شوہر کو چھوڑ کر چلی گئی یوکے (U.K) میں، ایک جوان کے پاس، جس کے بیٹے اور بیٹیاں ساری جوان تھیں، کورٹ نے فیصلہ کردیا تفریق کا ہمارے وہاں کے شرعی پنچایت نے مجبور کیا شوہر کو وہ طلاق دیدیں، تو ایسی چیزیں ہوتی رہیں گی اور تفریقیں بڑھتی رہیں گی اور یہ تو ایک کھیل بن جائے گا، اس لئے اس پر کوئی جواز کی شکل سوچنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کی ضرورت ہے کہ جو حقیقت میں گنہگار ہیں ان کو صحیح کرنے کی اور تدبیریں سوچنے چاہیے کہ ایسے غیر مسلم جج کے پاس جاکر اپنا فیصلہ لیں ان کے لیے وہاں کے مقامی مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے، ان سے قطع تعلق کرنا چاہئے جو بھی صورت ہو ان کو اختیار کرنا چاہئے اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

بھائی یہ پورا ہاؤس بیٹھا ہے الحمدللہ فقہ اکیڈمی کے سمینار ہوتے رہتے ہیں، ہم مسائل پر غور کرتے ہیں، میں نہیں سمجھتا ہوں کہ یہ بات یہاں کہنے کی ضرورت ہے کہ نصوص قطعیہ کے خلاف ہم نہ سوچیں، کون بیٹھا ہے نصوص قطعیہ کے خلاف سوچنے کے لیے، یہ سارے علماء دین کے محافظ ہیں اور دین کے دائرہ میں، شرع کے دائرہ میں رہتے ہوئے جو مجتہد فیہ مسائل ہیں ان ہی کے بارے میں غور کر سکتے ہیں، اس لیے یہ بات تو بے موقع سی ہے مجھے معاف فرمائیں، لیکن ہاں یہ بات، بھائی مسائل جو ہیں عورتوں کے، جو مشکلات ان کی ہیں، عورتیں آپ کا نصف ہیں اور یہ سمجھنا کہ وہ تو بگڑ رہی ہیں، خراب ہو رہی ہیں انھیں جانے دو، اسے رہنے دو ان کا اور واقعات دونوں طرح کے ہوتے ہیں۔ یوروپ میں جو آزادیٔ نسواں کا نعرہ بلند ہوا اور قوانین بنے اور آج ہمارے ملک میں صورت حال وہی چل رہی ہے اس کی وجہ سے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بسا اوقات شوہر مظلوم ہو جاتا ہے اور اب تو انجمنیں ایسی قائم ہو گئی ہیں ان ملکوں میں مظلوم شوہروں کی جو اپنے حقوق کے لیے لڑ رہی ہیں۔ برطانیہ میں ہو یا امریکہ میں ہو باضابطہ تنظیمیں قائم ہو چکی ہیں، لیکن ظاہر بات ہے کہ ہم جذبات میں کوئی بات کہہ کر کے کہ یہ عورتیں ظلم کر رہی ہیں، فلاں کر رہی ہیں کہ بھائی جہاں صریح حرام کی بات ہے، صریح حرام کو کون حلال کرے گا، لیکن کوئی مسئلہ کا اگر حل ہے شرعی حدود میں رہتے ہوئے تو اسی پر غور کرنے کے لیے آپ حضرات یہاں پر جمع ہوئے ہیں اور اکیڈمی نے الحمدللہ ہمیشہ اس کا التزام کیا ہے کہ اکیڈمی کے یہاں جو مسائل بھی زیر غور آئے ہیں، باتیں ایسی آسکتی ہیں کوئی قول شاذ بھی ذکر میں آسکتا ہے۔

ایک بات آپ سے میں عرض کر دوں کہ بھائی جو مناقشے ہوتے ہیں گفتگوئیں ہوتی ہیں بعض باتیں ایسی آسکتی ہیں جو آپ کے نزدیک قول شاذ ہے، بھائی مولانا آزاد کی شخصیت کتنی

بلند ہو لیکن فقہی معاملات میں، ان سب چیزوں کے بارے میں کس نظر سے ہم ان کو دیکھتے ہیں، کہاں تک کیا مقام ہے وہ الگ موضوع ہے انھوں نے اتنا کیا کہ ان کی رائے پیش کردی آپ کے سامنے، یہ مطلب نہیں کہ انھوں نے رائے پیش کردی تو اب گویا آپ سب اسی کو اختیار کرلیں گے، یہ تو بحث کر رہے ہیں آپ، کمیٹی آپ کی بیٹھے گی، تبادلۂ خیال ہوگا اس کے بعد کوئی چیز طے ہوگی آپ کے درمیان، اگر کوئی چیز طے نہ ہو تو اس پر کچھ بھی نہیں کیا جائے گا، اب کسی بات کی گنجائش نہیں ہے، مزید میں درخواست کرتا ہوں صاحب صدر سے کہ اپنے صدارتی کلمات جو دعائیہ کلمات ہوں گے اس سے اجلاس کو ختم فرمائیں۔

☆☆☆